اردو کی مزاحیہ شاعری

(انتخاب)

عرش ملسیانی

قیمت فی جلد :- آٹھ روپے

اشاعت اول :- ۱۹۶۹

پبلشرز :- مرکز تصنیف و تالیف نکودر

پرنٹر :- یونین پرنٹنگ پریس دہلی

کتابت :- عبد المنّان خوشنویس

ملنے کا پتہ :- مکتبہ جامعہ اُردو بازار دہلی

فہرست

ٹوٹی قبروں پہ نصب کرتے ہیں نشاں
مُردوں پہ لُٹاتے ہیں متاعِ دل وجاں
ان موت پرستوں کی نظر میں صد حیف
لَو سے بہتر ہے شمعِ کشتہ کا دُھواں

جوشؔ ملیح آبادی

ہلکے پھلکے طنز سے گویا ٹکڑے ٹکڑے پتھر دیکھا
جس نے مجھ کو گھور کے دیکھا میں نے اسکو ہنس کر دیکھا

شاد عارفی

اردو کی مزاحیہ شاعری

علم وفضل، ذہانت و فطانت اگر محض خشک ہوں تو ان کی تخلیقات میں نہ لطف ہوتا ہے اور نہ ان کے ادب میں چاشنی۔ دنیا کا کوئی عظیم فن کار، سپہ سالار، سیاستداں اور عام شہری اپنی فضیلت کو نمایاں نہیں کر سکتا جب تک اس میں ظرافت یا طنز کا فطری مادہ نہ ہو۔ قوموں کی ذہنی پختگی اور عالمی ادب کے معیار کے جانچنے کا صحیح پیمانہ وہاں کی ظرافت اور طنز و مزاح ہی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ عبید زاکانی یا چرکیں بن جائیں بلکہ آپ چرچل، چارلی چیپلن یا اکبر بھی تو ہو سکتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی گفتار، اپنے کردار اور اپنے اظہار سے اذہان پر چھا جاتے تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے زمانہ میں چرچل ایک تقریر کر رہے تھے اور ہٹلر کے خلاف زہر افشانی کر رہے تھے۔ مسولینی کا ذکر آیا تو اس نے کہا کہ "وہ پٹا ہوا گیدڑ" (Thalt Whipped Jackal) سامعین جو رعب تقریر اور خوف جنگ سے سہمے ہوئے بیٹھے تھے قہقہوں پر مجبور ہو گئے اور محفل زندہ ہو گئی۔ چارلی چیپلن کی مونچھیں ہٹلر سے مشابہ تھیں۔ ہٹلر نے اس کی فلموں کو جرمنی میں ممنوع قرار دے دیا۔ چارلی نے ڈکٹیٹر نام کی فلم بنا کر ہٹلر اور مسولینی کا وہ مذاق اڑایا کہ بایدوشاید۔ اکبر نے سرسید کو آڑے ہاتھوں لیا۔ نئی تہذیب کی ہر اچھی بری بات پر طنز کے تیر چلائے ہر چند وہ قدامت پرست تھے لیکن ان کا مزاح ہی ایک ایسی ڈھال تھی جو انھیں تیر ہائے مطاعن سے بچاتی تھی۔

ہجو، مضحکات، طنز، مزاح سب ظرافت کی اولاد ہیں۔ لیکن ان میں کہیں فرق ملیح ہے اور کہیں فرق قبیح۔ ہجو بات میں شخصی دشمنی زیر کار ہوتی ہے اور دشنام طرازی

تک نوبت پہنچتی ہے۔ میر ضاحک، سودا، انشا، اور مصحفی کی ہجویات ملاحظہ فرمائیے۔ مصحفی جیسے ثقہ آدمی سے توقع نہیں تھی کہ انشا کے باب میں وہ یہ بھی کہہ جائے گا۔ ع

والله کہ شاعر نہیں تو بھانڈ ہے بھڑوے

البتہ ہجویات کے تحت کچھ اچھی مزاحیہ نظمیں بھی تخلیق کا بہترین نمونہ ہیں۔ مثلاً سودا کی نظم در ہجو اسپ اور انشاء کی نظم بعنوان ''زنبور''۔ لیکن انشا کا فن اس ضمن میں بھانڈوں کا فن ہے۔ مصحفی کی پگڑی اچھالنے میں اس نے کونسی کسر اٹھا رکھی ہے۔ جلوس نکلے اور سوانگ رچائے۔ انشا کی ہجو میں فن کی بلندی اور صفائی نہیں۔ غم و غصہ ہے، بھٹیاریوں کے کوسنے ہیں، ٹھینگے دکھانا اور انگلیاں نچانا ہے۔ ان کو اچھے ظرافت نگاروں میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ پھر بھی وہ ہمہ تن ظرافت تھے اور وہ اپنی غزلوں کے لب و لہجہ کی نرمی اور لَے کے دھیمے پن کی وجہ سے زندہ ہیں ان کے یہاں چٹکیاں اور گدگدیاں بھی ہیں۔ ؎

چھیڑنے کا تو مزا تب ہے کہو اور سنو ۔۔۔۔ بات میں تم تو خفا ہو گئے لو اور سنو

میر کی ظرافت کا کیا کہنا۔ اس نے ''اپنے گھر کا حال'' میں صحیح مزاح کا ایک نادر نمونہ پیش کیا ہے اور اس سلسلے میں وہ اسی طرح اپنا جواب نہیں رکھتے جس طرح غزل میں۔

نظیر بڑا اچھا کلا باز شاعر ہے۔ دل لگی دل لگی میں وہ فلسفی بھی بن جاتا ہے۔ آدمی نامہ ایک عظیم طنزیہ نظم ہے۔

دنیا میں بادشاہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی ۔۔۔۔ اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

زردار بے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی ۔۔۔۔ نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

ٹکڑے جو مانگتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں ۔۔۔۔ بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں

پڑھتے ہیں آدمی ہی قرآن اور نمازیاں ۔۔۔۔ اور آدمی ہی ان کی چراتے ہیں جوتیاں

جو ان کو تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

چوہوں کا اچار اور چند دیگر نظمیں گھٹیا درجے کی ظرافت سے بھری پڑی ہیں لیکن نظیر نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ وہ اپنے ماحول کا شاعر ہے۔ ایسا عوامی شاعر جو بڑی حد تک مقامی بھی ہے۔ اس نے برسات پر متعدد نظمیں لکھی ہیں۔ سب کی سب شگفتہ اور ظرافت آمیز دیوالی تیراکی کا میلہ اور شب برات کتنے ہی دلکش موضوعات پر اس نے ظرافت کے پھول کھلائے ہیں۔ شب برات کا ایک بند ملاحظہ فرمایئے۔

آگر کسی کے سر پہ چھچھوندر لگی کڑی ۔۔۔ اُدپہ سے اور ہوائی کی آگر پڑی چھڑی
ہو گئی گلے کا ہار پٹاخے کی ہر لڑی ۔۔۔ پاؤں سے لپٹی شور مچا کر قلم نڑی

کرتی ہے پھر تو ایسی ستمگاری شب برات

نظیر کے بعد کا دور اکبر تک محض لفظی تصنع اور ضلع جگت کا دور ہے۔ فارسی میں شیخ و زاہد پر بھر پور طنز ملتا ہے اسی کے تتبع میں اردو والوں نے بھی اس موضوع کو اپنایا اور رندی کو حافظ کے اس شعر کے مصداق بلند درجہ عطا کیا ؎

چہ نسبت است برندی صلاح و تقویٰ را ۔۔۔ سماعِ وعظ کجا نغمۂ رباب کجا

چنانچہ زاہد سے یہ چھیڑ چھاڑ اردو شاعری کا ایک جزوِ لاینفک بن گئی اور قدما سے لیکر اب تک بدستور چلی جاتی ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں :۔

انشا :۔ یہ جو مہنت بیٹھے ہیں رادھا کے کنڈ پر ؛ اوتار بن کے گرتے ہیں پریوں کے جھنڈ پر

شیفتہ :۔ وہ شیفتہ کہ دھوم تھی حضرت کے زہد کی ؛ میں کیا کہوں کہ رات مجھے کس کے گھر ملے

غالب :۔ واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو ؛ کیا بات ہے تمہاری شراب طہور کی

حالی :۔ لوگ کیوں شیخ کو کہتے ہیں کہ عیّار ہے وہ ؛ اسکی صورت سے تو ایسا نہیں پایا جاتا

ریاض :۔ جناب شیخ نے پی لی تو منہ بنا کے کہا مزہ۔ کچھ تلخ ہے کچھ بو بھی خوش گوار نہیں

ان کے ساتھ خمریات کا ایک دور ہے جس میں قریب قریب ہر شاعر نے ہاتھ پیر مارے ہیں اور سب سے پر لطف بات یہ ہے کہ ریاض خیر آبادی ایسے ثقہ شاعر کہ جنھوں نے

عمر بھر شراب نہیں پی خمریات کے امام بن گئے لیکن جگر مرادآبادی جیسا ایک شعر بھی نہ کہہ سکے جو ایک رند لاابالی نے توقیرِ شراب اور تضحیک محتسب کے باب میں کہا ہو ؎

اے محتسب نہ پھینک ارے محتسب نہ پھینک ظالم شراب ہے ارے ظالم شراب ہے

ریختی کا دور کچھ ایسا قابل ذکر نہیں۔ اس میں جو اشعار جان صاحب یا دیگر شعراء نے کہے ان میں اتنی جان نہیں کہ انھیں پاکیزہ ظرافت کا درجہ دیا جائے۔

غالب بذلہ سنج "حیوان ظریف" تھے۔ ان کا مزاح البتہ نظم و نثر دونوں میں اعلیٰ درجے کا ہے۔ ان کے باب میں ڈاکٹر وزیر آغا اپنی کتاب "اردو میں طنز و مزاح" میں فرماتے ہیں

"غور کیجئے تو مرزا غالب بھی ایک ایسے ہی خوش باش فلسفی کی طرح ہیں جو جذبات و حادثات کے پر شور طوفانوں سے گزر کر ایک ایسے بلند ٹیلے پر پہنچے ۔ ۔ ۔ ۔ جہاں سے وہ ایک تبسم زیرِ لب کے ساتھ کسی گزرتے ہوئے کارواں کو انتہائی اطمینان کے ساتھ دیکھ سکے۔ غالباً اسی لئے کلام غالب میں خندۂ دنداں نما کی بجائے ایک ہلکی سی یاس انگیز کیفیت مزاح سے گلے ملتی ہوئی نظر آتی ہے ؎

دونوں جہان دے کے وہ سمجھے یہ خوش رہا یاں آ پڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں

جب میکدہ چھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو"

اودھ پنچ ۱۸۷۷ء میں جاری ہوا۔ اس کے ساتھ ہی اردو کی طنزیہ شاعری کا ایک نیا دور شروع ہوگیا۔ اس میں طنزیہ شعر کہنے والوں میں پنڈت تربھون ناتھ ہجر، عبدالغفور شہباز اور اکبر الہ آبادی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ہجر نے پیروڈی کی ترویج کی۔ مرزا غالب کی ایک غزل کی تحریف ملاحظہ ہو۔

اک مہینے سے چپکے بیٹھے ہیں واہ کیا واقعہ نگاری ہے

بیٹھے کوئی نہ آئے دفتر میں نادری حکم اب یہ جاری ہے

کیا کریں اب بچارے اپر ٹلس　　　رات دن شغلِ آہ وزاری ہے
ہائے تخفیف اور ٹیکس کے بیچ
رو چکے سب ہماری باری ہے

اکبر بہت بڑے طنز نگار ہیں۔ وہ لفظی بازی گری، تصرّف و تحریف سے بھی کام لیتے ہیں۔ وہ اپنے عقائد کے مطابق بہت سی اچھی نئی باتوں کی مخالفت بھی کرتے ہیں۔ اس پر بھی ان کا طنز بھرپور ہے۔ انھوں نے اردو ادب کے طنزیہ سرمائے میں بیش بہا اضافہ کیا۔ کبھی سرسید کو پکڑا، کبھی انگریزی تعلیم کی مخالفت کی، کبھی پردے کی حمایت کی اور کبھی لونڈر کا رونا رویا لیکن انھوں نے اتنا کہا کہ اس میں سے ایسے بے شمار اشعار نکلتے ہیں جن میں معاشرے اور سماج پر پوری تنقید ملتی ہے۔ اور قاری قہقہہ زن نہیں ہوتا بلکہ ایک تبسم زیرِ لب سے داد دیتا ہے اور تاثیر قبول کرتا ہے۔ وہ سرکاری ملازم بھی رہے اور پینشنر بھی۔ پھر بھی اس دور کی نسبت سے ان میں بے باکی اور صاف گوئی کے جوہر ملتے ہیں مثلاً یہ ملاحظہ ہوں:-

شوقِ لیلائے سول سروس نے مجھ مجنوں کو　　　اتنا دوڑایا لنگوٹی کر دیا پتلون کو

شیخ جی کے دونوں بیٹے باہنر پیدا ہوئے　　　ایک ہیں خفیہ پولیس میں ایک پھانسی پا گئے

شوہر افسردہ پڑے ہیں اور مرید آوارہ ہیں　　　بیبیاں اسکول میں ہیں شیخ جی دربار میں

باپ ماں سے شیخ سے اللہ سے کیا ان کو کام　　　ڈاکٹر جنوا گئے تعلیم دی سرکار نے

طفل سے بو آئے کیا ماں باپ کے اطوار کی　　　دودھ تو ڈبے کا ہے تعلیم ہے سرکار کی

اکبر جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے پہلے طنز نگار شاعر ہیں جنھوں نے باقاعدہ اسے صنفِ شاعری بنایا ان کی کلیات کی متعدد جلدوں میں غزلیں بھی ہیں لیکن زیادہ معتبر حصہ طنز ہی کا ہے۔ ہنگامی واقعات اور اکابر کے باب میں انھوں نے بڑی صاف گوئی اور بے باکی دکھائی ہے۔ ریاکاری اور مذہب کے تنزّل کے خلاف بہت کچھ کہا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ آج کا ترقی یافتہ تنقید نگار ان کی ہر بات سے متفق نہ ہو۔ آپ لوڈ ورا اور دلّی دربار کا مصنف گاندھی نامہ کا مصنف بھی ہے جس میں گاندھی پر پھبتیاں کسی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ذہن میں قدامت اور فرسودگی کے عناصر بھی تھے اور وہ قابلِ معافی ہیں کیونکہ اکثر ایسے اکابر بھی تھے جن کا گاندھی جی سے اختلاف رہا۔

انگریز کی نقل کرنے والوں پر تو وہ اپنی مخصوص ظرافت کے جوہر دکھاتے ہیں وہ ظرافت جس میں کنایہ بھی ہے اور رمزیت بھی۔

مال وہ ہے بنے جو یورپ میں	بات وہ ہے جو پانیر میں چھپے
پانی پینا پڑا ہے پائپ کا	حرف پڑھنا پڑا ہے ٹائپ کا
اے خدا کر دے مجھ کو صاحب لوگ	دور ہو مجھ سے اس جنم کا روگ
میرا فتالب ہو قالب غربی	بھول جاؤں زبان بھی اپنی
سو کے اٹھوں جو آج صبح کو میں	سب یہ سمجھیں کہ لاٹ صاحب ہیں

اکبر کے بعد ظریف لکھنوی، ظفر علی خاں، حافظ محمد ولایت اللہ اور شبلی نعمانی قابلِ ذکر طنز نگار ہیں۔ ظریف کا مجموعۂ کلام 'دیوان جی' کے نام سے شائع ہوا تھا۔ انکی اصلاحی نظمیں اور تکلّف آمیز مزاحیہ غزلیں مشاعروں میں دادِ سخن لیتی رہی ہیں۔ یہ صفی لکھنوی کے چھوٹے بھائی تھے اور گمان یہی ہے کہ ان سے مستفیض بھی ہوتے رہے ہوں گے۔ ان کی ایک مشہور نظم شامت الیکشن' ہر زمانے میں مقبول رہے گی میونسپل کمیٹی کا امیدوار ووٹ لینے جاتا ہے۔ ایک ووٹر کا قصہ یوں بیان کرتے ہیں:-

اس جگہ سے اٹھ کے گھر پر ایک صاحب کے گئے ۔۔۔ دس برس ناکام رہنے پر ہوئے تھے جو بی اے
ریلوے میں تھے ملازم خود بھی تھے چلتے ہوئے ۔۔۔ آپ کی تنخواہ کم تو ٹھاٹھ تھے ان کے بڑے

انگلش اسٹائل پہ رہنے کا جوان کو شوق تھا
بوٹ بیڑی پاؤں کی کالر گلے کا طوق تھا

پھوس کے چھپر میں رہتے تھے یہ اس سامان سے ۔۔۔ اور فرنیچر تو خارج ان کے تھا امکان سے
ٹوٹی پھوٹی کرسیاں لے کر کسی دوکان سے ۔۔۔ بیٹھتے تھے ان پہ چھپر میں نہایت شان سے

نام اک تختی پہ لکھ رکھا تھا یوں بہرِ وقار
مسٹر ابراہام بی اے ۔ ٹی ٹی سی، ای آئی آر

ظریف پوربی زبان کے ٹکڑے نظم میں استعمال کر کے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ لفظی الٹ پھیر اور محاورے کی چاشنی کا سہارا لکھنؤ والوں کا قاعدہ ہے اور ظریف اس میں پیش پیش ہیں۔

ظفر علی خاں بڑے طبّاع اور زود گو شاعر تھے۔ ان کے طنز کی تلخی اور بے باکی یاد رہے گی۔ زمیندار کی ادارت کے زمانے میں وہ اکثر فی البدیہہ نظمیں لکھتے۔ قافیوں کی غرابت اکبر سے کسی طرح کم نہ ہوتی۔ ذہین صحّافی اور ادیب تھے اور مخالف پر کڑا وار کرتے تھے۔ طبیعت میں تلوّن تھا اس لئے آج جس کی مدح کی ہے کل اسی کے خلاف زہر بھی اگلا ہے انگریز سے للّہی بیر تھا۔ مارشل لا کی لاقانونیت پر کیا خوب طنز ہے :۔

حق کا نہ کر اظہار کہ قانون یہی ہے ۔۔۔ فرماتی ہے سرکار کہ قانون یہی ہے
خود محتسبِ وقت ہے اک رند بلانوش ۔۔۔ مے سے نہ کر انکار کہ قانون یہی ہے

ہے جرم یہ جس کا کہ خدا ایک ہے اس کا
ہو گا وہ گرفتار کہ قانون یہی ہے

علی برادران سے مسئلۂ حجاز اور خلافت پر اختلاف ہوا تو انھوں نے غالب کی زمین میں طنز کے تیر برسائے :۔

کلکتے کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں | اک تیر ایسا سینے میں مارا کہ ہائے ہائے
انگشتِ رام پور کا پنجاب کی طرف | ہگلی کے گھاٹ پر وہ اشارا ہوا کہ ہائے ہائے
عبرت کی آنکھ کھول کے آپس کی پھوٹ کا | دیکھا وہ جاں خراش نظارا کہ ہائے ہائے
ملت کی آبرو سے علی بھائیوں کی ضد | لانے لگی وہ رنگ خود آرا کہ ہائے ہائے

بنگالہ کے افق میں کچھ ایسا ہوا غروب
ان دونوں بھائیوں کا ستارا کہ ہائے ہائے

ظفر علی خاں بے تکان اور فی البدیہہ کہنے والوں میں فرد ہیں۔ اس لئے ان کے طنز اکثر ہجویات کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ کنائے کی وہ معنی آفریں ظرافت ان کے یہاں کم ہے مگر وہ اپنی مثال آپ ہیں۔

شبلی نعمانی نے جنگ عظیم سے متعلق ایک نظم کہی تھی ملاحظہ فرمائیے:۔

ایک جرمنی نے مجھ سے کہا از رہِ غرور | آساں نہیں ہے فتح تو دشوار بھی نہیں
برطانیہ کی فوج ہے دس لاکھ سے بھی کم | اور اس پہ لطف یہ ہے کہ تیار بھی نہیں
باقی رہا فرانس تو وہ رند لم یزل | آئیں شناسِ شیوۂ پیکار بھی نہیں
میں نے کہا غلط ہے ترا دعویٰ غرور | دیوانہ تو نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں
ہم لوگ اہل ہند ہیں جرمن ہو دس گنے | تجھ کو تمیزِ اندک و بسیار بھی نہیں
سنتا رہا وہ غور سے میرا کلام اور | پھر وہ کیا جو لائق اظہار بھی نہیں

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

احمق پھپھوندوی جنگ آزادی کے مجاہد تھے۔ قید و بند کی مصیبتیں جھیلیں انگریزی حکومت کے خلاف ان کا طنزیہ لہجہ تلخ سے تلخ تر ہوتا چلا گیا۔ انھوں نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن اکثر نہیں تو کبھی کبھی ان کے یہاں ابتذال بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً

کب تک کھلائے گا تو تلابازیاں مجھے
عاشق ہوں میری جاں کوئی بندر نہیں ہوں میں

لیکن وہ سیاست حاضرہ پر متین طنز بھی کرتے ہیں اور شگفتگی کو شگفتہ تر کرتے ہیں۔

یہ ووٹ بھی تو عجب داشتہ ہے سیاست میں ۔۔۔ اصیل مرغ اسی سے لڑائے جاتے ہیں

ادب نوازیٔ اہل ادب معاذ اللہ ۔۔۔ مشاعروں میں اب احمق بلائے جاتے ہیں

دوسرا شعر تخلص کی رعایت سے کہہ گئے لیکن شاید یہ پیش گوئی تھی۔ آج کل کے مشاعروں کا حال دیکھو تو بات حقیقت نظر آتی ہے۔ ایسے ایسے احمق شاعر اپنے کرتب دکھاتے ہیں کہ رونا آتا ہے۔ خوش بیانی کی مٹی پلید۔ نہ شعریت، نہ خیال انگیزی بس

جملہ دندانِ تو در دہانند ۔۔۔ چشمانِ تو زیرِ ابرو آنند

سیاسی اور اقتصادی بحران کا زمانہ آیا۔ سماجی اور اخلاقی اقدار بدلے معاشرے میں حیرت انگیز تبدیلی آئی۔ مضحکات اور طنزیات کا نمایاں فرق ظاہر ہوا۔ جدید شعراء نے زندگی اور سماج کی برائیوں کو آشکار کیا اور چھپے ہوئے تیز نشتر چلائے۔ اس ضمن میں شاد عارفی اور راجہ مہدی علی خاں کا نام پیش پیش ہے۔ شاد عارفی کی نظم ساس بہو اور راجہ مہدی علی خاں کی نظم "ایک جہلم پر" سماجی کمزوریوں پر بھرپور طنز ہیں۔

ان کے ساتھ ساتھ سید محمد جعفری، ضمیر جعفری، مجید لاہوری، فرقت کاکوروی، رضا نقوی واہی، دلاور فگار، شہباز امروہوی اور کتنے ہی طنز نگار اور پیروڈی لکھنے والے منظرِ عام پر آ رہے ہیں۔ نئے معاشرے میں رشوت ستانی، چور بازاری، ووٹ، الیکشن، جاہ طلبی، وغیرہ بہت سی برائیاں وجود میں آئیں۔ اس سلسلے میں مجید لاہوری نے نظیر اکبرآبادی کے تتبع میں نیا آدمی نامہ لکھا۔

وہ بھی ہے آدمی جسے کوٹھی ہوئی الاٹ ۔۔۔ وہ بھی ہے آدمی کہ ملا جس کو گھر نہ گھاٹ

وہ بھی ہے آدمی کہ جو بیٹھا ہے بن کے لاٹ ۔۔۔ وہ بھی ہے آدمی جو اٹھائے ہے سر پہ کھاٹ

موٹر میں جا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
رکشا چلا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

منسٹر، الیکشن کا زمانہ، مجھ کو داتا دلا، لیڈری، انجمن تحسین باہمی ان کی بہت اچھی طنزیہ نظمیں ہیں۔ جواں مرگی انھیں دنیا سے لے گئی ورنہ ان میں ظرافت کے بڑے اچھے جوہر تھے۔ نثر کا ایک طنزیہ پرچہ نمکدان بھی نکالتے تھے۔

شاد عارفی اس عہد کے سب سے بڑے طنز نگار ہوئے ہیں۔ ان کا طنز ادب اور سیاست دونوں کو ہدف ملامت بناتا ہے۔ شعرائے کرام کے باب میں طنز ملاحظہ فرمایئے :۔

ندرتِ فن کے واسطے اے شاد ـــــ میرے مضمون میرے شعر چراؤ

شراب و شاہد کے تذکرے ان سے چھین لوگے تو کیا کریں گے
شراب و شاہد کے تذکروں تک ہی جن کی جادو بیانیاں ہیں

قفس میں طائر غزل سرا ہیں چمن میں ہلڑ مچا ہوا ہے
ادب برائے ادب کی پہلی شتابدی کا مشاعرہ ہے

جن کی ذہنیتیں ہیں رہین کجی ـــــ جانتے ہیں مجھے ترقی نہ سجی
فکر ہر کس بقدر ہمت لیکن ـــــ بھینس کے آگے بین مجھ سے نہ بجی

ہماری ہاں کی سیاست کا حال نہ پوچھ ـــــ گھری ہوئی ہے طوائف تماش بینوں میں

ہم خدا کے ہیں وطن سرکار کا ـــــ حکم چلتا ہے مگر زردار کا

زندگی کی ناکامیوں، تلخیوں، نامرادیوں، اور توہم پرستیوں پر اس طنز نگار نے وہ وار کئے ہیں کہ باید و شاید۔ اس کا لہجہ اپنا ہے، انداز اپنا ہے۔ یہ کسی کا تتبع نہیں کرتا۔ یگانہ کی طرح اجتہاد کرتا ہے اور نادرہ کار ہے۔

اردو ادب کی تاریخ میں اس شاعر کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ یہ کم ظرف زمانہ جوہر صحیح کی قدر کرنا نہیں جانتا لیکن "شہرت شعرم بگیتی بعد من خواہد شدن" کہنے والے غالب کی صد سالہ برسی منائی ہی گئی۔ بعرفِ عام عارفی عارفِ کامل تھا۔ طنز و مزاح کی راہوں کی معرفت کا۔ کلام منتشر پڑا ہے۔ امید ہے مظفر حنفی اس کا اہتمام بھی کریں گے کہ یک جا چھپ جائے۔

سید محمد جعفری کو دورِ حاضرہ کا کہنہ مشق، طنز نگار کہنا چاہیئے۔ تقسیم ملک سے پہلے ان کی بہت سی نظمیں ہندوستان میں مقبول ہوئیں۔ ہندوستان میں برطانوی کیبنٹ مشن کی آمد پر نظم میں اکبر کی نظم آبِ لوڈور کا بہاؤ ہے۔

مشن نے دیا الغرض یہ بیاں	بہیں جیسے برسات میں ندیاں
گروپ اور مرکز بناتا ہوا	وہ شیرے میں مکھی پھنساتا ہوا
مچاتا ہوا فرقہ وارانہ جنگ	افق کو بناتا ہوا لالے رنگ
یہ رو رو کے کہتے تھے شیڈولڈ کاسٹ	کہ دھوبی کے کتے کا گھر ہے نہ گھاٹ
گیا الغرض وہ جو آرہی گیا	تماشا دکھا کر مداری گیا

بھنگیوں کی ہڑتال، تھرڈ کلاس کا سفر، پرانا کوٹ اس زمانہ کی بہت اچھی اور پائیدار نظمیں ہیں۔ اقبال کی نظم شکوہ، کے ایک بند پر پاکستان جانے کے بعد تحریف کی ہے، نظم ہے وزیروں کی نماز۔

عطر میں ریشمی رومال بسایا ہم نے	لائے تھے مصلٰے وہ بچھایا ہم نے
دور سے چہرہ وزیروں کو دکھایا ہم نے	ہر بڑے شخص کو سینے سے لگایا ہم نے

پھر بھی ہم سے یہ گلہ ہے کہ وفادار نہیں
کون کہتا ہے کہ ہم لائق دربار نہیں

راجہ مہدی علی خاں بڑے ہنسوڑ اور زندہ دل انسان تھے۔ ظرافت کے پھول کھلاتے سماج کی دکھتی رگ پر نشتر رکھتے۔ ہر چند وہ فلمی دنیا سے وابستہ ہوگئے تھے لیکن دوسرے شعراء کی طرح ان کے کمال میں فرق نہیں آیا۔ ان کی نظم 'ایک جہلم' طنزیہ شاعری میں ہمیشہ ممتاز رہے گی۔ ایک طویل مثنوی انھوں نے شعرائے اردو کے باب میں قہرالبیان کے نام سے لکھی جو ادبی دنیا میں شائع ہوئی تھی" اس سے اور اسی سے 'ضرورت رشتہ اور تصویریں'، بڑی زندہ و پائندہ نظمیں ہیں۔ آج کل رشتہ کرنے سے پہلے تصویریں منگوائی جاتی ہیں۔ ان تصویروں پر کس قدر پر لطف نکتہ چینی ہوتی ہے۔ ٹیپ کے مصرعے خوب ہیں "نہیں جچتا نہیں جچتا، میں باز آئی میں باز آئی، نہیں اچھی نہیں اچھی۔ آج کل کے لڑکے لڑکیوں کی بے باکی اور شوہر اور بیوی کے تصور کے باب میں یہ نظم خوب ہے۔ بیوی کی سہیلیاں، میاں کے دوست قابل ظرافت کا اچھا نمونہ ہیں۔ ان کا یہ طنزیہ ادب قیمتی سرمایہ ہے۔ جو غالباً ابھی تک اِدھر اُدھر بکھرا پڑا ہے اگر ایک جگہ شائع ہو جائے تو ادب میں ایک پائندہ اضافہ بن جائے۔ راجہ مہدی علی خاں کے فن میں کہیں ابتذال و رکاکت نہیں۔ لیکن سماج میں جو گھناؤنا پن ہے وہ بہت جلد دیکھ لیتے اور اس پر آوازے کستے کچھ اس انداز سے کہ آپ کا جی بے اختیار ہنسنے کو چاہے لیکن آپ ایسا کر نہ سکیں اور ایک تبسم زیر لب ہی سے داد دیں۔

عہد حاضرہ کے طنز نگاروں میں ضمیر جعفری بھی قابل ذکر ہیں۔ ان کی مشہور نظم "عورتوں کی اسمبلی اور وزارت" ہے اس نظم میں نسوانی فطرت کے بعض رجحانات پر طنز ہے۔

بوا کو تو دیکھو نہ گہنا نہ پاتا   فقط اک غرارہ فقط ایک چھاتا
نہیں کچھ بھی نام خدا آتا جاتا   بجٹ ہاتھ میں جیسے دھوبن کا کھاتا

ادھر ممبری چھڑ گئی ممبری سے
اُدھر طفل رونے لگے گیلری سے

یہ آواز شور و شغب بولتی ہیں — بہ انداز غیظ و غضب بولتی ہیں
نہیں بولتی ہیں تو کب بولتی ہیں — یہ جب بولتی ہیں تو سب بولتی ہیں

شہادت کی انگشت اقبال پر ہے
کبھی ناک پر ہے کبھی گال پر ہے

تین اور شاعر قابل ذکر ہیں۔ رضا نقوی واہی، دلاور فگار، اور شہباز امروہوی واہی کی نظموں میں پروگرام، لیڈری کا نسخہ، لیلائے کرپشن، مشاعرہ، کامریڈ اور پی ایچ ڈی بہت اچھی طنزیہ نظمیں ہیں۔ ان کے یہاں مزاح کا دھیما پن، مشاہدے اور علم کا شعور، اور ایک متانت پائی جاتی ہے۔ نہ جوش جیسا شکوہِ بیان ہے نہ نظیر جیسا پھکڑ پن، نہ اکبر کی قدامت پرستی۔ بلکہ ان کے مزاح میں برجستگی کے ساتھ ساتھ نرمی بھی ہے۔

دلاور فگار نے بہت سے موضوعات پر قلم اٹھایا ہے جن میں ہنگامی بھی ہیں اور سماجی بھی۔ کہیں کہیں وہ محض ہنگامی ہو گئے ہیں اور اخباری واقعات سے مزاح کا پہلو پیدا کرتے ہیں۔ دلاور فگار کی نظمیں بھی خوب ہیں لیکن قطعوں میں یہ بڑے عروج پر ہیں اسی طرح جیسے خیّام، سحابی نجفی، اور سرمد ایسے رباعی گو۔ رباعی میں اُن کا رنگ الگ اِن کا رنگ الگ۔ لیکن چار مصرعوں میں فلسفۂ حیات کا بیان ہو یا کسی سماجی پہلو پر نشتر زنی، دونوں باتیں قابل تعریف ہیں۔ ان کے کچھ قطعے ملاحظہ فرمایئے۔

ہمارے والد مرحوم نے یہ فرمایا — ہمارے ایک ہی فرزند ہے جو تاجر ہے
کسی نے ٹوکا کہ حضرت کا دوسرا بیٹا — بڑے ہی طنز سے بولے کہ وہ تو شاعر ہے

شاعروں نے رات بھر بستی میں واویلا کیا — داد کی آواز سے سارا محلہ ڈر گیا
اک ضعیفہ اپنے لڑکے سے یہ بولی اگلے روز — رات کیسا شور تھا کیا کوئی شاعر مر گیا

یہ دونوں قطعے شاعروں کو بڑا اچھا خراج تحسین ہے۔

مشترک تعلیم، پارسل ٹرین، شاعر مرحوم، وامق و فرہاد، بدایوں کے شاعر (خود بھی حضرت بدایوں کے ہیں) ملت بیضا، آب و ہوا، برقعہ کنٹرول، رضا کار اور بھاشن کے عنوان سے ان کے قطعات بہت داد لیتے رہے ہیں۔ ان کی ایک تحریف لاجواب ہے حالی کے مشہور شعر میں دو لفظ بدل کر امت کے نوحے کو..... اردو کا نوحہ بنا دیا ہے

اے خاصۂ خاصانِ ادب وقت دعا ہے   اردو پہ تری آ کے برا وقت پڑا ہے

شہباز امروہوی نسبتاً غیر معروف شاعر ہیں۔ گو بصارت سے محروم ہیں لیکن علمی بصیرت سے مالا مال ہیں۔ طنز نگاری میں اپنا جواب آپ ہیں۔ ان کی طنزیہ نظمیں، لیڈر شاعر اور گنوار، اور گھڑی دعوت بہت مشہور ہیں۔ یہ بھی اپنی نظموں میں حال کی بدعتوں پر طنز کرتے ہیں اور تہذیبی معائب اور سماجی کمزوریوں کا مضحکہ اڑاتے ہیں۔ ان کے چند قطعات ملاحظہ ہوں۔

سائنس داں اڑا کے جہازوں کو چند میل   مغرور کیا ہیں دہر میں برق اور بھاپ پر
دیکھے ہمارے صوفیٔ عالی مقام کو   عرش بریں تک اڑتے ہیں طبلے کی تھاپ پر

معمارِ صنم خانہ ملی ہوتا   بڑھیا سی کسی پوسٹ پہ دتی ہوتا
منصوبے بنانے میں گزر جاتی عمر   اے کاش کہ میں بھی شیخ چلی ہوتا

میری تنخواہ تو اتنی بھی نہیں اے شہباز   ساگ بھی مجھ کو میسر ہو جو چولائی کا
پھر بھی ہر روز اڑاتا ہوں میں دودھ اور دہی   ہے یہ سب فیض مری آمدِ بالائی کا

رشوت پر ایک اور دلچسپ قطعہ قوافی میں ہے۔

دیکھا جو مجھ کو کورٹ میں کہنے لگا کلرک   یارو شکار آیا ہے اس کو گھسوٹ لو
جمشید جی یہ لوٹ کر موٹا ہے یہ کسان   رشوت میں اس سے بڑھیا سی بیلوں کی جوٹ لو
فرمایا جیکسن نے کہ جھنجھٹ میں مت پڑو   سیدھی سی بات یہ ہے کہ سو سو کے نوٹ لو

بولے یہ شیر سنگھ کہ بزدل ہیں آپ لوگ　　میری تو رائے ہے کہ گھن بھی گھسوٹ لو
جمن نے کانپ کر کہا یارو کرو نہ شور　　جو کچھ بھی تم کو لینا ہے پردے کی اوٹ لو

پیروڈی لکھنے والوں میں فرقت کاکوروی بڑے دسترس والے شاعر ہیں۔ انھوں نے کسی زمانے میں جدید نظموں پر پیروڈیاں لکھی تھی جو مداوا کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہوئیں۔ ان کے علاوہ انھوں نے طنزیہ نظمیں اور قطعے بھی بہت کہے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کی مشہور نظم فیملی پلاننگ ہے اور لطف یہ ہے کہ یہ بجائے خود ایک جدید نظم ہے۔

کنھیا لال کپور شعراء کے زمرے میں تو نہیں لیکن ان کا مضمون "غالب جدید شعراء کی محفل میں" ایک دلچسپ پیروڈی کا حامل بھی ہے جو فیض احمد فیض کی نظم 'تنہائی' پر بہ عنوان "لگائی" ہے۔

فون پھر آیا دلِ زار نہیں فون نہیں
سائیکل ہوگا کہیں اور چلا جائے گا
ڈھل چکی رات اترنے لگا کھمبوں کا بخار
کمپنی باغ میں لنگڑانے لگے سرد چراغ
تھک گیا رات کو چلّا کے ہر اک چوکیدار
گل کرو دامنِ افسردہ کے بوسیدہ داغ
یاد آتا ہے مجھے سرمۂ دنبالہ دار
اپنے بے خواب گھروندے ہی کو واپس لوٹو
اب یہاں کوئی نہیں کوئی نہیں آئے گا

جوش ملیح آبادی اور اقبال بھی طنز نگاروں میں شامل ہیں لیکن ان کی حیثیت سنجیدہ شاعری میں اتنی بڑی ہے کہ ان کا ذکر تفصیل سے نہیں کیا گیا۔ دونوں کے باب

میں بعض نقادوں کی یہ بھی رائے ہے کہ طنز نگاری ہیں دونوں باکمال ہیں۔ اول الذکر کے باب میں تو یہ بات درست ہو سکتی ہے مؤخر الذکر کے لئے نہیں۔ اکبر کے رنگ کی پیروی کرنی چاہی تھی مگر ہو نہ سکی۔ ان کی عام نظموں میں جہاں کہیں طنز ہے وہ 'اکبری' اقبال سے بدرجہا بہتر ہے۔

امید ہے اردو شاعری پر طنز نگار اپنا کرم جاری رکھیں گے اور یہ پاکیزگی اور بے باکی کی حامل رہے گی۔

اس مجموعے کی ترتیب میں جن مصنفین کے کلام کا انتخاب شامل ہے میں ان کا بہت شکر گزار ہوں۔ کئی ضروری نام رہ گئے ہوں گے۔ کچھ میری لاعلمی ذمہ دار ہے اور کچھ خوف طوالت۔ بہت سے دوستوں نے میری مدد کی خاص طور پر دلی یونی ورسٹی کے ڈاکٹر فضل الحق نے، میں ان کا بہت شکر گزار ہوں۔

عرش ملسیانی

دلی۔ یکم اگست ۱۹۶۹ء

میر کے آبا و اجداد پہلے پہل جنوبی ہند میں آئے۔ وہاں سے احمد آباد، گجرات پہنچے۔ پھر آگرے میں دم لیا۔ پھر وہیں ۱۷۲۲ء میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں یتیم ہو گئے اور اپنے خالو سراج الدین خاں آرزو کے پاس چلے گئے۔ جوان ہوئے تو نواب آصف الدولہ کے بلانے پر لکھنؤ چلے گئے۔ ۱۸۱۰ء میں انتقال فرمایا۔

میر بڑے نازک مزاج اور انا پسند تھے۔ بڑے بڑے شاعروں اور عالموں نے ان کا لوہا مانا ہے یہاں تک کہ غالب نے بھی کہا ہے ؎

ریختہ کے تمہیں استاد نہیں ہو غالب   سنتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

میر نے شعر میں بہت کچھ کہا ہے۔ یوں تو مختلف اصناف سخن میں انھوں نے قلم رانی کی ہے لیکن غزل میں ان کے قلم نے وہ جوہر دکھائے ہیں کہ باید و شاید۔ ان کے ہم عصر مرزا سودا نے ان کی ہجو کی ہے لیکن میر نے کہیں طنز و مزاح سے کام لیا ہے تو اس کا کچھ اور ہی لطف ہے۔ انھوں نے اپنے زمانے اور ماحول کا مذاق اڑایا ہے۔ اس رنگ میں ان کی سب سے زیادہ نمائندہ نظم "اپنے گھر کا حال" ہے۔

اپنے گھر کا حال

کیا لکھوں میرؔ اپنے گھر کا حال
اس خرابے میں میں ہوا پامال

گھر کہ تاریک و تیرہ زنداں ہے
سخت دل تنگ یوسفِ جاں ہے

کوچۂ موج سے بھی آنگن تنگ
کوٹھری کے حباب کے سے ڈھنگ

چار دیواری سو جگہ سے خم
تر تنک ہو تو سوکھتے ہیں ہم

لونی لگ لگ کے جھڑتی ہے ماٹی
آہ کیا عمر بے مزہ کاٹی

کیا تھمے مینھ سقف چھلنی تمام
چھت سے آنکھیں لگی رہے ہیں مدام

اس چلکش کا علاج کیا کریے
راکھ سے کب تلک گڑھے بھریے

جا نہیں بیٹھنے کو منھ کے بیچ
ہے چلکش سے تمام ایواں کیچ

آنکھیں بھر لاکے یہ کہیں ہیں جب
کیونکہ پردا رہے گا یارب اب

جھاڑ باندھا ہے مینھ نے دن رات
گھر کی دیواریں ہیں گی جیسے پات

ہاتھ میں کانپتی ہیں جو تھر تھر
ان پر ردّا رکھے کوئی کیونکر

پیکھنے کے جوں توں چھوپا ہے
چھوپا کاہے کو بلکہ تھوپا ہے

تس کو پھر پرچھتی بھی ہئی نہیں
ٹوٹا اک بوریا سا ڈالو کہیں

ڈھانکو دیوار یا اٹھا رکھو
پا ہمارے لیے۔ بچھا رکھو

اک حجرہ جو گھر میں ہے واثق
سو شکستہ تر از دلِ عاشق

کہیں سوراخ ہے کہیں ہے چاک
کہیں جھڑ جھڑ کے ڈھیر سی ہے خاک

کہیں گھونسوں نے کھود ڈالا ہے
کہیں چوہوں نے سر نکالا ہے

کہیں گھر ہے کسو چھچھوندر کا
شور ہر کونے میں ہے مچھر کا

کہیں مکڑی کے لٹکے ہیں جالے
کہیں جھینگر کے بے مزہ نالے

کونے ٹوٹے ہیں طاق پھوٹے ہیں
پتھر اپنی جگہ سے چھوٹے ہیں

اینٹ چونا کہیں سے گرتا ہے
جی اسی حجرے ہی میں پھرتا ہے

رکھ کے دیوار ادھر اودھر سے
لا کے یارب بتاؤں کس گھر سے

چارپائی جب اس میں بچھوائی
پہلے چلپاسہ ہی نظر آئی

سام ابرص کرے ہے دوائے خراج
ہر جگہ یاں سے ہے نمایاں آج

پیکر اپنی خدا نے رکھی ہے
ڈانس ایک ایک جیسے مکھی ہے

آگے اس حجرے کے ہے اک ایوان
وہی اس تنگ خلق کا ہے مکان

کڑیاں تختے سبھی دھوئیں سے سیاہ
اس کی چھت کی طرف ہمیشہ نگاہ

کبھو کوئی سپنولیا ہے پھرے
کبھی چھت سے ہزار پائے گرے

کوئی تختہ کہیں سے ٹوٹا ہے
کوئی واسا کہیں سے چھوٹا ہے

دبکے مرنا ہمیشہ مد نظر
گھر کہاں صاف موت ہی کا گھر

مٹی تو وہ جو ڈالی چھت پر ہم
تھے جو شہتیر جوں کماں ہیں خم

مضطرب ہو کے جو بچھائی بہت
ہر کڑی نے کڑی اٹھائی بہت

پر سے اس مینھ میں کہ چھنتی ہے
تختے تختا ہوئے یہ سختی ہے

ہوئیں اڑ داڑیں پھر جو حد سے زیاد
چل ستوں سے مکان دیوے ہے یاد

اینٹ مٹی کا در کے آگے ڈھیر
گرتی جاتی ہے ہولے ہولے منڈیر

جیتے ہیں جب تلک نہیں پہونچے
ورنہ کیا بس ہے جو یہیں پہونچے

کنگنی دیوار کی نپٹ بے حال
پدڑی کا بوجھ کب سکے نہ سنبھال

لوٹا بینا تو ایک بابت ہے
بودنا پھدکے تو قیامت ہے

کیونکہ ساون کٹے گا اب کی بار — تھرتھراوے ہے جھنجھری سی دیوار
ہو گیا ہے جو اتفاق ایسا — شاق گزرے ہے کیا کہوں کیسا
ہو کے مضطر لگے ہیں کہنے سب — اُڑ جھنجھری کہ ساون آیا اب
تیتری یاں جو کوئی آتی ہے — جانِ محزوں نکل ہی جاتی ہے
نہیں دیوار کا یہ اچھا ڈھنگ — کہیں کھسکی تو ہے قیامت تنگ
ایک دن ایک کوّا آ بیٹھا — بے تگّاں جیسے ہوّا آ بیٹھا
چیل سے لوگ دوڑے کرتے شور — کہ نہ حایط میں کچھ رہا تھا زور
ہو نہ ایسا کہ اپنی چال چلے — دوڑے اُچھلے کہ ہال ہال چلے
نہیں وہ زاغ چار پاؤں پھرا — ایک کالا پہاڑ آن گرا
مٹی اس کی کہیں کہیں جھسکی — جی ڈہا اور چھاتی بھی دھسکی
سان کر خاک لگ گئے دو چار — بارے جلدی درست کی دیوار
اچھے ہونگے کھنڈر بھی اس گھر سے — برسے ہے اک خرابی گھر در سے
اُکھڑے بکھڑے کواڑ ٹوٹی وصید — نہ سلفے زنجیر ایک کہنہ جدید
خاک لوہے کو جیسے کھاوے پاک — چھپر بیچئے تو پھر نری ہے خاک
بند رکھتا ہوں در جو گھر میں ہوں — قدر کیا گھر کی جبکہ میں ہی نہ ہوں
گھر بھی پھر ایسا جیسا ہے مذکور — ہے خرابی سے شہر میں مشہور
جس سے پوچھو اُسے بتا دے شتاب — ساری بستی میں ہے یہی تو خراب
ایک چھپر ہے شہرہ دلّی کا — جیسے روضہ ہو شیخ چلّی کا
بانس کی جا دیئے تھے سرکنڈے — سو وے مینہوں میں سب ہوئے ٹھنڈے
گل کے بندھن ہوئے ہیں ڈھیلے — پاکھے رہنے لگے ہیں گیلے سب
مینہ میں کیوں نہ بھیگے یکسر — پھونس تو بھی نہیں ہے چھپّر پر

مٹی ہو کر گرا ہے سب والا
وہ ہے ہاں جو ہوئے ڈھب والا

واں پہ ٹپکا تو یاں سرک بیٹھا
باں جو بھیگا تو واں تنک بیٹھا

حال کس کو ہے اولتی کا یاد
نگری اس جھگڑے میں گئی برباد

کہیں صحنک رکھوں کہیں پیالا
کہیں ہانڈی کے ٹھیکرے لالا

ٹپکے دو چار جا تو بند کروں
پیچ کوئی لڑاؤں فند کروں

یاں تو چھانکے ہزار ہیں تنہا
کچھ نہیں ہائے مجھ سے ہو سکتا

بسکہ بدرنگ ٹپکے ہے پانی
کپڑے رہتے ہیں میرے افشانی

کوئی جانے کہ ہولی کھیلا ہوں
کوئی سمجھے ہے یہ کہ خیلا ہوں

مجھ سے کیا واقعی ہوا چارا
آسماں جو پھٹے تو کیا چارا

بان جھینگر تمام چاٹ گئے
بھیگ کر بانس پھاٹ پھاٹ گئے

تنکے جاندار ہیں جو بیش و کم
تن پہ چڑیوں کو جنگ ہے باہم

ایک کھینچے ہے چونچ سے کر زور
ایک نگری پہ کر رہی ہے شور

پوچھ مت زندگانی کیسی ہے
ایسے چھپّر کی ایسی تیسی ہے

کیا کہوں جو جفاچکش سے سہی
چارپائی ہمیشہ سر پہ رہی

بوریا پھیل کر بچھا نہ کبھو
کونے ہی میں کھڑا رہا یکسو

ڈیوڑھی کی ہے یہ خوبی در ایسا
چھپّر اس چوبچلے کا گھر ایسا

جنس اعلیٰ کوئی کھٹولا کھاٹ
پائے پٹّی رہے ہیں جنکے پھاٹ

کھٹملوں سے سیاہ ہے سو بھی
چین پڑتا نہیں ہے شب کو بھی

شب بچھونا جو میں بچھاتا ہوں
سر پہ روز سیاہ لاتا ہوں

کیڑا ایک ایک پھر مکوڑا ہے
سانجھ سے کھانے ہی کو دوڑا ہے

ایک چٹکی میں ایک چھنگلی پر
ایک انگوٹھا دکھاوے انگلی پر

گرچہ بہتوں کو میں مسل مارا — پر مجھے کھٹملوں نے مل مارا

ملتے رانوں کو گھس گئیں پوریں — ناخنوں کی ہیں لال سب کوریں

ہاتھ تکیے پہ گر بچھونے پر — کبھو چادر کے کونے کونے پر

سلسلایا جو پائنتی کے اور — وہیں مسلا کر ایڑیوں کا زور

توشک ان رگڑوں ہی میں سب پھاٹی — ایڑیاں یوں رگڑتے ہی کاٹی

جھاڑتے جھاڑتے گیا سب بان — ساری کھاٹوں کی چولیں نکلی ندان

نہ کھٹولا نہ کھاٹ سونے کو — پائے پٹی لگائے کونے کو

جب نہ تب پنڈے پر لئے پائے — سیتلا کے سے دانے مرجھائے

سو یہ تنہا نہ بان میں کھٹمل — آنکھ منھ ناک کان میں کھٹمل

کہیں بھٹرکا کہ جی سے تاب گئی — آنکھ سے تا پگاہ خواب گئی

اک ہتیلی پہ ایک گھائی میں — سیکڑوں ایک چارپائی میں

ہاتھ کو چین ہو تو کچھ کہیے — کب تلک یوں ٹٹولتے رہیے

یہ جو بارش ہوئی ہے آخر کار — اس میں سی سالہ وہ گری دیوار

آہ کھینچی خرابی کیا کیا نہ — تھے جو ہمسائے وے ہیں ہمخانہ

ایسے ہوتے ہیں گھر میں تو بیٹھے — جیسے رستے میں کوئی ہو بیٹھے

دو طرف سے تھا کتوں کا رستا — کاش جنگل میں جا کے میں بستا

ہو گھڑی دو گھڑی تو دتکاروں — ایک دو کتے ہوں تو میں ماروں

چار جاتے ہیں چار آتے ہیں — چار عف عف سے مغز کھاتے ہیں

کس سے کہتا پھروں یہ صحبت نغز — کتوں کا سا کہاں سے لاؤں مغز

وہ جو ایوان تھا حجرے کے آگے — اس کے اجزا بکھرنے سب لاگے

کوٹھا بوجھل ہوا تھا بیٹھ گیا — پانی جز جز میں اس کے پیٹھ گیا

کڑی تختہ ہر ایک چھوٹ پڑا | ناگہاں آسمان ٹوٹ پڑا
میں تو حیران کار تھا اپنا | کوئی اس دم نہ یار تھا اپنا
اینٹ پتھر تھے مٹی تھی یکسر | خاک میں مل گیا تھا گھر کا گھر
چرخ کی کجروی نے پیسا تھا | پر خدا میرا مجھ سے سیدھا تھا
کتنے اک لوگ اس طرف دھائے | یا ملک آسمان سے آئے
مٹی لے لے گئے دو ہاتھوں میں | کام نے شکل پکڑی باتوں میں
صورت اس لڑکے کی نظر آئی | ہم جو مردے تھے جان سی پائی
آنکھ کھولی ادھر ادھر دیکھا | اس خرابی کو پھر نظر دیکھا
قدرت حق دکھائی دی آ کر | یعنی نکلا درست وہ گوہر
داشت کی کوٹھری میں لا رکھا | گھر کا غم طاق میں اٹھا رکھا
مومیائی کھلائی کچھ ہلدی | فرصت اس کو خدا نے دی جلدی
غم ہوا اس کے دوستداروں کو | پھر بندھا یہ خیال یاروں کو
کہ مری بود و باش یاں نہ رہے | گو تصرف میں یہ مکاں نہ رہے
شہر میں جا بہم نہ پہونچی کہیں | چار ناچار پھر رہا ہیں وہیں
اب وہی گھر ہے بے سروسایہ | اور میں ہوں وہی فرومایہ
دن کو ہے دھوپ رات کو ہے اوس | خواب راحت ہے یاں سو سو کوس
قصہ کوتہ دن اپنے کھوتا ہوں | رات کے وقت گھر میں ہوتا ہوں

نہ اثر بام کا نہ کچھ در کا
گھر ہے کا ہے کا نام ہے گھر کا

مُرغ باز

دلّی سے ہم جو لکھنؤ آئے — گرم پرخاش مرغ یاں پائے

پر و پُرزا درست یکساں ہے — مرغِ تصویر کا بھی حیراں ہے

مرغ ہے ایک ایک جیسے کلنگ — قاز و سارس سے جنگ جس کا ننگ

حوصلہ کس قدر حواصل کا — ذکر کیا کرگسِ شتر دل کا

لات کی گھات کر جو مُڑ جاوے — نسرِ طائر کا رنگ اڑ جاوے

زہرہ ققنس کا اس خطر سے آب — شب نہ سووے ہراس سے سرخاب

بکری سا فیل مرغ کو مارا — کب شتر مرغ سے ہوا چارا

آدمی جو بڑے کہاتے ہیں — مرغ مارے بغل میں آتے ہیں

سُرخہ و سبزوار کے سب مرغ — ہیں ثنا گستر ایسے تھے کب مرغ

ہو جو کیس مرغ خانگی کے تئیں — مت سن اس ہرزہ چانگی کے تئیں

لات ماری جو کاٹ کر حلقوم — حیدرآباد تک پڑی ہے دھوم

کھا کے سینے کی مدّعی سووے — نسرِ واقع کا واقعہ ہووے

نے ثنا سے بطیں ہی ہیں تر لب — مرغِ عیسیٰ ہیں مدح خواں ہر شب

ٹینی کے سر پہ آج ٹیکا ہے — اس کے آگے کنیل پھیکا ہے

کیا عجب ان کی رہ گزر کا فرش — ہوں پرافشاں تو ہو خروسِ عرش

اڑ گیا حلق کا جو لڑتے پوست — کی صدا مرغ دوست نے ہی دوست

کیس اس رنگ ہوتے ہیں محسوس — جوں گلستاں میں ہو دیں تاجِ خروس

شور جنگ آوری کا تا کہسار — کبک کا گھر خروس پر ہے بار

کب ہیں پیٹے مرغ زریں بال   حسن لاکھے کا سمجھے مرغ خیال
کر سکے وصف مرغ ایسا کوئی   مرغ آئین کو دعا گوئی
وقر اتنا کہ دیر تک بچے لیں   جان دیں کوئی تخم مرغ نہ دیں
مرغ بازوں سے ساز کر دیکھا   دیر الطاف باز کر دیکھا
ربط رکھا بہت انہوں کے ساتھ   ایک پر مرغ کا نہ آیا ہاتھ
مرغ کا مرغ ہووے مرغ انداز   مرغ ایسا ہو تو بجا ہے ناز
یعنی اپنا حریف جب پاوے   پر ہلانے نہ دیوے کھا جاوے
سینہ کیا سینہ بال کیا پر و بال   جیسے چشم خروس آنکھیں لال
بازی بد بد کے جب لڑاتے ہیں   کانٹے لوہے کے باندھ لاتے ہیں
آیا حلقوم کے کہ حلق کے پار   پھوٹا چھاتی میں ایک لگ کے دو سار
ہاتھ جس مرغ باز کے تھا وہ   پانی کرنے لگا تر آ کر وہ
کچھ تو ٹھہرا تو دم دیا ان نے   تعبیہ کر کے رکھ لیا ان نے
اور جو شست ہو ہوا نہیلا   دونوں بازو کے پر رہے پھیلا
دم سے کیا ہو یہ بیدم و مجروح   قصد پرواز میں تھا مرغ روح
ہو چکا ہو چکا ہوا یہ شور   ڈھلکی گردن گیا وہ سارا زور
پھیلا پانی میں وہ غم جانسوز   دل زدہ پھر ہیں مرغ دست آموز
جانور رنگ باختہ سب ہیں   یعنی حیران فاختہ سب ہیں
مرغ قبلہ نما کو وحشت ہے   بال کھولے ہیں پر نہ طاقت ہے
ورنہ اڑ کر کہیں چلا جاتا   دیر اپنے مقام پر آتا
جیسے جنگل کو پانی کی ہے دھوم   گلیوں میں روز حشر کا ہے ہجوم
مرغ بازوں کو ہے قیامت جوش   جس کو دیکھو تو مرغ در آغوش

مرغ لڑتے ہیں ایک دو لاتیں ‏ سیکڑوں ان سفیہوں کی باتیں
ان نے پر جھاڑے یہ پھڑکنے لگے ‏ ان نے کی نوک یہ کڑکنے لگے
وہ جو سیدھا ہوا تو یہ ہیں کج ‏ ساتھ اس کے یہ بدلتے ہیں سج دھج
مرغ کی ایک پر فشانی ہے ‏ ان کی صد رنگ ہرزہ بانی ہے
ایک بولے کہ کاری آئی چوٹ ‏ ایک کہتا ہے بس گیا اب لوٹ
جھکتے ہیں آپ کو ترائے ہیں ‏ لاتیں گویا کہ یہ ہی کھاتے ہیں
ایک کے منھ میں مرغ کی منقار ‏ ایک کے لب پہ ناسزا گفتار
منھ پہ آیا جو کچھ وہ بکنے لگے ‏ تیکھی نظروں سے سب کو تکنے لگے
طرفہ ہنگامہ طرفہ صحبت ہے ‏ بعد نصف النہار رخصت ہے
کھانچے سر پر بغل میں مارے مرغ ‏ لے گئے جیتے ہارے سارے مرغ
پھر جو روز معین آوے گا ‏ نالہ مرغ سحر سناوے گا
عالم آوے گا گرد ویسا ہی ‏ گرم ہنگامہ ہوگا ایسا ہی

میرؔ ان کا نہ ہووے گو قائل
مرغِ معنی پہ وہ بھی ہے مائل

مرزا محمد رفیع سودا

مرزا محمد رفیع سودا جن کی شیوا بیانی کی بڑی دھوم ہے اور جن کی ہجو نگاری نے اپنے معاصرین کا ناک میں دم کر دیا تھا۔ مرزا محمد شفیع کے فرزند تھے جو کابل سے دہلی میں آ کر تجارت پر بسر اوقات کرتے تھے۔ وہ ۱۱۰۰ ہجری کے لگ بھگ پیدا ہوئے اور اپنے زمانے کے رواج کے مطابق تعلیم حاصل کرنے کے بعد شعر و شاعری میں شاہ حاتم کی شاگردی اختیار کی۔ قسمت کی خوبی اور شگفتہ مزاجی نے شاہ عالم بادشاہ کے دربار سے خطاب ملک الشعرائی دلوایا۔ خاندان تیموریہ کے چراغ اقبال کی روشنی ذرا مدھم ہوئی تو دہلی سے فرخ آباد ہوتے ہوئے لکھنؤ پہونچے جہاں وزیر الممالک نواب آصف الدولہ بہادر کا دور دورہ تھا۔ یہاں بھی ان کی شایان شان عزت ہوئی۔ وہ عالم شباب سے پیری تک لکھنؤ میں رہے۔ اور ۱۱۹۵ ہجری میں یہیں پیوند خاک ہوگئے۔

مخمّس شہر آشوب

کہا میں آج یہ سودا سے کیوں تو ڈانواں ڈول
پھرے ہے جا کہیں نوکر ہو لے کے گھوڑا مول
لگا وہ کہنے یہ اس کے جواب میں دو بول
جو میں کہوں گا تو سمجھے گا تو کہ ہے یہ ٹھٹھول
بتا کہ نوکری بکتی ہے ڈھیر یوں یا تول

سپاہی رکھتے تھے نوکر امیر دولت مند
سو آمد ان کی تو جاگیر سے ہوتی ہے بند
کیا ہے ملک کو مدت سے سرکشوں نے پسند
جو ایک شخص ہے بائیس صوبے کا خاوند
رہی نہ اس کے تصرف میں فوجداریِ کول

قوی ہیں ملک میں مفسد امیر ہیں سو ضعیف
ٹکے کہاں جو ہمیں دیکے ہوں انھوں سے حریف
نہ کچھ ربیع میں حاصل نہ درمیانِ خریف
جو عامل اب ہیں محالات پر سو یوں ہیں نحیف
کہ جس طرح کسی حاکم کے گھر گنوار ہیں اول

بس ان کا ملک میں کار نسق جو یوں ہو تباہ
کہ کوہ زر ہو زراعت میں تو نہ دیں برگ کاہ

جگہ وہ کونسی نوکر رکھیں یہ جس پہ سپاہ
کہاں سے آویں پیادے کریں جو پیش نگاہ
کدھر سوار جو پیچھے چلیں وہ باندھ کے غول

رہی فقط عربا باجے پر انھوں کی شان
جو چاہیں اس کو نہ بجھوادیں یہ تو کیا امکان
پر ان کا فکر ہے تخفیف خرچ پر ہر آن
رہے گا حال اگر ملک کا یہی تو ندان
گلے ہیں تاشا کہاروں کے پالکی میں ڈھول

انھیں ہے اپنی امارت سے اب یہی منظور
کہ ہوں دو مورچھل اور ایک کا تبی سمور
نہ رسم صلح کی سمجھیں نہ جنگ کا دستور
جوان میں قاعدہ داں تھے ہوئے وہ ان سے دور
قماش ان کی طبیعت کا سب طرح سے ٹھٹھول

امیراب جو ہیں دانا انھوں کا ہے یہ خیال
ہوئے ہیں خانہ نشیں دیکھ کر زمانے کا حال
بچھی ہے سوزن خوجا کھڑا جھلے ہے رُمال
حضور بیٹھے ہیں اک دو ندیم اہل کمال
دھری ہے سامنے اک پیکدان واک لطنول

جو کوئی ملنے کو ان کے انھوں سے گھر آیا
ملے یہ اس سے گر اپنا دماغ خوش پا یا
جو ذکر سلطنت اس میں وہ درمیاں لایا

انھوں نے پھیر کے اودھر سے منہ یہ فرمایا
خدا کے واسطے بھائی کچھ اور باتیں بول

جو مصلحت کے لئے جمع ہوں صغیر و کبیر
تو ملک و مال کا فکر اس طرح کریں ہیں مشیر
وطن پہونچنے کی بخشی کو سوجھی ہے تدبیر
کھڑا بہ اٹکلے دیوانِ خاص بیچ وزیر
کہ شامیانہ کے بانسوں پہ نقرئی ہیں خول

خجل ہو یہ نہ سمائے زمین بہت بھاٹی
کئے وہ مشورے کھیلیں ہیں خون شوا پاٹی
تمام عمر ہے تدبیر ملک میں کاٹی
ندان کر اٹھے مل کر گھر اینٹ کا ماٹی
پھر اپنے زعم میں ہر اک برائے خود بہلول

پڑے جو کام انھیں تب نکل کے کھائی سے
رکھیں وہ فوج جو موتے بھری لڑائی سے
پیادے ہیں سو ڈریں سر منڈانے نائی سے
سوار گر پڑیں سونے میں چارپائی سے
کرے جو خواب میں گھوڑا کس کے نیچے الول

نہ صرف خاص میں آمد نہ خالصہ جاری
سپاہی تا متصدی سبھوں کو بیکاری
اب آگے دفتر تن کی میں کیا کہوں خواری
سوال دستخطی کو پھاڑ کر کے پنساری
کسی کو آنولہ دے باندھ کر کسی کو کٹول

یہ جتنے نقدی و جاگیر کے تھے منصب دار
تلاش کر کے ڈھیلتی انھوں نے ہونا چار
نداں قرض میں بنیوں کے دی سپر تلوار
گھروں سے اب جو نکلتے ہیں لیکے وہ ہتھیار
بغل کے بیچ تو سوٹا ہے ہاتھ میں کجکول

کروں معاش کا حضرت کی تجھ سے کیا میں بیان
کہ توشہ خانہ ہے ان کا پرات بچے کی دکان
نکل تنور کے منہ سے کہے ہے گاؤزبان
پکی ہوں تب میں کہ جب کا بتیِ خلد مکان
بکے ہے تیسرے فاقہ میں کوڑیوں کے مول

کہے جو مودی سے جاکر دو اب کے حالات
جواب دے ہے کہ ہے اونٹ تو فرشتے کی ذات
ہوا یہ جیتی ہے بیلوں کی اور بھس پہ برات
جو خچریں انھوں نے پیا ہے آب حیات
تمھارے کھانے کو دانا کہو تو دنبے تول

جو اصطبل میں کئی گھوڑے ہیں سو کیا امکان
کہ ہووے گھاس کے پٹے کا انکے آگے نشان
کسو کی ٹوٹی ہے ٹنگڑی کسو کا جھڑ گیا کان
طویلہ اس کو کہوں یا میں پنج پیر کا تھان
اس خیال میں رہتی ہے عقل ڈانواں ڈول

اور اب جو زعم میں آقا کے فیل فانا ہے
جو ہتھنی اندھی ہے اس میں تو ہاتھی کانا ہے
نہ ٹھور چارے کا راتب کا نے ٹھکانا ہے
ہر ایک بھوک سے سوے عدم روانا ہے
اب اس کو خواہ وہ پائل سمجھ لیں خواہ بجھول

کرے ہے بھوک سے شاگرد پیشہ اب یہ معاش
کہیں پلاؤ تو باورچی واں پکا دیں آش
کریں قناتوں میں دربان بیٹھے پردہ فاش
تلے سے کھینچ لے مسند کو آن کے فراش
اگر کہیں کہ مٹا اٹھ کے چاندنی کا جھول

یہ خادمان محل کی ہے اندنوں صورت
نہ خوان ڈھونے کا کشمیرنی میں باقی ست
نہ اٹھ کے ہلنے کی ہرگز روتیوں میں طاقت
بنی ہے بھوک سے دربانوں کے یہ منہ کی گت
کہ بوڑھی ہتھنی کے جس طرح بیٹھ جائے کپول

مچا رکھی ہے سلاطینوں نے یہ تو بہ دھاڑ
کوئی تو گھر سے نکل آتے ہیں گریبان پھاڑ
کوئی در اپنے پہ آوے دے مارتا ہے کواڑ
کوئی کہے جو ہم ایسے چھاتی کے ہیں پہاڑ
تو چاہیئے کہ ہمیں سب کو زہر دیجئے گھول

غرض تاں ہے اس گفتگو سے یہ میرا
کہ بے زری نے جب ایسا گھر آن کر گھیرا
تو کوئی قصد کرے نوکری کا بہتیرا
نہیں یہ فائدہ کچھ تا وہ چھوڑ کر ڈیرا

کرے نہ عزم سوئے اصفہان و استنبول

جو نوکری ہے کہیں زیر چرخ نیلی فام
سو جائداد کا اس کی ہے پرگنہ سرسام
وبا کا جب سے ہے دار الخلافہ میں ہنگام
گھروں کی ضبطی کا رسم اس قدر ہوا ہے عام

ادھر کسی کا دکھا سر ادھر سے دوڑے قول

سو کیا وہ نوکری کٹتی ہے جس میں یہ اوقات
ملے ہے پیٹ کو روٹی سو دو دو آدھی رات
جو چاہیں تن ڈھپے اس میں سو آگے پیچھے مات
اور اس پہ یہ کہ وہ تب ٹھہرے روز موجودات

جو پانچوں باندھے ہے ہتھیار اور چھٹی پستول

وہ نوکر اب جسے آقا ہر آن پہچانے
جو پوچھو اس سے کہ تم کچھ روپے لگے پانے
کہے ہے آہ وہ بھر کر سوائے آٹھ آنے
روپے کی شکل نہیں دیکھی ہے خدا جانے

کہ اس زمانے میں چپٹا بنے ہے وہ یا گول

غرض کہ جب تئیں ملتا ہو پاؤ بھر بھی چون
کرے وہ نوکری جس کو کہ ہووے خبط و جنون
نہ جانو یہ کہ انھیں جب سپہ گری کے فنون
نہ آیا سیکھ تو یوں باندھنے لگے مضمون
زمانہ دیکھ کے ہتھیار، ہم نے ڈالے کھول

سخن جو شہر کی ویرانی سے کروں آغاز
تو اس کو سن کے کریں ہوش چغد کے پرواز
نہیں وہ گھر نہ ہو جس میں شغال کی آواز
کوئی جو شام کو مسجد میں جائیے بہر نماز
تو واں چراغ نہیں ہے بجز چراغِ غول

کسی کے یاں نہ رہا آسیا سے تابہ اجاغ
ہزار گھر میں کہیں ایک گھر جلے ہے چراغ
سو کیا چراغ وہ گھر ہے گھروں کے غم سے داغ
اور ان مکانوں میں ہر سمت رینگتے ہیں الاغ
جہاں بہار میں سنتے تھے بیٹھ کر ہنڈول

خراب ہیں وہ عمارات کیا کہوں تجھ پاس
کہ جنکے دیکھے سے جاتی رہی تھی بھوک اور پیاس
اور اب جو دیکھو تو دل ہووے زندگی سے اداس
بجائے گل چمنوں میں کمر کمر ہے گھاس
کہیں ستون پڑا ہے کہیں پڑے مرغول

یہ باغ کھا گئی کس کی نظر نہیں معلوم
نہ جانے کن نے رکھا یاں قدم وہ کون تھا شوم
جہاں تھے سرو و صنوبر وہاں اُگے ہے زقوم
مچے ہے زاغ و زغن سے اب اس چمن میں دھوم
گلوں کے ساتھ جہاں بلبلیں کریں تھیں کلول

رکھیں تھے سیر کو پنگھٹ کے گرد کے دیہات،
کہ لب جہاں کے تھے پنہاریوں کے آبحیات،
اور ان درختوں کی وے چھائیں وے گھنے سے پات
نہ وے درخت ہیں اب واں نہ آدمی کی ذات
کوئیں میں مردے پڑے ہیں نہ رسیاں ہیں نہ ڈول

جہان آباد تو کب اس ستم کے قابل تھا
مگر کبھو کسی عاشق کا یہ نگر دل تھا
کہ یوں مٹا دیا گویا کہ نقش باطل تھا
عجب طرح کا یہ بحر جہان میں ساحل تھا
کہ جس کی خاک سے لیتی تھی خلق موتی رول

دیا بھی واں نہیں روشن تھی جس جگہ فانوس
پڑے ہیں کھنڈروں بیچ آئینہ خانہ کے مانوس
کروڑ دل پُر از امید ہو گئے مایوس
گھروں سے یوں نہ جا کے نکل گئی ناموس
ملی نہ ڈولی انھیں جو تھے صاحب ہنڈول

نجیب زادیوں کا ان دنوں ہے یہ معمول
وہ برقع سر پہ ہے جس کا قدم تلک ہے طول
ہے ان کی گود میں لڑکا گلاب کا سا پھول
اور ان کے حسن طلب کا ہر ایک سے یہ اصول
کہ خاک پاک کی تسبیح ہے جو لیجیئے مول

اگر محب ہوا تسمع تو سن یہ نام
دیا کچھ اس نے بمقدور کرکے نذر امام
پڑا جو شامت طالع سے خارجن سے کام
دروغ و راست کا لایا وہ درمیاں میں کلام
یہ آگے اور چلیں کہہ کے زیر لب لاحول

غرض میں کیا کہوں یارو کہ دیکھ کر یہ قہر
کرور مرتبہ خاطر میں گزرے ہے یہ لہر
جو ٹک بھی امن دل اپنے کو دیوے گردش دہر
تو بیٹھ کر کہیں یہ روئیے کہ مردم شہر
گھروں سے پانی کو باہر کریں جھکول جھکول

بس اب خموش ہو سودا کہ آگے تاب نہیں
وہ دل نہیں کہ اب اس غم سے وہ کباب نہیں
کسی کی چشم نہ ہوگی کہ وہ پرآب نہیں
سوائے اس کے تری بات کا جواب نہیں
کہ یہ زمانہ ہے اک طرح کا زیادہ نہ بول

تضحیکِ روزگار

ہے چرخ جب سے ابلقِ ایام پر سوار
رکھتا نہیں ہے دستِ عنان کا بیک قرار

جن کے طویلے بیچ کوئی دن کی بات ہے
ہرگز عراقی و عربی کا نہ تھا شمار

اب دیکھتا ہوں میں کہ زمانے کے ہاتھ سے
موچی سے کفش پا کو گٹھاتے ہیں وہ اُدھار

تنہا وہ لے نہ دہر سے عالم خراب ہے
خست سے اکثروں نے اٹھایا ہے ننگ و عار

ہیں گے چنانچہ ایک ہمارے بھی مہربان
پاوے سزا جو ان کا کوئی نام لے نہار

نوکر ہیں سو روپے کے دنائت کی راہ سے
گھوڑا رکھیں ہیں ایک سو اتنا خراب و خوار

نے دانہ و نہ کاہ نہ تیمار نہ سئیس
رکھتا ہو جیسے اسپِ گلی طفلِ شیرخوار

ناطاقتی کا اس کے کہاں تک کروں بیاں
فاقوں کا اس کے اب میں کہاں تک کروں شمار

مانند نقشِ نعل زمیں سے بجز فنا
ہرگز نہ اٹھ سکے وہ اگر بیٹھے ایک بار

اس مرتبہ کو بھوک سے پہونچا ہے اس کا حال
کرتا ہے راکب اس کا جو بازار میں گزار

قصاب پوچھتا ہے مجھے کب کروگے یاد
امیدوار ہم بھی ہیں کہتے ہیں یوں چمار

جس دن سے اس قصائی کے کھونٹے بندھا ہے وہ
گزرے ہے اس نمط اسے ہر لیل و ہر نہار

ہر رات اختروں کے تئیں دانہ بُوجھ کر
دیکھے ہے آسمان کی طرف ہو کے بیقرار

تنکا اگر پڑا کہیں دیکھے ہے گھاس کا
چوکے کو آنکھ موند کے دیتا ہے وہ پسار

خطِ شعاع کو وہ سمجھ دستۂ گیاہ
ہردم زمین پہ آپ کو پٹکے ہے بار بار

پیدا ہوئی ہے تپسہ اگن باد اس قدر
ہرگز دروغ اس کو تو مت جان زینہار

گزرے وہ جس طرف سے کبھو اس طرف نسیم
بادِ سموم ہو وے وہیں گر کرے گزار

دیکھے ہے جب وہ توبڑہ و نہان کی طرف
کھودے ہے اپنے سم سے کنویں ٹاپیں مار مار

وناقوں سے ہنہنانے کی طاقت نہیں ہی — گھوڑی کو دیکھتا ہے تو پاٹے سے ہے بار با[ر]

ہے اس قدر ضعیف کہ اُڑ جائے باد سے — میخیں گر اس کی تھان کی ہو ویں نہ استوا[ر]

نہ اُسرت تواں نہ گوشت نہ کچھ اسکے پیٹ میں — دھونکے ہے دم کو اپنے کہ جوں کھال کو لوہا[ر]

سمجھا نہ جائے یہ کہ وہ ابلق ہے یا سرنگ — خار پشت سے زبسکہ ہے مجروح بے شمار

یہ حال اس کے دیکھ غرض یوں کہے ہی خلق — چُنگل سے موذی کے تو چھوڑا اس کو کردگار

ہر زخم پر زبسکہ بھنکتی ہیں مکھیاں — کہتے ہیں اس کے رنگ کو مگس اس اعتبار

لیجاوے چور یا مرے یا ہو کہیں یہ گم — اس تین بات سے کوئی جلدی ہو آشکار

تنہا نہ اس کے غم سے ہے دل تنگ زین کا — خوگیر کا بھی سینہ جو دیکھا تو ہے فگار

القصہ ایک دن مجھے کچھ کام تھا ضرور — آیا یہ دل میں جائیے گھوڑے پہ ہو سوار

رہتے تھے گھر کے پاس قضارا وہ آشنا — مشہور تھا جنھوں کنے وہ اسپ نابکار

خدمت میں ان کی میں نے کیا جا یہ التماس — گھوڑا اب مجھے سواری کو اپنا دو مستعار

فرمایا جب انھوں نے کہ اے مہربانِ من — ایسے ہزار گھوڑے کروں تم پر میں نثار

لیکن کسی کے چڑھنے کے لائق نہیں یہ اسپ — یہ واقعی ہے اس کو نہ جانوگے انکسار

صورت کو جس کی دیکھنے گا گدھے کو ننگ — سیرت سے جس کے نت ہی سگ خشمگیں کو عار

بدرنگ ایسے جیسے لید ہے بدبو ہے جوں پیشاب — بر ہمین یہ کہ اصطبل او جڑ کرے ہزار

مانند میخ چوکے لگد زن ہے تھان پر — لا جنب وہ زمیں سے ہے جوں میخ استوار

حشری ہے اس قدر کہ بحشر اس کی پشت پر — دجّال اپنے منہ کو سیہ کرکے ہو سوار

اتنا وہ سرنگوں ہے کہ سب اُڑ گئے ہیں دانت — جبڑے پہ بسکہ ٹھوکروں کی نت پڑے ہی مار

ہے پیر اس قدر کہ جو بتلائے اس کا سن — پہلے وہ لے کے ریگ بیاباں کرے شمار

لیکن مجھے زرو ئے تواریخ یاد ہے — شیطان اس پہ نکلا تھا جنت سی ہو سوار

کمزور اس قدر کہ اگر اسکے نعل کا — لوہا گلا کے تیغ بنادے کبھو لوہار

ہے دل کو یہ یقین کہ وہ تیغ روز جنگ
رستم کے ہاتھ سے نہ چلے وقتِ کارزار

مانند اسپ خانۂ شطرنج اپنے پاؤں
جز دست غیر کے نہیں چلتا ہے زینہار

اک دن گیا تھا مانگے یہ گھوڑا برات میں
دولہا جو بیاہنے کو چلا اس پہ ہو سوار

سبزے سے خط سیاہ و سپیدہ سے ہوا سفید
تھا سرو سا جو قد سو ہوا شاخ باردار

پہونچا غرض عروس کے گھر تک وہ نوجواں
شیخوخت کے درجے سے کر اس طرف گزار

سنتا تو اس قدر ہے وہ جو کچھ کہ تم سنا
لیکن اب ایک دن کی حقیقت کہوں ہیں یار

دہلی تک آن پہونچا تھا جس دن مرہٹہ
مجھ سے کہا نقیب نے آکر ہے وقت کار

مدت سے کوڑیوں کو اڑایا ہے گھر میں بیٹھ
ہو کر سوار اب کرو میدان میں کارزار

ناچار ہو کے تب تو بندھایا میں اسپ زین
ہتھیار باندھ کر میں ہوا جا کے پھر سوار

جس شکل سے سوار تھا اس دن میں کیا کہوں
دشمن کو بھی خدا نہ کرے یوں ذلیل و خوار

چابک تھے دونوں ہاتھ میں پکڑے تھا منہ میں باگ
ٹک ٹک سے پاشنہ کے مرے پاؤں تھے فگار

آگے سے توبڑا اسے دکھلائے تھا سئیس
پیچھے نقیب ہانکے تھا لاٹھی سے مار مار

ہرگز وہ اس طرح بھی نہ لاتا تھا رو براہ
ہلتا نہ تھا زمین سے مانند کوہسار

اس مضحکے کو دیکھ ہوئے جمع خاص و عام
اکثر مدبروں میں سے کہتے تھے یوں پکار

پہیے اسے لگاؤ کہ تا ہووے یہ رواں
یا بادبان باندھ کہ پون کے دو اختیار

میں کیا کہوں غرض کہ ہر اک اسکی شکل دیکھ
تیغ زبان سے کاٹ کے کرتا تھا گل نثار

کہتا تھا کوئی ہے یہ ہرگز ہی نہیں ہے اسپ
کہتا تھا کوئی ہے گا ولایت کا یہ حمار

کہتا تھا کوئی مجھ سے ہوا تجھ سے کیا گناہ
کتوال نے گدھے پہ تجھے کیوں کیا سوار

کہنے لگا پھر آ کے اس اجماع میں کوئی شخص
مرکب نہ یہ گدھا نہ یہ راکب گناہ گار

سمجھوں ہوں میں تو یہ کہ سپاہی کے بھیس میں
ڈائن چلی ہے سبز کو ہو چرخ پر سوار

اس مخمصے میں تھا ہی کہ ناگاہ ایک روز
فتنے کو آسمان نے کیا مجھ سے پھر دو چار

دھوبی کمہار کے گدھے اس دن ہوئے تھے گم / اس ماجرے کو سن کیا دونوں نے واں گزار

ہر اک نے اس کو اپنے گدھے کو خیال کر / پکڑے تھا دھوبی کان تو کھینچے تھا دُم کمہار

دریا سے کش مکش ہوا اس آن موج زن / تھا عن قریب ڈوبنے خفت سے ایکبار

بدبختی اس کی دیکھ کے کر خرس کا خیال / لڑکے بھی واں ہوئے جمع تماشے کو بے شمار

رکھتا تھا کوئی لا کے سپاری کو منہ کے بیچ / مو اس کے تن سے کوئی اکھاڑے تھا بار بار

کہتا تھا کوئی مجھ سے کہ تو مجھ کو بھی چڑھا / دوں گا ٹکا تجھے میں ہے نوچندا اینوار

کتے بھی بھونکتے تھے کھڑے اسکے گرد و پیش / ساتھ اس سمند خرس نما کے ہو چشم چار

اس وقت میں سنے اپنی مصیبت پہ کر نظر / کہنے لگا خدا سے یہ رو رو کے زار زار

جھگڑوں میں دھوبیوں کے کہ لڑکوں کو دوں جواب / کتوں سے یا لڑوں کہ مروں اپنا پیٹ مار

بارے دعا مری ہوئی اس وقت مستجاب / واں سے بہر نمط کیا جنگاہ تک گزار

دست دعا اٹھا کے میں پھر وقت جنگ کے / کہنے لگا جناب الٰہی میں یوں پکار

پہلا ہی گولا چھوٹنے اس گھوڑے کے لگے / ایسا لگے یہ تیر کہ ہووے جگر سے پار

یہ کہہ کے میں خدا سے ہوا مستعد بجنگ / اتنے میں مرہٹہ بھی ہوا مجھ سے آ دو چار

گھوڑا تھا بس کہ لاغر و پست و ضعیف و خشک / کرتا تھا یوں خفیف مجھے وقت کارزار

جاتا تھا جب ڈپٹ کے میں اسکو حریف پر / دوڑوں تھا اپنے پاؤں سے جوں طفل نے سوار

جب دیکھا میں کہ جنگ کی یاں اب بندھی ہے شکل / لے جوتیوں کو ہاتھ میں گھوڑا بغل میں مار

دھر دھمکا واں سے لڑتا ہوا شہر کی طرف / القصہ گھر میں آن کے میں نے کیا قرار

گھوڑے مرے کی شکل یہ ہے تم نے جو سنی / اس پر بھی دل میں آئے تو اب ہو جیے سوار

سن کر تب ان سے میں نے بہ قصہ دیا جواب / اتنا بھی جھوٹ بولنا کیا ہے ضرور یار

گفتی ہمیں بس ست کہ اسپِ منا بلق ست / سمجھوں گا دل میں اپنے اگر ہوں میں ہوشیار

سودا نے تب قصیدہ کہا سن یہ ماجرا

ہے نام اس قصیدہ کا تضحیکِ روزگار

انشا اللہ خاں انشا

انشا کا صحیح سنہ ولادت معلوم نہیں مگر وہ اپنے والد حکیم ماشاء اللہ خاں کے قیام مرشد آباد کے زمانے میں نواب سراج الدولہ کے عہد میں پیدا ہوئے بچپن ہی سے طباعی اور جودت کے آثار نمودار تھے۔ عربی و فارسی کی تکمیل بہت جلد کرلی۔ پہلے فیض آباد میں نواب شجاع الدولہ کے دربار میں آئے۔ شجاع الدولہ کے انتقال کے بعد باپ بیٹے دلی آئے اور شاہ عالم کے دربار سے وابستہ ہوئے۔ دلی میں بڑے معرکے ہوئے۔ مرزا عظیم بیگ نے ایک غزل میں عروضی لغزش کی تو انشا نے مخمس کا ایک بند کہا۔

گر تو مشاعرے میں صبا آج کل چلے — کہیو عظیم سے کہ ذرا وہ سنبھل چلے
اتنا بھی اپنی حد نہ باہر نکل چلے — پڑھنے کو شب جو یار غزل در غزل چلے
بحر رجز میں ڈال کے بحر رمل چلے

والد کے انتقال کے بعد انشا لکھنؤ چلے آئے اور الماس علی خاں کی مصاحبت کے بعد نواب سعادت علی خاں کی مصاحبت میں آگئے۔ اپنی ظرافت طبع، خود علمی تبحر اور بے مثال قدرت شعر کی وجہ سے دربار میں ان کا طوطی بولنے لگا۔ مصحفی سے بڑے ہنگامے رہے۔ انشا کے شاگردوں میں بہادر سنگھ بہادر، شاہزادہ سلیمان شکوہ، صادق علی خاں صادق، نسبت سنگھ نشاط، اور مکھن لال آرام

کے نام قابل ذکر ہیں۔

بے شمار تصانیف ہیں۔ عربی، فارسی، اردو، پشتو، برج بھاشا، پنجابی، پوربی، مرہٹی، گنواری بولی، ریختی میں کلام موجود ہے۔ رانی کیتکی کا مشہور قصہ لکھا جس میں فارسی کا کوئی لفظ نہیں۔ قواعد اردو کے پہلے مصنف ہوئے۔ ۱۸۱۵ء عیسوی میں وفات پائی۔

ہر صنفِ سخن میں دادِ سخن دی ہے۔ ایک دیوان بے نقطہ بھی ہے۔ عروض کی ہندی تشکیل کی۔ مفاعلین کو پری خانم اور فاعلن کو چت لگن کا نام دیا۔ علم میں فیضی جیسے مرتبے کا شخص محض درباری اور ظرافتِ طبع کا شکار ہو گیا۔

کل ایک گھر میں خوب سے چھوٹے بڑے لڑے
ہاتھوں سے ہاتھ اور گھڑوں سے گھڑے لڑے

چھلنی سے چھاج، چھاج سے چھلنی الجھ گئی
مٹکوں سے مٹکے ٹوٹے گھڑوں سے گھڑے لڑے

لڑکوں سے لڑکے چمٹے جوانوں سے سب جوان
بڈھوں سے بڈھے کڑ بڑوں سے کڑ بڑے لڑے

چھوٹوں سے چھوٹے گتھ بڑے چوٹوں سے چوٹیاں
بیٹھوں سے بیٹھے لیٹے کھڑوں سے کھڑے لڑے

حقوں سے حقے چلموں سے چلمیں بھی ٹوٹیاں
نیچوں سے نیچے گڑ گڑوں سے گڑ گڑے لڑے

جب تُل گئی لڑائی ترازو کی تول میں
باٹوں سے باٹ ٹوٹے دھڑوں سے دھڑے لڑے

انشاؔ یہ دیدے اپنے بھی اس دھوم دھام میں
دیدوں سے ایک شخص کے ہو کر کڑے لڑے

مزے خوب لوٹو گے کیوں شیخ صاحب
ملیں گے بہشت بریں میں اگر یہ

زمرد کی اک چونچ ہو گی بڑی سی
کہ مارو گے ٹھونگ اس سے ہر اک ثمر پر

پڑے اڑتے پھرے گا جوں کالا کوّا
کبھی اس شجر پر کبھی اس شجر پر

اس مٹھو سے پن سے میٹھے کس قدر ہیں شیخ جی
تو ند تم ان کی نہ سمجھو ہے یہ مٹکا راب کا

کیوں نہ لڑکے سب کہیں ہوا تمہیں اے شیخ جیو
ہے جھبولے کی سی صورت ہی ڈرانی آپ کی
گول پگڑی، نیلی لنگی، مونچھ منڈی، تکہ ریش
پھر وہ رومال اور اخ تھو ناس دانی آپ کی

آغاؤں کی بولی

سن کر امیرِ باد بس آغا نے اک جریب
دی پشتِ برہمن پہ بزورِ تمام چھوڑ
کہنے لگا "چربجی چربجی" تو بولے آپ
کردی تو بادو عالم چرا رام رام چھوڑ
ایں مردمانِ ہند مرا می کشند اسیر
ام بابا بھاگ جاویں گے بس ایں مقام چھوڑ

یہ جو مہنت بیٹھے ہیں رادھا کے کنڈ پر
اوتار بن کے گرتے ہیں پریوں کے جھنڈ پر
اے موسمِ خزاں لگے اس سر کو تیرے آگ
بلبل اداس بیٹھی ہے اک سوکھے ڈنڈ پر
شیو کے گلے سے پاربتی جی لپٹ گئیں
کیا ہی بہار آج ہے برہما کے رُنڈ پر
راجہ جی ایک جوگی کے چیلے پہ غش ہیں آپ
عاشق ہوئے ہیں واہ عجب لُنڈ منڈ پر
انشا نے سن کے قصۂ فرہاد یوں کہا
کرتا ہے چوٹ عشق تو ایسے ہی مُنڈ پر

مانگا جو میں نے بوسہ ان سے چمن کے اندر
بولے کہ یاں نہیں چل جمنا کی بن کے اندر
شعلے بھڑک رہے ہیں یوں اپنے تن کے اندر
دو ول لگ رہی ہو جیسے گرمی کے بن کے اندر
ہے فال یوں تمہارے چاہِ ذقن کے اندر
جس روپ ہو کنھیا آپ جمن کے اندر
جو چاہو تم سو کہہ لو چپ چاپ ہیں ہم ایسے
گویا زباں نہیں ہے اپنے دہن کے اندر
کیا گھات کی جگہ ہے چمپے کے جھاڑ نیچے
مہندی کی ٹٹیوں کی اوجھل چمن کے اندر
گل سے زیادہ نازک جو دلبرانِ رعنا
ہیں ہیکلی میں شبنم کے پیرہن کے اندر
ہے مجھ کو یہ تعجب سوویں گے پاؤں پھیلا
یہ انگ گورے کیونکر کفن کے اندر

کافر سما رہا ہے ستار نگ کا یہ لہرا   طبلے کی تال سم کے ہر ہر پرن کے اندر
سو چلونوں کے باہر مطرب جو گا رہا ہے   آتی ہے کس مزے سے آواز چھن کے اندر
بل بے ترا اکڑنا لے ہاتھ میں کمانچہ
اور آکے بیٹھنا یوں مجلس میں تن کے اندر

میں جو شب ان سے راہ میں لپٹا   بیم حاکم رہا نہ خوف عسس
ہاتھا پائی ہوئی کچھ ایسی کہ پھر   ان کی انگلی کی چھڑ گئی جھٹ نس
لگے کہنے کہ میرے دامن کو   نہیں اب تک کیا کسی نے مس
مفت جل جائے گا پرے بھی سرک   ارے میں آگ اور تو ہے خس
جب کہ دیکھا کہ چھوڑتا ہی نہیں   تب تو ٹھہری کہ دیں گے بوسے دس
گن کے دس لے لئے گیا رہواں بھی   مجھ سے بیٹے کرے جو اور ہوس
ایک دو تین چار پانچ چھ سات
آٹھ نو دس ہوئے بس انشا بس

کس کو سنا کر کہا آپ نے 'او بے لحاظ   مجھ سے نہ اتنے ابھی ہوتے رہو بے لحاظ
گھر یہ کناں دیکھ کر مجھ کو کہا شوخ نے   تاڑتے ہیں لوگ سب چپ ہو نہ او بے لحاظ
ہونٹھ ہی مل ڈالئے ہے یہ ٹھنی دل میں خیر   اس کو مجھے اب کے تم کہنے تو دو بے لحاظ
پاؤں لگا دابنے میں تو وہ غصے ہو رات   کہنے لگا چونک کر چھوڑ یہ خو بے لحاظ
آج تو جو دل میں ہو یار سے کہہ بیٹھئے   ایک گھڑی کے لئے ہو جئے گو بے لحاظ
سیکھا ادب لاکھ بار ہم نے کہا بات مان   پھر وہی کرنے لگا کرتے ہیں جو بے لحاظ
چھوڑئے اب انشا کوئی آپ کو یہ دخل کیا
اور بھی دے گالیاں اور کہو بے لحاظ

بیٹھئے باندھو لنگوٹی کیوں نہ بھلا کواڑ سے ‎ ‎ نکلے ہے جھانک تاک کی باس کچھ اس دراڑ سے

بے خبر آگیا جو میں جھٹ سے شب اسکے سامنے ‎ ‎ منہ کو چھپا لیا تمام ہاتھ کی اپنے آڑ سے

رایتِ آہ پیش رو، فوجِ سرشک در جلو ‎ ‎ حضرتِ عشق آئے تو زد رہی بھیر بھاڑ سے

صبح جو اٹھ کے آئے ہم دل میں یہی خیال تھا ‎ ‎ رک نہ رہے ہوں شاید آپ رات کی چھیر چھاڑ سے

قد کی ترے مشابہت سرو کے ساتھ ایسی ہے ‎ ‎ سرو کو جوں مشابہت دیجئے لمبے تاڑ سے

لپٹے جو ہم تو ان نے شب سر پہ زمین لی اٹھا ‎ ‎ دھوم سے غل سے چیخ سے شور سے تو بہ دھاڑ سے

آمد و شد رہی نہ جو انشا گلی میں اس کی اب

خوب ہوا کہ بچ گئے روز کی ہم لتاڑ سے

اک طفل دبستاں ہے افلاطوں مرے آگے ‎ ‎ کیا منہ ہے ارسطو جو کرے چوں مرے آگے

کیا مال بھلا قصر فریدوں مرے آگے ‎ ‎ کانپے ہے پڑا گنبد گردوں مرے آگے

مرغانِ اولی اجنحہ مانندِ کبوتر ‎ ‎ کرتے ہیں سدا عجز سے غوں غوں مرے آگے

منہ دیکھو تو نقارچی پیل فلک بھی ‎ ‎ نقارے بجا کر کہے دوں دوں مرے آگے

ہوں وہ جبروتی کہ گروہِ حکما سب ‎ ‎ چڑیوں کی طرح کرتے ہیں چوں چوں مرے آگے

وہ مارِ فلک کہکشاں نام ہے جس کا

کیا دخل جو بل کھا کے کرے فوں مرے آگے

زنبور

ان بھڑوں نے کیا یہ اب کے قہر ‎ ‎ کہ ہوا زرد پوش سارا شہر

دیکھئے ان کی ٹک جواں مردی ‎ ‎ سب پر ایک اپنی پھیری زردی

باغ میں پھر جو کھیل کھیل گئے ‎ ‎ سارے چمپا کے پھول پھیل گئے

موے کی زرد زرد پھلیاں ہیں | یا گلِ اشرفی کی کلیاں ہیں
کیا کہے ان کو کوئی دانش مند | کر دیئے ہیں انھوں نے رستے بند
مولسریوں کے نیچے دیکھئے جب | کھرنیاں سی بکھر رہی ہیں سب
جا کے کوٹھوں کی کوئی دیکھے بہار | زرد چنبیلی کے پڑے ہیں ہار
اڑ گئی وہ سفیدی اور اودی | اب جدھر دیکھو زرد داؤدی
پھر جو شاخوں سے ہر شجر کے اڑے | تو املتاس کے ہی پھول جھڑے
بھر گئی نیش و پر سے ہر کیاری | بھٹ کٹیا سی لگ گئی ساری
سارے زنبور یہ جو اڑ لاگے | سب نے کیسریے کر لئے باگے
ساری دیواروں پر قطار قطار | زرد مرچوں کے سوکھتے ہیں ہار
گایک اور نایک اور سپر دائی | لگے گانے بسنت رت آئی
شکل بن پھولیں ورم بن کریاں | بن گئی شاخ زعفراں پریاں؟
تھے درختوں کے جو بندھے ٹٹے | ان میں زنبور کے لگے چھتے
بن گیا تاکِ خانۂ زنبور | ہو گئے زرد خوشۂ انگور
آئے زنبور کو الٰہی مرگ | جن کی دولت ہوا یہ دل صد برگ
ہادیانِ نسیم خوش رفتار | ق صدقے ہوتی تھی جس پہ بادِ بہار
ٹوٹی اس پر بھیڑوں کو جو ٹڈی | تو گئی چال چلنے وہ پھسڈی
سیوتی کھا کے مر گئی ہیرا | رہ گیا سر گلاب کا زیرا
یاں جو فوارے اب اچھلتے ہیں | سونے کی ڈلیاں اگلتے ہیں
بدلے موتی کے دیکھ یہ عالم | آ کے پکھراج ہو گئی شبنم
اب جو خشکا کوئی پکاتا ہے | سو مزعفر پلاؤ کھاتا ہے
ہو کے نیچ ان بھڑوں کا آئینہ | بن گئی ٹھیک ٹھاک خاگینہ

چاندنی کا جو پھول تازہ ہے سو وہ اک نرگسی دو پیازہ ہے
شہد اُگلا جوان بھیڑوں نے سو چند پھول جتنے تھے بن گئے گل قند
زرد رُو کاسۂ شراب ہوئے
سب مگر نرگسی کباب ہوئے

کیوں نہ وہ پردہ نشیں پھر مجھے سمرن مارے میں نے تھے پھول کئی جانب چلون مارے
یہ غضب ہے، نہ بھلا ہم سے کہے جب کچھ بات آنکھ مست غیر سے تو اے بت پرفن مارے
اس گھڑی کچھ تو لگاوٹ کی کہی چھیڑ ہے اے کاش وہ مرے منہ پر اگر گوشۂ دامن مارے
آتش طور کی کل دھن میں کئی نعرۂ گرم میں نے کر منہ طرف وادی ایمن مارے
شیر کی کھال بچھا اور ملے تن پہ بھبوت گاہ جوگی کی طرح رہتے ہیں آسن مارے
حبس دم کر کے کبھی ہوتے ہیں اونچے تو بس
چرخ چارم پہ چلے جاتے ہیں ہم من مارے

خیال کیجئے کیا آج کام میں نے کیا جب اس نے دی مجھے گالی سلام میں نے کیا

حباب بادہ کو کیوں کر کرے نہ پیار انشا کہ ہے یہ شیشے کا بیٹا ایاغ کا پوتا

نظیر اکبر آبادی

شیخ ولی محمد نام تھا اور نظیر تخلص۔ محمد فاروق کے بیٹے تھے اور دہلی کے باشندے پیدا ۱۷۳۵ء میں بچے تھے۔ جب چھتیس برس کے تھے تبھی محمد شاہ ابدالی نے دہلی پر حملہ کیا۔ اسی ہلچل میں دہلی سے نکلے اور آگرے جا پہونچے۔ آگرہ میں روضہ تاج گنج کے پاس رہتے تھے اور معلمی کا کام کرتے تھے۔ ۱۲ اگست ۱۸۳۰ء کو آگرہ ہی میں انتقال ہوا۔

نظیر بڑے نیک دل، مخلص اور اثر و رسوخ کے شاعر تھے۔ شہر کے تمام میلوں ٹھیلوں، کھیل تماشوں اور جلسے جلوسوں میں برابر شریک رہتے تھے اور ان کے تجربوں سے فائدہ اٹھا کر شاعری کرتے تھے۔ ذرا ذرا سی بات پر بڑی بڑی نظمیں کہنا ان کے لئے معمولی بات تھی۔ آدمی کی زندگی کو انھوں نے ہر ایک پہلو سے دیکھا اور سمجھا تھا۔ شہر کی مشہور چیزوں کھانوں، مٹھائیوں، عمارتوں، میلوں، تماشوں، تیوہاروں، پرندوں اور جانوروں کا آنکھوں دیکھا حال لکھ کر انھوں نے نظموں میں خوبصورتی کا رنگ بھر دیا ہے۔ رسم و رواج، بجوری، بھنگ، چرس، موسم اور قدرتی نظاروں پر انھوں نے بڑی بیش بہا نظمیں لکھی ہیں۔

انکی ظرافت نگاری کا کمال ہنسی بات کو سیدھے طریقے سے بیان کر دینے میں ہے۔ دل کی لگن سے زیادہ دل لگی ان کی خصلت تھی۔ انھیں ہنس ہنس کر بات کرنا خوب آتا تھا۔ انکے یہاں طنز و مذاح کا بڑا اچھا میل ہے۔

برسات کی بہاریں

کیچڑ سے ہو رہی ہے جس جا زمیں پھسلنی
مشکل ہوئی ہے واں سے ہر اک کو راہ چلنی
پھسلا جو پاؤں پگڑی مشکل ہے پھر سنبھلنی
جوتی گری جو واں سے کیا تاب پھر نکلنی !

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنے تو کیچڑوں کی دلدل میں پھنس رہے ہیں
کپڑے تمام گندے دل دل میں لس رہے ہیں
کتنے اٹھے ہیں مر مر کتنے اکس رہے ہیں
وہ دُکھ میں پھنس رہے ہیں اور لوگ ہنس رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

گر کر کسی کے کپڑے دل دل میں ہیں معطّر
پھسلا کوئی کسی کا کیچڑ میں منہ گیا بھر
اک دو نہیں پھسلتے کچھ اس میں آن اکثر
ہوتے ہیں سیکڑوں کے سر نیچے پاؤں اوپر

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

یہ رُت وہ ہے کہ جس میں خورد و کبیر خوش ہیں
ادنیٰ غریب مفلس شاہ و وزیر خوش ہیں

معشوق شاد و خرم عاشق اسیر خوش ہیں
جتنے ہیں اب جہاں میں سب اے نظیرؔ خوش ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

برسات کا جہان میں لشکر پھسل پڑا
بادل بھی ہر طرف سے ہوا پر پھسل پڑا
جھڑیوں کا مینہ بھی آ کے سراسر پھسل پڑا
چھتّا کسی کا شور مچا کر پھسل پڑا
کوٹھا جھکا اٹاری گری در پھسل پڑا

جن کے نئے نئے تھے مکاں اور محل سرا
ان کی چھتیں ٹپکتی ہیں چھلنی ہو جا بجا
دیواریں بیٹھتی ہیں چھلوں کا ہے غل مچا
لاٹھی کو ٹیک کر جو ستوں ہے کھڑا ہوا
چھجّا گرا منڈیری کا پتھر پھسل پڑا

یاں تک ہر اک مکاں کی پھسلنے کی ہے زمیں
نکلے جو گھر سے اس کو پھسلنے کا ہے یقیں
مفلس غریب پر ہی یہ موقوف کچھ نہیں
کیا فیل کا سوار ہے کیا پالکی نشیں
آیا جو اس زمین کے اوپر پھسل پڑا

دیکھو جدھر اُدھر کو یہی غل پکار ہے
کوئی پھنسا ہے اور کوئی کیچڑ میں خوار ہے
پیادہ اٹھا جو مر کے تو پچھڑا سوار ہے

گرنے کی دھوم دھام یہ کچھ بے شمار ہے
جو ہاتھی رپٹا اونٹ گرا خر پھسل پڑا

چکنی زمیں پہ یاں تنی کیچڑ ہے بے شمار
کیسا ہی ہوشیار پر پھسلے ہے ایک بار
نوکر کا بس کچھ اس میں نہ آقا کا اختیار
کوچے گلی میں ہم نے تو دیکھا ہے کتنے بار
آقا جو ڈگمگائے تو نوکر پھسل پڑا

کوچے میں کوئی اور کوئی بازار میں گرا
کوئی گلی میں گر کے ہے کیچڑ میں لوٹتا
رستے کے بیچ پاؤں کسی کا رپٹ گیا
اس سب جگہ کے گرنے سے آیا جو بچ بچا
وہ اپنے گھر کے صحن میں آکر پھسل پڑا

دَل دَل جو ہو رہی ہے ہر اک جا پہ رس مسی
مرمرا اٹھا ہے مرد تو عورت رہی پھنسی
کیا سخت مشکلات ہیں کیا سخت بے کسی
اس کی بڑی خرابی ہوئی اور بڑی ہنسی
جو اپنے جائے ضرور کے اندر پھسل پڑا

گرتی ہے گرچہ سب کو پھسلنی زمین خوار
عاشق کو یہ دکھائی ہے کچھ اور ہی بہار
آیا جو سامنے کوئی محبوب گل عذار
گرنے کا مکر کر کے اُچھل کود ایک بار
اس شوخ گل بدن سے لپٹ کر پھسل پڑا

پیسے کی فلاسفی

پیسے ہی کا امیر کے دل میں خیال ہے
پیسے ہی کا فقیر بھی کرتا سوال ہے
پیسہ ہی فوج پیسہ ہی جاہ و جلال ہے
پیسے ہی کا تمام یہ تنگ و دوال ہے
پیسہ ہی رنگ روپ ہے پیسہ ہی مال ہے
پیسہ نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

پیسہ جو ہووے پاس تو کندن کے ہیں ڈلے
پیسہ بغیر مٹی کے اس سے ڈلے بھلے
پیسے سے چُنّی لاکھ کی اک لال دیکھ لے
پیسہ نہ ہو تو کوڑی کو موتی کوئی نہ لے
پیسہ ہی رنگ روپ ہے پیسہ ہی مال ہے
پیسہ نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

پیسہ جو ہو تو دیو کی گردن کو باندھ لائے
پیسہ نہ ہو تو مکڑی کے جالے سے خوف کھائے
پیسے لالہ بھیا جی اور چودھری کہلائے
بن پیسے ساہوکار بھی اک چور سا دکھائے
پیسہ ہی رنگ روپ ہے پیسہ ہی مال ہے
پیسہ نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

پیسہ ہی جس دلاتا ہے انساں کی بات کو
پیسہ ہی زیب دیتا ہے بیاہ اور برات کو
بھائی سگا بھی اُن کے پوچھے نہ بات کو
بن پیسہ یارو دولہا بنے آدھی رات کو
پیسہ ہی رنگ روپ ہے پیسہ ہی مال ہے
پیسہ نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

پیسے نے جس مکاں میں بچھایا ہے اپنا جال
پھنستے ہیں اس مکاں میں فرشتوں کے پر و بال
پیسے کے آگے کیا ہیں یہ محبوب خوش جمال
پیسہ پری کو لائے پرستان سے نکال
پیسہ ہی رنگ روپ ہے پیسہ ہی مال ہے
پیسہ نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

دنیا میں دیندار کہانا بھی تام ہے
پیسہ ہی جسم و جان ہے پیسہ ہی کام ہے
پیسہ ہی رنگ روپ ہے پیسہ ہی مال ہے
پیسہ جہاں کے بیچ وہ قائم مقام ہے
پیسے ہی کا نظیر یہ آدم غلام ہے
پیسہ نہ ہو تو آدمی چرسے کی مال ہے

آٹے دال کی فلاسفی

آٹے کے واسطے ہے ہوس ملک و مال کی
آٹے ہی دال سے ہے درستی یہ حال کی
سب چھوڑو بات طوطی و بیڑی ولال کی
آٹا جو پالکی ہے تو ہے دال نالکی
اس سے ہی سب کی خوبی ہو جو حال قال کی
یارو کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

اس آٹے دال ہی کا جو عالم میں ہے ظہور
اس سے ہی آکے چڑھتا ہے چہرے پہ سب کے نور
سب چھوڑو بات طوطی و پڑی دلال کی
اس سے ہی منہ پہ نور ہے اور پیٹ کو سرور
شاہ و گدا امیر اسی کے ہیں سب مجبور
یارو کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

مینا کے پالنے کی اگر دل میں میل ہے
سب عشق بازی روزی کی ہوتی طفیل ہے
سب چھوڑو بات طوطی و بیڈری ولال کی
سچ پوچھئے تو یہ بھی خرابی کی جیل ہے
روزی نہ ہو تو مینا بھی پھر کیا چڑیل ہے
یارو کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

آٹا ہے جس کا نام وہی خاص نور ہے
اس کا ہی کھیل کھیلتا سب کو غرور ہے
سب چھوڑو بات طوطی و بیڈی ولال کی
اور دال بھی پری ہے کوئی یا کہ حور ہے
سمجھے جو اس سخن کو وہ صاحب شعور ہے
یارو کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

چھ پیسوں کو جو عشق میں دل کو لگاؤ گے
تو پیٹ بھر کے کھاؤ گے کپڑے بناؤ گے
طوطے کو پال کر کے حق اللہ پڑھاؤ گے
ناحق کو سر کھپاؤ گے کوڑی نہ پاؤ گے
سب چھوڑو بات طوطی و پدڑی و لال کی
یارو کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

جن پر ہیں چار پیسے وہی ہے یہاں امیر
اور جتنے پیشہ ور ہیں وہ کیا خورد کیا کبیر
اور جن کے پاس کچھ نہیں وہ ہیں نرے فقیر
روٹی کا سلسلہ ہے بڑا کیا کہوں نظیر
سب چھوڑو بات طوطی و پدڑی و لال کی
یارو کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

روٹیاں

جب آدمی کے پیٹ میں آتی ہیں روٹیاں
پھولی نہیں بدن میں سماتی ہیں روٹیاں
آنکھیں پری رخوں سے لڑاتی ہیں روٹیاں
سینے اوپر بھی ہاتھ چلاتی ہیں روٹیاں
جتنے مزے ہیں سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی سے جس کا ناک تلک پیٹ ہے بھرا
کرتا پھرے ہے کیا وہ اچھل کود جا بجا
دیوار پھاند کر کوئی کوٹھا اچھل گیا
ٹھٹھا ہنسی شراب صنم ساقی اس سوا
سو سو طرح کی دھوم مچاتی ہیں روٹیاں

جس جا پہ ہانڈی، چولہا، توا اور تنور ہے
خالق کی قدرتوں کا اسی جا ظہور ہے
چولہے کے آگے آنچ جو جلتی حضور ہے
جتنے ہیں نور سب میں یہی خاص نور ہے
اس نور کے سبب نظر آتی ہیں روٹیاں

آوے توے، تنور کا جس جا زباں پہ نام
یا چکی چولہے کے جہاں گلزار ہوں تمام
واں سر جھکا کے کیجئے ڈنڈوت اور سلام
اس واسطے کہ خاص یہ روٹی کے ہیں مقام
پہلے انھیں مکانوں میں آتی ہیں روٹیاں

ان روٹیوں کے نور سے سب دل ہیں نور پور
آٹا نہیں ہے چھلنی سے چھن چھن گرے ہے نور
پیڑا ہر ایک اس کا ہے برفی و موتی چور
ہرگز کسی طرح نہ بجھے پیٹ کا تنور

اس آگ کو مگر یہ بجھاتی ہیں روٹیاں

پوچھا کسی نے یہ کسی کامل فقیر سے
یہ مہر و ماہ حق نے بنائے ہیں کاہے کے
وہ سن کے بولا "بابا خدا تجھ کو خیر دے
ہم تو نہ چاند سمجھیں نہ سورج ہیں جانتے

بابا ہمیں تو یہ نظر آتی ہیں روٹیاں"

روٹی جب آئی پیٹ میں سو قند گھل گئے
گلزار پھولے آنکھوں میں اور عیش تُل گئے
دو تر نوالے پیٹ میں جب آکے ڈھل گئے
چودہ طبق کے جتنے تھے سب بھید کھل گئے

یہ کشف یہ کمال دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی نہ پیٹ میں ہو تو پھر کچھ جتن نہ ہو
میلے کی سیر خواہشِ باغ و چمن نہ ہو
بھوکے غریب دل کی خدا سے لگن نہ ہو
سچ ہے کہا کسی نے کہ بھوکے بھجن نہ ہو

اللہ کو بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں

اب جن کے آگے مال پوئے بھر کے تھال ہیں
پوری بھگت انھیں کی وہ صاحب کے لال ہیں
اور جن کے آگے روغنی اور شیرمال ہیں
عارف وہی ہیں اور وہی صاحب کمال ہیں

پکی پکائی اب جنھیں آتی ہیں روٹیاں

کپڑے کسی کے لال ہیں روٹی کے واسطے
لمبے کسی کے بال ہیں روٹی کے واسطے
باندھے کوئی رومال ہیں روٹی کے واسطے
سب کشف اور کمال ہیں روٹی کے واسطے

جتنے ہیں روپ سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی سے ناچے پیادہ قوائد دکھا دکھا
اسوار ناچے گھوڑے کو کاوا لگا لگا
گھونگھرو کو باندھے پیک بھی پھرتا ہے جابجا
اور اس سوا جو غور سے دیکھا تو جابجا

سو سو طرح کے ناچ دکھاتی ہیں روٹیاں

اور وہ جو ناچنے میں بتاتی ہے بھاؤ تاؤ
چتون اشارتوں میں کہے ہے کہ روٹی لاؤ
روٹی کی سب سنگار ہیں روٹی کے راؤ چاؤ
.... کی تاب کیا جو کرے اس قدر بناؤ
یہ آن یہ جھمک تو دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی کا اب ازل سے ہمارا تو ہے خمیر
روکھی بھی روٹی حق میں ہمارے ہے شہد و شیر
یا پتلی ہووے موٹی خمیری ہو یا فطیر
گیہوں کی جوار باجرے کی جیسی ہو نظیر
ہم کو تو سب طرح کی خوش آتی ہیں روٹیاں

پیٹ کی فلاسفی

کرتا ہے کوئی جور و جفا پیٹ کیلئے
سہتا ہے کوئی رنج و بلا پیٹ کیلئے
سیکھا ہے کوئی مکر و دغا پیٹ کیلئے
پھرتا ہے کوئی بے سر و پا پیٹ کیلئے
جو ہے سو ہو رہا ہے فدا پیٹ کیلئے

عاجز ہیں اسکے واسطے کیا شاہ کیا وزیر
محتاج ہیں اسی کے لئے بخشی و امیر
منشی وکیل ایلچی متصدی و مشیر
چاکر نفر غلام تونگر غنی فقیر
سب کر رہے ہیں فکر سدا پیٹ کیلئے

صراف خردیئے سے لگا سیٹھ ساہوکار
دلال جوہری و کناری کے پیشہ دار
پنساری و بزاز اناجوں کے کاروبار
بیوپار لین دین بنج قرض اور ادھار
ہے سب نے ٹھک ٹھکا یہ کیا پیٹ کیلئے

بیٹھے ہیں مسجدوں میں مصلے بچھا بچھا
جبے پہن کے ہاتھ میں تسبیح کو پھرا
واعظ کے ہر سخن میں ہے کھانے کا مدعا
عابد بھی دعوتوں کی عبادت ہے کر رہا
زاہد بھی مانگتا ہے دعا پیٹ کے لئے

رنگ ریز بیٹھے رنگتے ہیں رنگت ہزار یا سرخ و گلابی زرد سیاہ سبز دھاریا
ململ ہے کوئی کوئی ہے مشرو کٹاریا جنگل میں جا کے دیکھا تو اس جا بھی نیاریا
نت خاک چھانتا ہے پڑا پیٹ کے لئے

نٹکھٹ اوچکے چور دغاباز راہ مار عیار جیب کترے نظرباز ہوشیار
سب اپنے اپنے پیٹ کے کرتے ہیں کاروبار کوئی خدا کے واسطے کرتا نہیں شکار
بلّی بھی مارتی ہے چوہا پیٹ کے لئے

بانکا سپاہی خوب شجاعت میں بے جگر وہ بھی اسی کے واسطے لے تیغ اور تبر
لڑتا ہے توپ تیر تفنگوں میں آن کر کھاتا ہے زخم خون میں ہوتا ہے تربتر
آخر کو سر بھی دے ہے کٹا پیٹ کے لئے

فاضل کے فضل میں بھی اسی کی ہے التجا عابد نجومی کا بھی اسی پر ہے مدعا
ملّا بھی دن گزارے ہے لڑکے پڑھا پڑھا شاعر بھی دیکھئے تو قصیدے بنا بنا
کیا کیا کرے ہے وصف و ثنا پیٹ کیلئے

قاضی کے حال کی بھی یہی بات ہے گواہ مفتی کے قصد کی بھی شاہد ہے خواہ مخواہ
وید اور حکیم کی بھی اسی پر ہے اب نگاہ عطّار کے بھی درد کو دیکھا تو وہ بھی آہ
دن رات کوٹتا ہے دوا پیٹ کے لئے

لاکھوں میں کوئی لے ہے محبت سے حق کا نام ورنہ سب اپنے پیٹ کے ہیں کلمے اور کلام
نہ عاقبت کی فکر نہ راہِ خدا سے کام سمجھے نہ کچھ حلال نہ جانا کہ کچھ حرام
جو جس سے ہو سکا سو کیا پیٹ کے لئے

زردار مالدار گدا شاہ کیا وزیر سردار کیا غریب تونگر ہو یا فقیر
ہر دم سبھوں کو دیکھا اسی ہاتھ میں اسیر اپنی یہی دعا ہے شب و روز اے نظیر
دے شرم و آبرو سے خدا پیٹ کے لئے

ہیجڑے

بیٹا ہوا کسی کے جو سن پاویں ہیجڑے سنتے ہی اس کے گھر میں پھر آجاویں ہیجڑے
ناچیں بجا کے تالیاں اور گاویں ہیجڑے لے لے کے بیل بھاؤ بھی بتلاویں ہیجڑے
اس کے بڑے نصیب جہاں جاویں ہیجڑے

باتیں بھی ان کی صاف ہیں ملنا بھی صاف ہے سینہ بھی ان کا آئینہ مکھڑا بھی صاف ہے
ظاہر بھی ان کا صاف ہے جیوڑا بھی صاف ہے آگا بھی ان کا صاف ہے پیچھا بھی صاف ہے
جب ایسے زندہ دل ہوں تو کہلاویں ہیجڑے

یہ جان چھلے اب جو کہاتے ہیں خوش سفیر ہے دل ہمارا ان کی محبّت میں اب اسیر
مدّت سے ہو رہا ہے ارادائے دل پذیر اللہ ہمیں بھی دے وے جو بیٹا اسے نظیرؔ
ہم بھی بلا کے خوب سے نچواویں ہیجڑے

آٹے دال کی فلاسفی ۳

کیا کہوں یارو میں نقشہ خلق کے احوال کا اہلِ دولت کا چلن یا مفلس و کنگال کا
یہ بیاں گو واقعی ہے ہر کسی کے حال کا کیا تونگر کیا غنی کیا پیر اور کیا بال کا
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

گر نہ آٹے دال کا اندیشہ ہوتا سدِّ راہ پھر نہ پھرتے ملک گیری کو وزیر و بادشاہ
ساتھ آٹے دال کے ہے حشمت و فوج و سپاہ تا بجا گرز و کوٹ سے اڑتے ہوئے پھرتے ہیں آہ
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

گر نہ آٹے دال کا ہوتا قدم یاں درمیاں
منشی و ممبر و وزیر و بخشی و نواب و خاں
جاگتے دربار میں کیوں آدھی آدھی رات واں
کیا عجب نقشہ پڑا ہے کس طرح کیجے بیاں
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

گر نہ آٹے دال کا یاں کھٹکا ہوتا بار بار
دوڑنے کاہے کو پھرتے دھوپ میں پیادے سوار
اور جتنے ہیں جہاں میں پیشہ ور اور پیشہ دار
ایک بھی جی پر نہیں ہے اس سوا صبر و قرار
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

اپنے عالم میں یہ آٹے دال بھی کیا فرد ہے
حسن کی آن و ادا سب اسکے آگے گرد ہے
عاشقوں کا بھی اسی کے عشق سے مونہہ زرد ہے
تا کجا کہیے کہ کیا وہ مرد کیسا نامرد ہے
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

دلبروں کی چشم ابرو زلف خط و خال ہے
ناز کی شوخی ادائیں حسن لالوں لال ہے
کیا کمر پتلی ہے کافر کیا ٹھمکتی چال ہے
غور کر دیکھا ہے جو کچھ ہے سو آٹا دال ہے
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

اب جنھیں اللہ نے یاں کر دیا کامل فقیر
وہ تو بے پروا غنی داتا ہے آپ ہی دل پذیر
اور جتنے ہیں وہ سب ہیں دال آٹے کے اسیر
ان غریبوں کی یہی اب شکل ہو گی اے نظیر
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

آدمی کی فلاسفی

دنیا میں بادشاہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی
اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار بے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے جو مانگتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

ابدال و قطب و غوث و ولی آدمی ہوئے
منکر بھی آدمی ہوئے اور کفر کے بھرے
کیا کیا کرشمے کشف و کرامات کے لئے
حتّٰی کہ زہد اور ریاضت کے زور سے

خالق سے جا ملا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

فرعون نے کیا تھا جو دعویٰ خدائی کا
شدّاد بھی بہشت بنا کر ہوا خدا
نمرود بھی خدا ہی کہاتا تھا برملا
یہ بات ہے سمجھنے کی آگے کہوں میں کیا

یاں تک جو ہو چکا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی نار ہے اور آدمی ہی نور
یاں آدمی ہی پاس ہے اور آدمی ہی دور
کل آدمی کا حسن قبح میں ہے یاں ظہور
شیطاں بھی آدمی ہے جو کرتا ہے مکر و زور

اور ہادی رہنما ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں
بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں
پڑھتے ہیں آدمی ہی قرآن اور نمازیاں
اور آدمی ہی ان کی چراتے ہیں جوتیاں

جو ان کو تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی پہ جان کو وارے ہے آدمی
اور آدمی ہی تیغ سے مارے ہے آدمی
پگڑی بھی آدمی کی اتارے ہے آدمی
چلّا کے آدمی کو پکارے ہے آدمی

اور سن کے دوڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

ناچے ہے آدمی ہی بجا تالیوں کو یار
اور آدمی ہی ڈالے ہے اپنی عزت اتار
ننگا کھڑا اچھلتا ہے ہو کر ذلیل و خوار
سب آدمی ہی ہنستے ہیں دیکھ اسکو بار بار

اور وہ جو مسخرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

چلتا ہے آدمی ہی مسافر ہو لے کے مال
اور آدمی ہی مارے ہے پھانسی گلے میں ڈال
یاں آدمی ہی صید ہے اور آدمی ہی جال
سچا بھی آدمی ہی نکلتا ہے میرے لال

اور جھوٹ کا بھرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی شادی ہے اور آدمی ہی بیاہ — قاضی وکیل آدمی اور آدمی ہی گواہ
تاشے بجاتے آدمی پھرتے ہیں خواہ مخواہ — دوڑے ہیں آدمی ہی مشعلیں جلا کے راہ
اور بیاہنے چڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی نقیب ہو بولے ہے بار بار — اور آدمی ہی پیادے ہیں اور آدمی سوار
حقہ صراحی جوتیاں دوڑیں بغل میں مار — کاندھے پہ رکھ کے پالکی ہیں آدمی کہار
اور اس میں جو چڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

بیٹھے ہیں آدمی ہی دکانیں لگا لگا — کہتا ہے کوئی لو کوئی کہتا ہے لا رے لا
اور آدمی ہی پھرتے ہیں رکھ سر پہ خوانچا — کس کس طرح وے بیچے ہیں چیزیں بنا بنا
اور مول لے رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی قہر سے لڑتے ہیں گھور گھور — اور آدمی ہی دیکھ انھیں بھاگتے ہیں دور
چاکر غلام آدمی اور آدمی مجور — یاں تک کہ آدمی ہی اٹھاتے ہیں جا ضرور
اور جس نے وہ پھرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

طبلے منجیرے دائرے سارنگیاں بجا — گاتے ہیں آدمی ہی ہر اک طرح جا بجا
رنڈی بھی آدمی ہی نچاتے ہیں گت لگا — وہ آدمی ہی ناچے ہیں اور دیکھو یہ مزا
جو ناچ دیکھتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی لعل و جواہر ہے بے بہا — اور آدمی ہی خاک سے بدتر ہے ہو گیا
کالا بھی آدمی ہے اور الٹا ہے جوں توا — گورا بھی آدمی ہے کہ ٹکڑا سا چاند کا
بدشکل و بدنما ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اک آدمی ہیں جن کے یہ کچھ زرق برق ہیں — روپے کے ان کے پاؤں ہیں سونے کے فرق ہیں
جھمکے تمام غرب سے لے تابہ شرق ہیں — کمخواب تاش شال دوشالوں میں غرق ہیں
اور چیتھڑے لگا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اک ایسے ہیں جن کے بچھے ہیں نئے پلنگ　　پھولوں کی سیج ان پہ جھمکتی ہے تازہ رنگ
سوتے ہیں لپٹے چھاتی سے معشوق شوخ و شنگ　　سو سو طرح سے عیش کے کرتے ہیں رنگ ڈھنگ
اور خاک میں پڑا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

حیران ہوں یارو دیکھو تو کیا یہ سوانگ ہے　　اور آدمی ہی چور ہے اور آپ ہی تھانگ ہے
ہے چھینا جھپٹی اور کہیں مانگ تانگ ہے　　دیکھا تو آدمی ہی یہاں مثلِ رانگ ہے
فولاد سے گڑا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مرنے میں آدمی جو کفن کرتے ہیں تیار　　نہلا دھلا اُٹھاتے ہیں کاندھے پہ کر سوار
کلمہ بھی پڑھتے جاتے ہیں روتے ہیں زار زار　　سب آدمی ہی کرتے ہیں مُردے کا کاروبار
اور وہ جو مر گیا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اشراف اور کمینے سے لے شاہ تا وزیر　　ہیں آدمی ہی صاحبِ عزت بھی اور حقیر
یاں آدمی مُرید ہے اور آدمی ہی پیر　　اچھا بھی آدمی ہی کہاتا ہے اے نظیر
اور سب سے جو بُرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

حالی

مولانا الطاف حسین حالی انصاریوں میں ایک اعلیٰ خاندان سے وابستہ تھے۔ آپ کے والد کا نام خواجہ ایزد بخش تھا۔ آپ ۱۸۳۷ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ ابھی آپ تعلیم حاصل کر ہی رہے تھے کہ والد صاحب کا انتقال ہوگیا۔

۱۸۵۴ء میں گھر بار چھوڑ کر دلّی چلے گئے۔ شاعری میں مرزا غالب کی شاگردی کی لیکن آپ نے نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے ساتھ رہ کر بھی بہت کچھ حاصل کیا۔ نوکری کے سلسلے میں لاہور بھی گئے۔ ۲۱ر دسمبر ۱۹۱۴ء میں انتقال ہوا۔ پانی پت میں بو علی شاہ قلندر کی درگاہ میں دفن ہوئے۔

حالی ادیب بھی تھے، نقاد بھی اور اونچے درجے کے شاعر بھی۔ جدید اردو شاعری کے وہ رہنماؤں میں سے ہیں۔ انھوں نے اپنے دیوان کا مقدمہ شعر و شاعری کے نام سے لکھا ہے۔ وہ اردو کی قدیم شاعری پر پہلی چوٹ ہے۔ ان کے یہاں طنز و مزاح کی مثالیں بھی مل تی ہیں۔ اس میں کہیں گھٹیا پن یا پھکڑ پن نہیں ملتا۔ وہ گدگدیاں سی لیتے ہیں اور چٹکیاں سی بھرتے ہیں اور دل و دماغ پر عجیب کیفیت طاری کرتے ہیں۔

و ملازم ایک کالا اور گورا دوسرا — دوسرا پیدل، مگر پہلا سوارِ راہوار
تھے سول سرجن کی کوٹھی کی طرف دونوں رواں — کیونکہ بیماری کی رخصت کے تھے دونوں خواستگار
راہ میں دونوں کے باہم ہو گئی کچھ ہشت مُشت — کو کہ میں کالے کی اک مُکّا دیا گورے نے مار
صدمہ پہونچا جس سے تلّی کو بہت مسکین کی — آگے گھوڑے سے بڑھا سائیس نے اسکو اتار
ٹھوک کر کالے کو گورے نے تو اپنی راہ لی — چوٹ کے صدمے سے غش کالے کو آیا چند بار
آخرش کوٹھی پہ پہنچے جا کے دونوں بیش و پس — صاحب اپنے پاؤں اور مضروب ڈولی میں سوار
ڈاکٹر نے آکے دونوں کی سنی جب سرگذشت — تھی کو جا پہنچا سخن کی سُن کے قصہ ایک بار
دی سند گورے کو لکھی جس میں تصدیقِ مرض — اور یہ لکھا تھا کہ سائل ہے بہت زار و نزار
یعنی اک کالا نہ جس گورے کے مکّے سے مرے — کر نہیں سکتا حکومت ہند پر وہ زینہار
اور کہا کالے سے تم کو مل نہیں سکتی سند — کیونکہ تم معلوم ہوتے ہو بظاہر جاندار

ایک کالا بیٹ کے جو گورے سے فوراً مر نہ جائے
آئے باپاس کی بیماری کا کیوں کر اعتبار

کہتے ہیں ایک امیر زادے کو — تھا خدنگ افگنی کا شوق کہیں
خصلتیں جو امیر زادوں میں — لازمی ہیں وہ اس میں بھی سب تھیں
واہ وا سنتے سنتے یاروں کی — ہو گیا تھا ہنر کا اپنے یقیں
الغرض اک روز صحرا میں — جب کہ تھے ساتھ سب حلیس و قریں
مشقِ تیر افگنی میں تھا مصروف — کر رہے تھے خوشامدی تحسیں

آ کے دیکھا جو اک ظریف نے حال ۔۔۔ وجہ تحسیں ہوئی نہ ذہن نشیں
جا کے بھولے سے بھی نہ پڑتا تھا ۔۔۔ تیر آماجگاہ کے کوئی قریں
کچھ جو شوخی ظریف کو سوجھی ۔۔۔ رکھ کے بالائے طاق سب تمکیں
خاک تودے پہ ہو کے جا بیٹھا ۔۔۔ لوگ کرتے رہے چُناں و چِیں
ناوک انداز بولا چلا کر ۔۔۔ کوئی تجھ کو جنوں ہے اے مسکیں
عرض کی چارہ کیا ہے اس کے سوا ۔۔۔ جب کہ جائے گریز ہو نہ کہیں
زد سے ان بے پناہ تیروں کی ۔۔۔ کہیں جاں دار کو امان نہیں

مجھ کو ہر پھر کے شش جہت میں حضور
امن کی اک جگہ ملی ہے یہیں

سیّد احمد خاں کے اک منکر سے یہ پوچھا کہ آپ
کس لئے سیّد سے صاف اے حضرتِ والا نہیں
آپ بھی نامِ خدا ہیں تارکِ صوم و صلوٰۃ
اور سلوک اسلام سے خود آپ کا اچھا نہیں
چشم بد دور آپ کا بھی جب کہ ہے مشرب وہی
پھر یہ سیّد پر تبرّی آپ کو زیبا نہیں
سن کے فرمایا اگر ہو پوچھتے انصاف سے
بات یہ ہے سن لو صاحب تم سے کچھ پردا نہیں
رنج کچھ اس کا نہیں مجھ کو کہ وہ ایسا ہے کیوں
بلکہ ساری کوفت اس کی ہے کہ میں ویسا نہیں

عادت تھی اک فقیر کی کرتا تھا جب سوال
انگریز کے سوا نہ کسی سے تھا مانگتا
مدت تک اس کی جب یہی دیکھی گئی روش
پوچھا کسی نے اس سے کہ اس کا سبب ہے کیا
بولا کہ عادت اس لئے کی ہے یہ اختیار
چھٹ جائے تا کہ مجھ سے یہ لپکا سوال کا
پہلے جو بھاگوانوں سے ملتی تھی روز بھیک
آتا تھا مانگنے میں بہت بھیک کا مزا
پر جب سے ہے سوال کا اس قوم کا مدار
منّت سے عزّت سے کبھی ملتا نہیں ٹکا

بُرا شعر کہنے کی گر کچھ سزا ہے　　عبث جھوٹ بکنا اگر ناروا ہے
تو وہ محکمہ جس کا قاضی خدا ہے　　مقرر جہاں نیک و بد کی جزا ہے
گنہگار وہاں چھوٹ جائیں گے سارے
جہنّم کو بھر دیں گے شاعر ہمارے

زمانے میں جتنے قلی اور نفر ہیں　　کمائی سے اپنی وہ سب بہرہ ور ہیں
گوّیئے امیروں کے نورِ نظر ہیں　　ڈفالی بھی آتے کچھ مانگ کر ہیں
مگر اس تپ دق میں جو مبتلا ہیں
خدا جانے وہ کس مرض کی دوا ہیں

وہ شعر اور قصائد کا ناپاک دفتر   عفونت میں سنڈاس سے جو ہے بد تر
زمیں جس سے ہے زلزلے میں برابر   ملک جس سے شرماتے ہیں آسماں پر
ہوا علم و دیں جس سے تاراج سارا
وہ ہے بحث نظر علم اِنشا ہمارا

مان لیجے شیخ جو دعوے کریں   اک بزرگِ دیں کو ہم جھٹلائیں کیا

لوگ کیوں شیخ کو کہتے ہیں کہ عیار ہے وہ   اس کی صورت سے تو ایسا نہیں پایا جاتا

دیکھئے شیخ مصور سے کھنچے یا نہ کھنچے   صورت اور آپ سے بے عیب بشر کی صورت
واعظ و آتشِ دوزخ سے جہاں کو تم نے   یہ ڈرایا ہے کہ خود بن گئے ڈر کی صورت

شیخ رندوں میں بھی ہیں کچھ پاک باز   سب کو ملزم تو نے ٹھہرایا عبث
آ نکلتے تھے کبھی مسجد میں ہم   تو نے زاہد ہم کو شرمایا عبث

بات واعظ کی کوئی پکڑی گئی   ان دنوں کمتر ہے کچھ ہم پر لتاڑ

شیخ اللہ رے تیری عیاری   کس توجہ سے پڑھ رہا ہے نماز

کہے اگر کوئی تم کو واعظ کہ کہتے کچھ اور کرتے کچھ ہو
زمانے کی خو ہے نکتہ چینی کچھ اس کی پروا نہ کیجئے گا

زاہد کہتا تھا جاں ہے دیں پہ قربان
پر آیا جب امتحاں کی زد پہ ایمان
کی عرض کسی نے کہیئے اب کیا ہے صلاح
فرمایا کہ بھائی جان جی ہے تو جہان

پوچھا جو کل انجامِ ترقیٔ بشر
یاروں سے کہا پیرِ مغاں نے ہنس کر
باقی نہ رہے گا کوئی انسان میں عیب
ہو جائیں گے چھل چھلا کے سب عیب ہنر

دیکھو جس سلطنت کی حالت درہم
سمجھو کہ وہاں ہے کوئی برکت کا قدم
یا تو کوئی بیگم ہے مشیرِ دولت
یا ہے کوئی مولوی وزیرِ اعظم

یاروں میں نہ پایا جب کوئی عیب و گناہ
کافر کہا واعظ نے انھیں اور گمراہ
جھوٹے کو نہیں ملتی شہادت جس وقت
لاتا ہے خدا کو اپنے دعوے پہ گواہ

نصیحت بے اثر ہے گر نہ ہو درد
یہ گُر ناصح کو بتلانا پڑے گا

واعظ آتا ہے تو آنے دو اسے
پہ مزا آنے کا یاں کیا پائے گا
آئے گا اور ہم کو شرمائے گا مفت
اور خود شرمندہ ہو کر جائے گا
عیب سے خالی نہ واعظ ہے نہ ہم
ہم پہ منہ آئے گا منہ کی کھائے گا

ظریف جبل پوری

۲۶ر نومبر ۱۹۱۳ء کو کٹنی ضلع جبل پور میں پیدا ہوئے۔ والدین نے حامد رضا نام رکھا۔ لیکن بچپن ہی سے ظریفانہ شعر کہنے لگے اور ظریف نام سے مشہور ہو گئے۔ نسیم بھرت پوری ان کے دادا کے چھوٹے بھائی تھے۔ افسوس پاکستان میں انتقال فرما گئے۔ ان کی نظموں میں غریبی، مکینک، شاعر، مچھر، وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ یہ اپنے شعروں میں لڑائی، مہنگائی اور سیاست پر فقرے کستے رہتے تھے۔

ہماری قبر کے تختے چرا کے کہتے ہیں
ہے کنٹرول کی لکڑی گراں نہیں معلوم

فردوس تک تھے در کھلے ماہِ صیام میں
اور وا اگر نہ تھا تو تمہارا ہی در نہ تھا

عشق میں اور کیا ہو حبسِ دوام
ہجر خود انڈیمان ہے پیارے

ہم آپ ہوں گے نہ ہوگا عدو رہیگی کمی
کہ جیسے تانگے ہیں اک بم نہیں تو کچھ بھی نہیں

آپ کی یاد بن گئی اکسیر
خاک میں مل گئی ہماری یاد

سونا مہنگا ہے تو پھر تانبے کے سکے ہی سہی
نوٹ اور وہ بھی پھٹا ہو مجھے منظور نہیں

کیا نمک اٹھ گیا زمانے سے
پھیکا پکوان کھا رہا ہوں میں

عقلیں درست ہو گئیں مہنگائی کے سبب
سب بیوقوف جنگ میں چالاک ہو گئے

کیا سیاست ہے کہ ہیں وہ جنگ سے بیزار بھی
غیر کی جانب بھی ہیں اور غیر جانبدار بھی

کپڑا ار پوشش ہے عریانی چھپائیں کب تک
چند دن میں تو لنگوٹی بھی اتر جائے گی

میرے بالوں سے وہ اب الجھتے ہیں
ان کی زلفوں میں پھنس گیا ہوں میں

ڈھونڈتے ہیں وہ میرے سجدوں کو
سنگِ در پر بڑی خدائی ہے

اک غیر تھا کہ پا گیا دس سال کی سزا
اب کوئی درمیان میں حائل نہیں رہا

میں تو منٹ ہی لوں گا تم منہ سے "ہاں" تو کہہ دو
آخر عدو عدو ہے کوئی تیس مارخاں ہے

زاہد و رند دونوں یکساں ہیں
اپنی اپنی مگر طبیعت ہے

ترے ایمان کی نیا بھٹکتی پھرتی ہے زاہد
کبھی کوثر کی موجوں میں کبھی گنگا کے دھاروں میں

محفل کی عنایت سے ظریفِ سخن آرا
وہ داد ملی ہے کہ کبھی پایا نہیں حبّا تا

ان سے ملنے کو جو پوچھا تو ٹھٹک کر بولے
تم تو سنتے ہی نہیں کہہ تو دیا غیر کے دن

پڑھتے پڑھتے ہو گئے کان رسے اردو رائج ہم
نوکری کرنے کا بھی اب ہم کو ڈر جاتا رہا

دریائے ظرافت میں طوفاں کچھ ایسا ظریف اٹھاتا ہے
اشعار ہمارے سن سن کر سب ہی ہا ہا کرتے ہیں

شبِ فراق جسے عاشقی میں کہتے ہیں — وہ رات خود نہیں آتی بلائی جاتی ہے

ہجومِ عاشقاں دیکھا جو دروازے پہ وہ بولے — ہمیں یہ ٹیم تو آل انڈیا معلوم ہوتی ہے

ہوا کو ایجوکیشن جب سے رائج انڈیا بھر میں — ہر اک تعلیم گاہ اندر سبھا معلوم ہوتی ہے

مجھے دفتر سے اور گھر سے تو فرصت ہی نہ ملتی تھی
گُنہ پھر کب کئے آخر کراماً کاتبیں نے
بتایا اس طرح پر لطف قصہ اپنی الفت کا
فسانہ تھا کسی کا اپنی باتیں ٹھونس دیں میں نے

عشاقِ سلف میں اور ہم میں تعلیم کے باعث فرق یہ ہے
وہ ہجر میں رویا کرتے تھے ہم ہجر میں گایا کرتے تھے

جسے چاہیں اپنا دل دیں کہ یہ دل تو ہے ہمارا — نہ عدو کا اس میں جھگڑا نہ تمہارا کچھ اجارا
تجھے مر کے بھی نہ چھوڑوں کہ ظریفِ زندہ دل ہوں — اسے یوں سمجھ لے ہمدم تو ندی ہے میں کنارا

وہ دل میں گھس رہے ہیں اور میں محسوس کرتا ہوں — کہ سنگاپور میں جاپان داخل ہوتا جاتا ہے

الفت میں معجزے جو دکھانے لگا ہوں میں — ناصح کو راہِ عشق پہ لانے لگا ہوں میں
جھکانے کو ہر در پہ سر کو جھکا دوں — نمائش کا سجدہ عبادت نہیں ہے

اکبر الہ آبادی

پورا نام سید اکبر حسین رضوی تھا۔ لیکن اکبر الہ آبادی کے نام سے مشہور ہیں۔ .... طنز و ظرافت کی شاہراہ پر سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ۱۶ / نومبر ۱۸۴۶ء کو الہ آباد کے مشہور قصبہ بارہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سرکاری اسکولوں میں پائی۔ انگریزی کی لیاقت اپنے شوق اور محنت سے حاصل کی۔ ۱۸۶۹ء میں نائب تحصیلدار ہوئے اور ترقی کرتے کرتے ۱۸۸۸ء میں جج کے عہدے پر پہنچ گئے۔ الہ آباد یونیورسٹی کے فیلو بھی تھے۔ ۹ ستمبر ۱۹۲۱ء کو انتقال فرمایا۔

۱۸۷۷ء میں جب منشی سجّاد حسین نے اودھ پنچ نکالا تو اس میں باقاعدہ لکھنا شروع کر دیا۔ عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں کہ ان کے نام کو قہقہوں نے اچھالا۔ ان کی شہرت کو مسکراہٹوں نے چمکایا۔ ہندوستان میں آج جو گھر گھران کا نام ہے اس عمارت کی داغ بیل ان کی شوخ نگاری اور لطیفہ گوئی کی ڈالی ہوئی ہے۔

اکبر کے یہاں ہر قسم کی ظرافت کے نمونے ملتے ہیں۔ وہ بھی جو ہر زمانہ اور ہر دور میں قائم رہنے والی ہے اور وہ بھی جو ہنگامی واقعات اور زندگی کے تقاضوں سے متعلق ہے اس کے ساتھ تفریحی بھی۔

دنیا کا دیدنی وہ تماشا نکل گیا　　اب گرد رہ گئی ہے یہ میلا نکل گیا

اب مادّے کے چھاننے والے ہی رہ گئے　　روحانیات کا وہ اکھاڑا نکل گیا

میں خوش ہوا جو آپ نے دیں مجھ کو گالیاں　　اچھا ہوا بخار تو دل کا نکل گیا

بازار مغربی کی ہوا سے خدا بچائے

میں کیا رہا جنوں کا دِوالا نکل گیا

عبث بالکل ہے حال دل کسی سے آج کل کہنا

بہت جوش طبیعت ہو تو جائز ہے غزل کہنا

فقط تعمیر کالج پر ہیں پھولوں یہ نہیں ممکن

مبارک آپ ہی لوگوں کو ہو پتّی کو پھل کہنا

بدلی وہ ہوا گزرا وہ سماں وہ راہ نہیں وہ لوگ نہیں

تفریح کہاں اور سیر کجا گھر سے بھی نکلنا چھوڑ دیا

ہر گام پہ چند آنکھیں نگراں ہر موڑ پہ اک لیسنس طلب

اس پارک میں آخر اے اکبرؔ میں نے تو ٹہلنا چھوڑ دیا

اللہ کی راہ اب تک ہے کھلی آثار و نشاں سب قائم ہیں

اللہ کے بندوں نے لیکن اس راہ پہ چلنا چھوڑ دیا

اس حور لقا کو گھر لائے ہو تم کو مبارک اے اکبرؔ

لیکن یہ قیامت کی تم نے گھر سے جو نکلنا چھوڑ دیا

ترا دل تو ہمیشہ امرِ خاطر خواہ چاہے گا
مگر ہوگا وہی اکبرؔ کہ جو اللہ چاہے گا
غزل سننی ہو اکبرؔ کی تو اس کو عذر ہی کیا ہے
مگر ہر شعر پر وہ انجمن میں واہ چاہے گا

ٹھن گئی آج یہی دل میں کہ پہنچوں ان تک
یا مری خیر نہیں یا نہیں دربان کی خیر
نئے میدان میں سر دے کے کہا قوم کا نام
آپ بنگلے میں منایا ہی کئے جان کی خیر
اس مس برق کلیسا کا ہے لکچر اکبرؔ
آج تو علم بھی مانگے گا مسلمان کی خیر

کس طرح پردے میں رہے اے شیخ عورت اک طرف
سارے خیالات اک طرف ملکی ضرورت اک طرف
مشرق کے واعظ اک طرف مغرب کی زینت اک طرف
عقلی دلیلیں اک طرف اور دل کی رغبت اک طرف
اسپنسر و مل کے ورق ہیں کس قیامت کے سبق
کل توپ خانہ اک طرف بابو کی جرأت اک طرف
اکبر درِ بت خانہ پر ایسا جما ٹلتا نہیں
ساری خدائی اک طرف اس بت کی صورت اک طرف
ذکرِ خدا یادِ اجل کافی ہیں اس کے واسطے
میدانِ آنر اک طرف اکبر کی ہمت اک طرف

لطف چاہو اک بت نوخیز کو راضی کرو — نوکری چاہو کسی انگریز کو راضی کرو
لیڈری چاہو تو لفظ قوم ہے مہماں نواز — گپ نویسیوں کو اور اہل میز کو راضی کرو
طاعتِ امن وسکوں کا دل کو یکیں ہو جو شوق — صبر پر طبع ہوس انگیز کو راضی کرو
زق زق و بق بق میں دنیا کے نہ ہو اکبرؔ شریک
چپ ہی رہنے پر زبانِ تیز کو راضی کرو

وضع بدلی، گھر کو چھوڑا کاغذوں میں چھپ گئے — چند روزہ کھیل تھا آخر کو سب مر کھپ گئے

بہت ہی عمدہ ہے اے ہم نشیں برٹش راج — کہ ہر طرح کے ضوابط بھی ہیں اصول بھی ہے
جو چاہے کھول لے دروازۂ عدالت کو — کہ تیل پیچ میں ہے ڈھیلی اسکی چول بھی ہے
جگہ بھی ملتی ہے کونسل میں آنریبل کی — جو التماس ہو عمدہ تو وہ قبول بھی ہے
چمک دمک کی وہ چیزیں ہیں ہر طرف پھیلی — کہ آنکھ محو ہے خاطر اگر ملول بھی ہے
اندھیری رات میں جنگل میں ہے رواں انجن — کہ جس کو دیکھ کے حیران چشم غول بھی ہے
شگفتہ پارک ہیں ہر سمت رہروؤں کیلئے — نظر نواز ہے پتی حسین پھول بھی ہے
جب اتنی نعمتیں موجود ہیں یہاں اکبرؔ
تو حرج کیا ہے جو ساتھ اس کے ڈیم فول بھی ہے

کونسلوں میں سوال کرنے لگے — قومی طاقت نے جب جواب دیا

اے دوست مجھے تو ہے خدا ہی پہ بھروسا — دشمن کو مبارک ہو مری گھات میں رہنا

اکبرؔ نہ تھما بت خانے میں زحمت بھی ہوئی اور زر بھی گیا
کچھ نام خدا سے انس بھی تھا کچھ ظلم بتاں سے ڈر بھی گیا

پروانے کا حال اس محفل میں ہے قابل رشک اے اہل نظر
اک شب ہی میں یہ پیدا بھی ہوا عاشق بھی ہوا اور مر بھی گیا

کعبے سے جو بت نکلے بھی تو کیا کعبہ ہی گیا جب دل سے نکل
افسوس کہ بت بھی ہم سے چھٹے قبضے سے خدا کا گھر بھی گیا

جو گونج رہا تھا خوشیوں سے اس قصر پہ کل رویا میں بہت
کوئی متنفس تھا نہ وہاں باہر بھی پھرا اندر بھی گیا

کیا گزری جو اک پردے کے عدو رو رو کے پولیس سے کہتے تھے
عزت بھی گئی دولت بھی گئی بی بی بھی گئی زیور بھی گیا

اکبرؔ کے جو مر جانے کی خبر ساقی نے سنی تو خوب کہا
مرنا تو ضروری تھا ہی اسے رندوں کے لئے کچھ کر بھی گیا

تنگ دنیا سے دل اس دور فلک میں آگیا
جس جگہ میں نے بنایا گھر سڑک میں آگیا
آسماں کو تو غلط ثابت کیا سائنس نے
عرش باقی تھا سو وہ بھی مدِ شک میں آگیا

ایک ساعت کی یہاں کہہ نہیں سکتا کوئی
یہ بھلا کون بتائے تمہیں کل کیا ہو گا
ایک دن اور قیامت کھسک آئیگی ادھر
اور کیا عرض کروں آپ سے کل کیا ہو گا

شیخ صاحب جمعبندی میں نہ کیوں الجھے رہیں
ہند کا اسلام ہی کھیوٹ میں داخل ہو گیا

امید چشم مروت کہاں رہی باقی
ذریعہ باتوں کا جب صرف ٹیلیفون ہوا

نگاہ گرم کرسمس میں بھی رہی ہم پر
ہمارے حق میں دسمبر بھی ماہِ جون ہوا

بزمِ ساقی کی کہاں وہ مستیاں
چھپ کے اکبر نے اگر پی بھی تو کیا

مغربی ذوق ہے اور وضع کی پابندی بھی
اونٹ پر چڑھ کے تھیٹر کو چلے ہیں حضرت

ہم اردو کو عربی کیوں نہ کریں اردو کو وہ بھاشا کیوں نہ کریں
بحثوں کے لئے اخباروں میں مضمون تراشا کیوں نہ کریں
آپس میں عداوت کچھ بھی نہیں لیکن اک اکھاڑا قائم ہے
جب اس سے فلک کا دل بہلے ہم لوگ تماشا کیوں نہ کریں

بوزنے کو رقص پر کس بات کی میں داد دوں
ہاں یہ جائز ہے مداری کو مبارکباد دوں

چرخ نے پیشِ کمیشن کہہ دیا اظہار میں
قوم کالج میں اور اس کی زندگی اخبار میں

جہاں درشن تمہارے ہوں وہیں دھونی رماؤں گا
الٰہ آباد کا قیدی نہ پابندِ بنارس ہوں

بنگلوں ہی کی چھتوں پہ کریں شاعر اب نگاہ
دورِ جدید میں کوئی شے آسماں نہیں

پڑ جائیں ابھی آبلے اکبر کے بدن میں
پڑھ کر جو کوئی پھونک دے اپریل مئی جون

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں — آدمی آدمی بناتے ہیں
جستجو ہم کو آدمی کی ہے — وہ کتابیں عبث منگاتے ہیں

بڑھتا جاتا ہے ضعف اپنا زور آہستہ آہستہ
لئے جاتی ہے پیری سوئے گور آہستہ آہستہ
تمہاری احتیاطیں مطمئن کرتی نہیں مجھ کو
سمجھتا ہوں قدم رکھتا ہے چور آہستہ آہستہ

یہ تو سچ ہے جی لگا کر چاہیئے پڑھنا نماز — یہ بھی سن لو جی لگا کر سانس لینا چاہیئے

کمیٹی میں چندہ دیا کیجئے — ترقی کی ہجّے کیا کیجئے

دریا میں تو صاحب اگن بوٹ میں ہارے — میدان الکشن میں گئے ووٹ میں ہارے

تہذیب دم بخود ہے طمع کی گھسیٹ سے — حضرت بھی کام لینے لگے مار پیٹ سے
عزت کی تو شناخت نہیں ہے مگر مجھے — لذت ضرور ملتی ہے کونسل کی سیٹ سے

اتنا جئے کہ جاننے والے گزر گئے — پرساں رہا نہ کوئی تو چپ چاپ مر گئے

ڈیڑھ سو محراب مسجد میں ذرا دشوار ہیں — سائے ہوٹل میں بسیئے یا فقط دس بیچیئے
حضرت اکبر سے کہہ دو قافلہ تیار ہے — اک رزلیوشن کا ٹٹو آپ بھی کس لیجئے

سیٹھ جی کو فکر تھی ایک ایک کے دس کیجئے
موت آ پہونچی کہ حضرت جان واپس کیجئے
تم شامِ اودھ میں ہیں تو اب معروف ہوں
آپ ہی نظارہ صبحِ بنارس کیجئے

شکر ہے سنی و شیعہ کا ارادہ نیک ہے
طرزِ طاعت دو سہی ترکیب کالج ایک ہے
گھر میں گو یہ فرق ظاہر ہو کہ حلوہ یا پلاؤ
خوانِ مغرب پر مگر دونوں کے آگے کیک ہے

صدیوں فلاسفی کی چناں اور چنیں رہی
لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

اسلام کے دعوے سے میں باز آتا ہوں تنہا
یہ کون بتائے تمہیں اللہ کہاں ہے
سروس میں ہیں داخل نہیں ہوں قوم کا خادم
چندوں کی فقط آس ہے تنخواہ کہاں ہے

بھنڈارے سے دیدوں گا یہ خوش سیدھا جو گرو جی مانگیں گے
ہاں کام ذرا ٹیڑھا ہوگا بسکٹ کو جو شیو جی مانگیں گے

کر لی ہے خوب میں نے نئی روشنی کی جانچ
مجھ سے بہت نہ کیجئے اب آپ تین پانچ
ان لیڈروں کی شعلہ زبانی سے کیا ہوا
ہانڈی تو سرد رہ گئی مذہب پر آئی آنچ

مرے عمل سے نہ شیخ خوش ہیں نہ بھائی خوش ہیں نہ باپ خوش ہیں
مگر میں سمجھا ہوں اس کو اچھا دلیل یہ ہے کہ آپ خوش ہیں
جو دیکھا سائنس کا یہ چکر دھرم پکارا کہ اے برادر
ہمارے دورے میں پُن مگن تھے تمہارے دورے میں پاپ خوش ہیں

مجھ کو حیرت ہے کہ ہیں یہ کس گرو کی چیلیاں
حشر برپا کر رہی ہیں مغربی البیلیاں
اپنے ہاتھوں اپنے سانچے کا کریں گی بندوبست
یہ نہیں وہ گڑ کہ تم ان کی بناؤ بھیلیاں

آدم چھٹے بہشت سے گیہوں کیواسطے
مسجد سے ہم نکل گئے بسکٹ کی چاٹ میں
صاحب سلامت اب بھی مری شیخ جی سے ہے
لیکن چھپے چھپائے وہی راہ باٹ میں

خواہ صاحب کو تم سلام کرو
خواہ مندر میں رام رام کرو
بھائی جی کا فقط یہ مطلب ہے
جس میں روپیہ ملے وہ کام کرو

میری نسبت جو ہوا ارشاد وہ میں نے سنا
یہ تو کہئے اپنی نسبت آپ کی کیا رائے ہے

تعلیم کی خرابی سے ہو گئی بالآخر
شوہر پرست بی بی پبلک پسند لیڈی

کیوں نہ اپنے دل کو ہو ان سے ملاپ
لاٹ صاحب ہیں ہمارے مائی باپ
ان کے حق میں بھی دعا کرتے ہیں ہم
مندروں میں جب کبھی کرتے ہیں جاپ
ان کی بڑھتی سب مناتے ہیں یہاں
خواہ وہ ہوں خواہ ہم ہوں خواہ آپ
ہر طرف سامان ہیں آرام کے
کھل گئی ہے ہر طرف ہر شے کی شاپ
ہو گئے روشن حدودِ آسماں
علم چمکا ہو گئی تاروں کی ناپ
ساری دھرتی دب گئی سائنس سے
لگ گئے پا ٹپ گیا دنیا سے پاپ
حضرت واعظ ہیں راضی رقص پر
دیر کیا ہے اب پڑے طبلے پہ تھاپ

بھی گریجویٹ ہوں تو بھی گریجویٹ　　علمی مباحثے ہوں ذرا پاس آکے لیٹ

منشی کہ کلرک یا زمیندار　　لازم ہے کلکٹری کا دیدار

ہنگامہ یہ ووٹ کا فقط ہے　　مطلوب ہر اک سے دستخط ہے
ہر سمت مچی ہوئی ہے ہل چل　　ہر در پہ یہ شور ہے کہ چل چل
ٹم ٹم ہو کہ گاڑیاں کہ موٹر　　جس پر دیکھو لدے ہیں ووٹر
شاہی وہ ہے یا پیمبری ہے　　آخر کیا شے یہ ممبری ہے
نیٹو ہے نمود ہی کا محتاج
کونسل تو ہے انکی جن کا ہے راج

اس کا گھوڑا جس کی کاٹھی　　بھینس اسی کی جس کی لاٹھی
زور بڑھاوے تھانے تھانے　　دنیا دیکھے دنیا مانے
تجھ کو تو ہے خالی جپنا
اس سے اچھا ہر کو جپنا

مالوی کا مال کچھ اور مولوی کا مول کچھ　　کہتے ہیں بازار میں اکبر سے تو بھی بول کچھ
بولا وہ دنیا کا سودا تو فقط اک کھیل ہے　　جب عمدگی ہے مال میں اور مول میں تب میل ہے

صداقت کے نشان اس مصرعہ اکبر میں ملتے ہیں
کلیں سائنس سے چلتی ہیں دل مذہب سے ملتے ہیں

شیطاں نے ترکیب تنزل یہ نکالی
ان لوگوں کو تم شوق ترقی کا دلا دو

عزیز لڑتے ہیں آپس میں یہ ستم کیا ہے
خدا کی مار ہے ووٹر کی مارکم کیلئے

دل میں اب نور خدا کے دن گئے
ہڈیوں میں فاسفورس دیکھئے

مری کھیتی تو اک مدت ہوئی چڑیوں نے چگ لی ہے
میں کیوں پوچھوں جگہ ٹھاکر کی جمنا ہے کہ ہنگلی ہے

شاپ میں سب جمع ہیں مجھ سے نہ بی پی کیجئے
آپ اس بوتل کو میرے گھر پہ وی پی کیجئے

قدردانوں کی طبیعت کا عجب رنگ ہے آج
بلبلوں کو ہے یہ حسرت کہ وہ اُلّو نہ ہوئے

کھینچو نہ کمانوں کو نہ تلوار نکالو
جب توپ مقابل ہے تو اخبار نکالو

شیخ جی کے دونوں بیٹے باہنر پیدا ہوئے
ایک ہیں خفیہ پولیس میں ایک پھانسی پا گئے

خیال حالت قومی سے دل کو پست کرتا ہوں
مگر جب اپنا بنگلہ دیکھتا ہوں جست کرتا ہوں

ڑھی خدا کا نور ہے بے شک مگر جناب
فیشن کے انتظام صفائی کو کیا کروں

جو سچی بات ہے کہہ دوں گا بے خوف و خطر اس کو
نہیں رکنے کا میں ہرگز پری ٹوکے کہ جِن ٹوکے
انار آتے جو کابل سے تو بڑتے سب کے حصے میں
امیر آئے تو کیا آئے مزے ہیں لارڈ منٹو کے

بوئے وفا نہیں ہے مِسوں کے اصول میں
بس رنگ دیکھ لیجئے گملے کے پھول میں

مذہب کی کہو تو دل لگی میں اُڑ جائے
مطلب کی کہو تو پالیسی میں اُڑ جائے
باقی سرِ قوم میں ابھی ہے کچھ جوش
غالب ہے کہ یہ بھی اس صدی میں اُڑ جائے

اور ہی تھی سانت تیروں کی نشانہ اور تھا
یہ زمانہ اور ہے اور وہ زمانا اور تھا
تھی نہ یہ لیڈر کی رقاصی نہ یہ قانون غرب
سننے والے اور تھے اس وقت گانا اور تھا

ہوٹلوں کو کتنا مبارک ہو
ربل کو یہ جتھا مبارک ہو
گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا کل رات
قوم کو یہ "نہ تھا" مبارک ہو

تعلیم جو دی جاتی ہے ہمیں وہ کیا ہے فقط بازاری ہے
جو عقل سکھاتی جاتی ہے وہ کیا ہے فقط سرکاری ہے

جو لوگ طرف دار علی گڑھ کے رہیں گے
اس دور میں بے شک وہی بڑھ چڑھ کے رہینگے
مفلس رہیں گمنام رہیں خیر جو کچھ ہو
کالج کے یہ سب علم تو ہم پڑھ کے رہیں گے

منشی نثار حسین سے آموں کی فرمائش

نامہ کوئی نہ یار کا پیغام بھیجیے
اس فصل میں جو بھیجیے بس آم بھیجیے
ایسے ضرور ہوں کہ انھیں رکھ کے کھا سکوں
پختہ اگر ہوں بیس تو دس خام بھیجیے
معلوم ہی ہے آپ کو بندے کا ایڈریس
سیدھے الہ آباد مرے نام بھیجیے
ایسا نہ ہو کہ آپ یہ لکھیں جواب میں
تعمیل ہو گی پہلے مگر دام بھیجیے

سید عشرت حسین صاحب کا بنگلہ

فضل ہو اللہ کا ہوں جمع سالے سالیاں
وہ اچھالیں بال یہ چمکائیں اپنی بالیاں
لیمپ کی ہو جگمگاہٹ اور بجے گراموفون
عشرتی جھوما کریں بچے بجائیں تالیاں
گھر رہے آباد کمدھی اور سمدھن خوش رہیں
ڈومنی انعام پائے گائے پیاری گالیاں
گرد بنگلے کے رہے سرسبز ہر شاخ درخت
نہر کے پانی سے لہراتی رہیں سب نالیاں
ڈھیر ہو پھولوں کا گلدستے بنائے باغباں
پیڑ پھل دیتے رہیں مالی لگائیں ڈالیاں
سونے چاندی کی بہیں موجیں دلہن کے ہاتھ سے
لیں بلائیں اور دعائیں دیں انھیں گھر والیاں
غل مچائیں کھیلیں بچے رہے بنگلے میں دھوم
میہمانوں کے لئے پکوان کی ہوں تھالیاں
جھانک کر دیکھیں توجہ صاحب کا دل بھی ہو نہال
کمرے کی دیوار میں دو اک بنی ہوں جالیاں

جلوۂ دربار دہلی

سر میں شوق کا سودا دیکھا　　دہلی کو ہم نے بھی جا دیکھا
جو کچھ دیکھا اچھا دیکھا　　کیا بتلائیں کیا کیا دیکھا

نظم ہے مجھ کو بادۂ صافی　　شغل یہی ہے دل کو کافی
مانگتا ہوں یاروں سے معافی　　خیر اب دیکھئے لطفِ قوافی

جمنا جی کے پاٹ کو دیکھا　　اچھے سُتھرے گھاٹ کو دیکھا
سب سے اونچے لاٹ کو دیکھا　　حضرت ڈیوک کناٹ کو دیکھا

پلٹن اور رسالے دیکھے　　گورے دیکھے کالے دیکھے
سنگینیں اور بھالے دیکھے　　بینڈ بجانے والے دیکھے

خیموں کا اک جنگل دیکھا　　اس جنگل میں منگل دیکھا
برہما اور ورنگل دیکھا　　عزت خواہوں کا دنگل دیکھا

سڑکیں تھیں ہر کمپ سے جاری　　پانی تھا ہر پمپ سے جاری
نور کی موجیں لمپ سے جاری　　تیزی تھی ہر جمپ سے جاری

کچھ چہروں پہ سردی دیکھی
کچھ چہروں پہ زردی دیکھی
اچھی خاصی سردی دیکھی
دل نے جو حالت کردی دیکھی

ڈالی میں نارنگی دیکھی
محفل میں سارنگی دیکھی
بے سرنگی بارنگی دیکھی
دہر کی رنگا رنگی دیکھی

اچھے اچھوں کو بھٹکا دیکھا
بھیڑ میں کھانے جھٹکا دیکھا
منہ کو اگرچہ لٹکا دیکھا
دل دربار سے اٹکا دیکھا

ہاتھی دیکھے بھاری بھرکم
ان کا چلنا کم کم تھم تھم
زریں جھولیں نور کا عالم
میلوں تک وہ چم چم چم چم

سرخی سڑک پہ گٹتی دیکھی
سانس بھی بھیڑ میں گھٹتی دیکھی
آتش بازی چھٹتی دیکھی
لطف کی دولت لٹتی دیکھی

بھڑکی اک جو لکھی دیکھی
خوب ہی چکھی پکھی دیکھی
ہر سو نعمت رکھی دیکھی
شہد اور دودھ کی مکھی دیکھی

ایک کا حصہ من و سلوا
ایک کا حصہ تھوڑا حلوا
ایک کا حصہ بھیڑ اور بلوا
میرا حصہ دور کا جلوا

جشنِ عظیم اس سال ہوا ہے
شاہی فورٹ میں بال ہوا ہے
روشن ہر اک ہال ہوا ہے
قصہ ماضی حال ہوا ہے

م نشیں کہتا ہے کچھ پروا نہیں مذہب گیا　　میں یہ کہتا ہوں کہ بھائی یہ گیا تو سب گیا

اِک لعبتِ چیں کو لندن سے جو بیاہ کے لائے مفاعیلن
احباب نے تیر مطاعن سے ان کے دل کو مجروح کیا
باپ ان کے یہ بولے کشتی مری واللہ ڈبو دی ہائے غضب
اس لڑکے نے صحبت بد پاکر یہ کارِ ابنِ نوح کیا
تعلیم کو میں نے بھیجا تھا تجویز کی اس نے ٹھیرائی
ممدوح تو بننا بھول گیا بس اپنے تئیں منکوح کیا
لڑکے نے جواب میں عرض کیا اے قبلہ و کعبہ سنئے تو
یہ کون برائی میں نے کی جو فاتح کو مفتوح کیا

میں نے کہا بہت ہی زباں میں ہوں جانتا　　مدت تک امتحان دیئے امتحان پر
جرمن فرنچ لیٹن و انگلش پہ ہے عبور　　ثابت مرا کمال ہے سارے جہان پر
اک شوخ طبع نے جو دکھائی زباں مجھے　　بجلی تھی ابر میں کہ قمر آسمان پر
بولی رہوگے زیست کی لذت سے بے خبر
قدرت نہ پائی تم نے اگر اس زبان پر

ہستی کے شجر میں جو یہ چاہو کہ چمک جاؤ
کچے نہ رہو بلکہ کسی رنگ میں پک جاؤ
میں نے کہا قائل میں تصوف کا نہیں ہوں
کہنے لگے اس بزم میں آؤ تو تھرک جاؤ
میں نے کہا کچھ خوف کلکٹر کا نہیں ہے
کہنے لگے آجائیں ابھی وہ تو دبک جاؤ
میں نے کہا ورزش کی کوئی حد بھی ہے آخر
کہنے لگے اس کی سہی
میں نے کہا افکار سے پیچھا نہیں چھٹتا
کہنے لگے تم جانبِ میخانہ لپک جاؤ
میں نے کہا اکبر میں کوئی رنگ نہیں ہے
کہنے لگے شعر اس کے جو سن لو تو پھڑک جاؤ

دعوت نامہ بنام علامہ شبلی نعمانی

آتا نہیں مجھ کو قبلہ قبلی ۔۔۔ بس صاف یہ ہے کہ بھائی شبلی
تکلیف اٹھاؤ آج کی رات ۔۔۔ کھانا یہیں کھاؤ آج کی رات
حاضر جو کچھ ہو دال دلیا ۔۔۔ سمجھو اس کو پلاؤ قلیا

کچھ بھی نہیں چاہتے وہ چندے کے سوا ۔۔۔ اس باغ میں کیا دھرا ہے پھندے کے سوا
گلچیں ہے ہر اک نہیں ہے بلبل کوئی ۔۔۔ اس نکتے کو کون سمجھے بندے کے سوا

فر ہوا میں خدمت سید میں ایک رات — افسوس ہے کہ ہو نہ سکی کچھ زیادہ بات
لے کہ تجھ کو دین کی اصلاح فرض ہے — میں چل دیا یہ کہہ کے کہ آداب عرض ہے

بات غلط کہ ملک اسلام ہے ہند — یہ جھوٹ کہ ملک لچھمن و رام ہے ہند
م سب ہیں مطیع و خیر خواہ انگلش — یورپ کے لئے بس ایک گودام ہے ہند

پنڈت بیٹھا ہے اپنی پوتھی لے کر — بنیا بیٹھا ہے موٹی پوتھی لے کر
سودا اس کو ہے جو سدھارا لندن — وہ دولت و جنس گھر میں جو تھی لیکر

ہوئے اس قدر مہذب کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا
کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے اسپتال جا کر

میں رعیت ہوں وہ شاہانہ دلیری ہو کہاں — مجھ کو کیوں رشک آئے وضع ملت انگریز پر
کانٹے بچھ جاتے ہیں ان لوگوں کی راہ رزق میں — خوف آتا ہے چھری چلتی ہے ان کی میز پر

واں شوکت و زینت کے جو اسباب بہت ہیں — معنی کے یہاں گوہر نایاب بہت ہیں
صاحب کی سی محفل تو میسر نہیں لیکن — صد شکر کہ اکبر کے بھی احباب بہت ہیں

ہوا سے طوبیٰ ہے اب نہ سر پہ نہ موج کوثر ہے اب نظر میں
ہوس اگر ہے تو بس یہی ہے کہ ہم بھی چھپ جائیں پانیر میں

ترقی پاتے ہیں لڑکے ہمارے نورِ دیں کھو کر
یہ کیا اندھیر ہے بجھ لیتے ہیں یہ تب جگمگاتے ہیں

عنایت مجھ پہ فرماتے ہیں شیخ و برہمن دونوں
موافق اپنے پاتے ہیں میرا چلن دونوں
ترانے میرے ہم آہنگ دیر و کعبہ ہیں یکساں
زباں پر میری موزوں ہوتی ہے حمد اور بھجن دونوں
مجھے الفت ہے سنی سے بھی شیعہ سے بھی یاری ہے
اکھاڑے میں دکھا سکتے ہیں دلکش بانکپن دونوں
مجھے ہوٹل بھی خوش آتا ہے اور ٹھاکر دوارہ بھی
تبرک ہے مرے نزدیک پرشاد اور مٹن دونوں

ایک سیّد کیا کریں یا بیٹھ کر دس کیا کریں
حضرتِ حالی کے اشعار مسدس کیا کریں
پس تو یہ ہے مہربانی آپ کی درکار ہے
ہم غریب و ناتواں و زار و بیکس کیا کریں

گولیوں کے زور سے کرتے ہیں وہ دنیا کو ہضم
اس سے بہتر اس غذا کے واسطے چورن نہیں

پانیر کے صفحہ اول میں جس کا ذکر ہو
میں ولی سمجھوں جو اس کو عاقبت کی فکر ہو

زندگی اور قیامت میں ریلیشن سمجھو
اس کو کالج اور اسے کانووکیشن سمجھو

لے لے کے قلم کے لوگ بھالے نکلے
ہر سمت سے بیسیوں رسالے نکلے
افسوس کہ مفلس نے چھاپا مارا
آخر احباب کے دوالے نکلے

ا ہے قحط بشر مر رہے ہیں فاقوں سے
خوشی ہو گیا مجھے شبراتی کے پڑاقوں سے
ی ہوئی ہے طبیعت بہ روشنی ہے فضول
اتار لیجئے صاحب چراغ طاقوں سے

یالیس سال سے ہے نئی روشنی کا دور
کیوں کر اسے کہوں کہ سراسر فضول ہے
البتہ ایک عرض کروں گا دبی زباں
گو خوشنما بہت ہے مگر بے اصول ہے

ترکیب تو دیکھو یہ زمانے کے چلن کی
افسوس کہ اس سے کوئی واقف بھی نہیں ہائے
گرجا میں تو کرنیل و کمشنر بھی ہیں موجود
مسجد میں کوئی ڈپٹی و منصف بھی نہیں ہے

خوب فرمایا یہ شاہ جرمنی نے پوپ سے
وعظ ہم بھی کہتے ہیں لیکن وہاں تو پ سے
جدّ امجد خود میں کرتے تھے یہ موسم بسر
ہم کو اپنے عہد میں پالا پڑا کنٹوپ سے

رہ گئے نا آشنا احباب غائب ہو گئے
ہم نفس دو اک جو باقی تھے وہ تنہا ہو گئے
وقت بد میں کون رکھتا ہے رفاقت کا خیال
ہم نشیں اپنے رقیبوں کے مصاحب ہو گئے

خواہانِ نوکری نہ رہیں طالبانِ علم
قائم ہوئی ہے رائے یہ اہل شعور کی
کالج میں دھوم مچ رہی ہے پاس پاس کی
عہدوں سے آ رہی ہے صدا دور دور کی

پاؤں کو بہت جھٹکا ٹپکا زنجیر کے آگے کچھ نہ چلی
تدبیر بہت کی اے اکبر تقدیر کے آگے کچھ نہ چلی
یورپ نے دکھا کر رنگ اپنا سیّد کو مرید بنا ہی لیا
سب پیروں سے تو وہ بچ نکلے اس پیر کے آگے کچھ نہ چلی

تماشا دیکھئے بجلی کا مغرب اور مشرق میں
کلوں میں ہے وہاں داخل یہاں مذہب پہ گرتی ہے

دیکھئے قوّال بے چارے کا اب کیا حشر ہو ۔۔۔ شیخ صاحب کو تو پھر بھی وجد آنے لگا
کیوں کرے گا پیش ہم پر جلوۂ حورِ بہشت ۔۔۔ جب کہ تھیٹر کا سماں واعظ کو تڑپانے لگا

پردے کا کیا ہے خود اڑنگا پیدا ۔۔۔ خود ہم نے کیا اِزار اور انگا پیدا
کیا خوب کہا ہے مولوی جہدی نے ۔۔۔ نیچر نے کیا ہے ہم کو ننگا پیدا

بکری کو ساگ پات کا سودا نہیں رہا ۔۔۔ بنگالیوں کو بھات کا سودا نہیں رہا
چوروں کو اپنی گھات کا سودا نہیں رہا ۔۔۔ اور شاطروں کو مات کا سودا نہیں رہا

گاہک کو مول بھاؤ کی پروا نہیں رہی ۔۔۔ مانجھی کو اپنی ناؤ کی پروا نہیں رہی
دل کو کہیں لگاؤ کی پروا نہیں رہی ۔۔۔ چوہیوں کو نان پاؤ کی پروا نہیں رہی

لیتا ہے کون گرجی دل سے خدا کا نام ۔۔۔ اب کون دھیان باندھ کے کرتا ہے رام رام
مذہب کو دور ہی سے کیا جاتا ہے سلام ۔۔۔ کوٹھی کو ہے فروغ نہ رونق پہ ہے گدام

اسکول ہی میں علم ہے جس سے کہ ہے شرف ۔۔۔ لڑکا نہ سیکھے علم تو کہتے ہیں ناخلف
لیکن کچھ اور دھندے بھی ہیں پیش ہدف ۔۔۔ یہ کیا کہ ساری قوم ہی جھک جائے اک طرف

نڈت پراجما کے بنارس پہ آرہے — مرکٹ کے شیخ شہر بھی نویس پہ آرہے
لی غزل کو چھوڑ مسدس پہ آرہے — ہم فرد تھے سو ہم بھی مخمس پہ آرہے

مانہ کہہ رہا ہے سب سے پھر جا — نہ مندر جا نہ مسجد جا نہ گرجا

ایسا شوق نہ کرنا اکبر — گورے کو نہ بنانا سالا
بھائی رنگ یہی ہے اچھا — ہم بھی کالے یار بھی کالا

پانی پینا پڑا ہے پائپ کا — حرف پڑھنا پڑا ہے ٹائپ کا

پنڈت ہو کر مولوی ہو دونوں بیکار — انسان کو گریجویٹ ہونا اچھا

دکھائی فلسفہ مغربی نے وہ مرزی — کہ پردہ کھل گیا اس قوم میں زنانوں کا
پری کی زلف میں الجھا نہ ریش واعظ میں — دل غریب ہوا لقمہ امتحانوں کا
وہ حافظہ جو مناسب تھا ایشیا کے لئے
خزانہ بن گیا یورپ کی داستانوں کا

پکا لیں پیس کر دو روٹیاں تھوڑے سے جو لانا — ہماری کیا ہے اے بھائی نہ مسٹر ہیں نہ مولانا

ہر رنگ کی باتوں کا مرے دل میں ہے جھرمٹ — اجمیر میں کلچا ہوں علی گڑھ میں ہوں بسکٹ
پابند کسی مشرب و ملت کا نہیں ہوں — گھوڑا مری آزادی کا اب جاتا ہے بگٹٹ

جو دونوں ساتھ پڑیں تو یہی مناسب ہے — کہ اپنے گھر میں کرسمس بھی کر تو عید بھی کر
خدا کرے کوئی بت یہ کہے کبھی مجھ سے — بٹھا بھی لے مجھے گھر میں مجھے مرید بھی کر
جو سن چکے مری غزلیں تو بولے لا چندہ
جو ہنہنایا ہے اتنا تو آج لید بھی کر

آپ کی فرقت میں میں کل رات بھر سویا نہیں — لیکن اتنی بات تھی گاتا رہا رویا نہیں
نوش جاں فرمائیں حضرت شوق سے یہ ناشتہ — چھ بجے ہیں میں نے تو منہ بھی ابھی دھویا نہیں

خلاف شرع کبھی شیخ تھوکتا بھی نہیں — مگر اندھیرے اجالے یہ چوکتا بھی نہیں

سنتا نہیں لیکچر میں پڑا رہتا ہوں دن رات — لگتا ہے فقط لیڈر ہوں ہیں وقتِ ڈنر جی

وضع مغرب سیکھ کر دیکھا تو یہ کافور تھی — اب میں سمجھا واقعی ڈاڑھی خدا کا نور تھی

سائنس سے زیادہ ہے مذہب کی جڑ بڑی — توپوں کی مار سے بھی خدا کی پکڑ بڑی

کچہریوں میں ہے پرسش گریجویٹوں کی — سڑک پہ مانگ ہے قلیوں کی اور بیٹوں کی
نہیں ہے قدر تو بس علم دین و تقوی کی — خرابی ہے تو فقط شیخ جی کے بیٹوں کی

ان کے دستِ نازنیں سے پائی ٹی — اب کہاں باقی ہے ہم میں پائیٹی

ں فغاں پہ مس ناشناس بول اٹھی
کہ بابوؤں میں تو عادت ہے غل مچانے کی

میں شوق سے ناقوس برہمن اکبر
یہاں تو شیخ کو دھن ہے بگل بجانے کی

ی گردہ سے کچھ نہ مجھے آپ دیجئے
اخبار میں تو نام مرا چھاپ دیجئے

یکھو جسے وہ پائنیر آفس میں ہے ڈٹا
بہرِ خدا مجھے بھی کہیں چھاپ دیجئے

شمِ جہاں سے حالتِ اصلی چھپی نہیں
اخبار میں جو چاہیئے وہ چھاپ دیجئے

عویٰ بہت بڑا ہے ریاضی میں آپ کو
طول شب فراق کو تو ناپ دیجئے

سنتے نہیں ہیں شیخ نئی روشنی کی بات
انجن کی ان کے کان میں اب بھاپ دیجئے

اس بت کے در پہ غیر سے اکبر نے کہہ دیا
زر ہی میں دینے لایا ہوں جان آپ دیجئے

نہ کچھ انتظارِ گزٹ کیجئے
جو افسر کہے بس وہ جھٹ کیجئے

بہت بھاتی ہے اسکی پھرتی مجھے
دعا ہے کہ لڑکی یہ نٹ کیجئے

کہاں کا حلال اور کیسا حرام
جو صاحب کھلائیں وہ چٹ کیجئے

سکھاتے ہیں تقلیدِ انگلش جو آپ
کہیں مفلسوں کو نہ پٹ کیجئے

بگڑ جائے گا میم سے سارا کھیل
بس ان لعنتوں پر نہ ہٹ کیجئے

بہت شوق انگریز بننے کا ہے
تو چہرے پہ اپنے گلٹ کیجئے

اجل آئی اکبر گیا وقتِ بحث
اب اِف کیجئے اور نہ بَٹ کیجئے

مؤکل چھٹے انکے پنجے سے جب
تو بس قوم مرحوم کے ممبر ہوئے

پپیہے پکارا کئے پی کہاں
مگر وہ بلیڈر سے لیڈر ہوئے

شیخ جی گھر سے نہ نکلے اور مجھ سے کہہ دیا
آپ بی۔ اے پاس ہیں اور بندہ بی بی پاس ہے

ممکن نہیں اے مِس ترا نوٹس نہ لیا جائے
گال ایسے پری زاد ہوں اور کس نہ لیا جائے

ذوقِ معنی نہیں تجھے اکبر
سن لے یہ بات گر تجھے شک ہے
شیخ سے چھوٹے ابھے انجن میں
اسمیں بک بک تھی اسمیں بھک بھک ہے

ہم سے شبِ وصال وہ بے میل ہو گئے
افسوس انٹرینس میں ہم فیل ہو گئے
درگاہ کے چراغ کو چھوڑا برائے لیمپ
سب کی نظر میں گھی تھے مگر تیل ہو گئے

بوڑھوں نے پہلے لڑکوں کو خود ہی بنایا کھیل
ان کی نظر میں آپ ہی اب کھیل ہو گئے
اے شیخ جب نکیل نہیں دستِ قوم میں
پھر کیا خوشی جو اونٹ ترے ریل ہو گئے

ان کو کیا کام ہے مروّت سے
اپنے رخ سے یہ منہ نہ موڑیں گے
جان شاید فرشتے چھوڑ بھی دیں
ڈاکٹر فیس کو نہ چھوڑیں گے

اس اکھاڑے میں لڑینگے دیکھ کر قانون کے
شیخ نے تہمد سے ہجرت کی طرف پتلون کے

راہ تو مجھ کو بتا دی خضر نے
اونٹ کا لیکن کرایہ کون دے

عاشقی کا ہو بُرا اس نے بگاڑے سارے کام
ہم تو اے۔ بی میں رہے اغیار بی۔ اے ہو گئے

پردہ کا مخالف جو سنا بول اٹھیں بیگم
اللہ کی مار اس پہ علی گڑھ کے حوالے

قصہ منصور سن کر بول اٹھی وہ شوخ مس
کیسا احمق لوگ تھا یا گل کو پھانسی کیوں دیا

ریاض خیرآبادی

سید ریاض احمد نام - ریاض تخلص تھا۔ ۱۸۵۵ء میں بمقام خیرآباد پیدا ہوئے۔
جوانی کا زمانہ گورکھپور میں گزارا۔ یہ شعر گورکھپور کی صحبت کا مظہر ہے ؎

وہ گلیاں یاد آتی ہیں جوانی جن میں کھوتی ہے
بڑی حسرت سے لب پر ذکر گورکھپور آتا ہے

امیر مینائی کے شاگرد تھے۔ ریاض الاخبار، گلکدۂ ریاض، فتنہ اور عطر فتنہ رسالے
اور اخبار جاری کئے۔ انگریزی ناول کا ترجمہ بھی کیا۔ ناول "ناشاد" ان کی یادگار ہے۔
۳۰ جولائی ۱۹۳۲ء کو انتقال فرمایا۔ ان کا دیوان "ریاض رضوانؒ" کے نام سے
شائع ہو چکا ہے۔ جس کی ضخامت سات سو صفحہ کے قریب ہے۔
ریاض بڑی شوخ طبیعت کے مالک تھے۔ شراب کے مضامین سے متعلق انھوں
نے سینکڑوں شعر کہے ہیں جن کا جواب کہیں اور نہیں ملتا۔ وہ روزہ اور نماز کے پابند تھے۔
شراب عمر بھر چکھی نہیں لیکن شراب پینے والوں سے زیادہ رنگین مزاجی ان کے اشعار سے
ظاہر ہوتی ہے۔

توبہ کے پاس نے روکا لب کوثر مجھ کو
آج پینے کو طبیعت مری چاہی کیسی

بڑے نیک طینت بڑے صاف باطن
ریاضؔ آپکو کچھ ہمیں جانتے ہیں

کچھ عجب طرح کے ہیں رند ریاضؔ
آپ پیتے نہیں پلاتے ہیں

دست شفقت اس طرح اک رند نے پھیرا ریاضؔ
بیٹھ کر یاد خدا میں جھومتا جاتا رہا

یاں وہ لے دے ہوئی آکر کہ الٰہی توبہ
ہم سمجھتے تھے کہ محشر میں تماشا ہوگا

یہ دن ہے حشر کا ہو کر رہے گا وہ جو ہونا ہے
ارے جھوٹے کچھ اب قول و قسم سے ہو نہیں سکتا

چھپ کے باتوں کو کہیں آپ نہ آئے نہ گئے
بے سبب نام ہوا آپ کا روشن کیسا

مے چھین کر کسی سے جو پیتے تو تھی خطا
جب دام دے کے پی تو گنہ کیا کسی کا تھا
یہ اپنی وضع اور یہ دشنامِ مے فروش
سن کر جو پی گئے یہ مزا مفلسی کا تھا

چُگن چُگن کے آج شیخ نے انگور کھا لئے
اب کیا رہا ہے تاک کا حاصل نکل گیا

نیچی داڑھی نے آبرو رکھ لی قرض پی آئے اک دکان سے آج

جناب شیخ نے جب پی تو منہ بنا کے کہا مزا بھی تلخ ہے کچھ بو بھی خوشگوار نہیں
حنا لگا کے پہنچتے ہیں گلرخوں میں ریاض کچھ ان کی ریش مبارک کا اعتبار نہیں

یہ الجھے ہیں رندوں سے کیوں شیخ صاحب بڑھاپے میں کیوں داڑھی رنگوائے ہیں

شب کو میخانے میں کیوں پہنچے تھے اے حضرت شیخ کہیے اچھی تو کٹی قبلہ حاجات کی رات

اک ٹیپ ماری زور سے زاہد کے اے ریاض اب ہاتھ مل رہے ہیں کہ اچھی پڑی نہیں
بوتل کا کاگ زور میں توبہ کو لے اڑا ہم من چلوں کے ہاتھ کی گولی رکی نہیں

شیخ صاحب کیا چھپا کر لے چلے رومال میں کچھ نہ کچھ حصہ رہے یاروں کا بھی اس مال میں

مے ریاض آپ بھی پیتے ہیں ایں ریش سفید ہائے یہ نور کی شکل اور سیہ کاروں میں

اٹھواؤ میز سے مے و ساغر ریاض جلد آتے ہیں اک بزرگ پرانے خیال کے

ریاض آئے تو لوگوں نے میکدہ میں کہا کہاں یہ آج بزرگ فرشتہ خو آئے

اہلِ حرم میں جا کے بنا آج شیخِ وقت کافر ریاض پیر کلیسا کہیں جسے

آئے میخانے میں جب مسجد جامع سے ریاض — ساتھ ہی آپ کے قبلے سے گھٹا بھی آئی

سرِ بزم واعظ سے دبنا پڑا — وہ خُم سے سوا تھا تن و توش میں

واعظ انگور میں ہے دخترِ رز روبہ نقاب — آنکھیں پھوٹیں جو ادھر تاک لگائے کوئی

ہمارا عیب کھلتا ہے نہ کھلتی ہے چھپی بوتل — ہمارے کام کیا کیا جامۂ احرام آتا ہے

وہ آ رہا ہے عصا ٹیکتا ہوا واعظ — بہا دے اتنی کہ ساقی کہیں نہ تھاہ ملے

منہ زیرِ تاک کھولا واعظ بہت ہی چوکا — بیلوں نے داڑھی پکڑی خوشوں نے منہ میں تھوکا

کاتبِ اعمال نکلے کام کے — مل گئے دو دو شریکِ الزام کے

اتر گئی سرِ بازار شیخ کی پگڑی — گرہ میں دام نہ ہوں گے اُدھار پی ہوگی

شیخ جی گر گئے تھے حوض میں میخانے کے — ڈوب کر چشمۂ کوثر کے کنارے نکلے
بانس پر میکدہ میں تجھ کو چڑھایا اے شیخ — پھر بھی اونچے تری مسجد کے منارے نکلے

یہ کیا مذاق فرشتوں کو آج سوجھا ہے — ہجوم حشر میں لے آئے ہیں بلا کے مجھے

بھیڑ کر مجمعِ زہاد کو ڈرتا ہوں ریاض
کہنہ مسجد کے عوض ہو نہ مرمت میری

شیخ نے مانگی ہے اپنی عمر کی
میکدے سے اب پرانی جائے گی

اتری ہے آسمان سے جو کل اٹھا تو لا
طاق حرم سے شیخ وہ بوتل اٹھا تو لا
ناصح کا منہ ہو بند چکھا دو شرابِ خلد
ساقی ذرا ریاض کی بوتل اٹھا تو لا

سن کے یہ قبلے سے ابر اٹھے تو پینا ہو شراب
لٹ رہا تھا میکدے میں ہم نے کبھی لوٹا ثواب

آگے کچھ بڑھ کر ملے گی مسجدِ جامع ریاض
اک ذرا مڑ جایئے گا میکدے کے در سے آپ

پی پی کے اس نے سجدے کئے ہیں تمام رات
اللہ رے شغل زاہدِ شب زندہ دار کا

یہ مئے تلخ ترے منہ سے لگی ہے کہ نہیں
سچ بتا دے ارے زاہد کبھی پی ہے کہ نہیں

کیا اُدھر ہو کے بہا ہے کوئی دریائے شراب
جھومتی قبلے سے کیا مست گھٹائیں آئیں

اٹھے کبھی گھبرا کے تو میخانے میں ہو آئے
پی آئے تو پھر بیٹھ رہے یادِ خدا میں

آئیں گے جب فرشتے تو منہ کھلے گا اس کا
بوتل کوئی چھپا کر رکھ دے مرے کفن میں

شیخ یہ کہتا گیا پیتا گیا — ہے نہایت بدمزہ اچھی نہیں

بڑے موقع سے تھی ہر چند وہ جنت سے باہر تھی — حرم سے ہٹ کے رستے میں ملی مئے کی دکان مجھ کو

جھومتی قبلے سے آئی تھی ستم ڈھانے کو — لو گھٹا جھک کے اڑا لے گئی میخانے کو

در توبہ نہیں جو بند بھی ہو — کھلا ہر وقت میخانے کا در ہے

کیسا پینا کہاں کی توبہ — اب میں ہوں خدا ہے بیخودی ہے

شرماؤ ریاض مے کشی سے — لمبی داڑھی ہے ہاتھ بھر کی

شیخ جی میکدہ وہ جنت ہے — تم بھی جا کر جوان ہو جاتے

شور واعظ کم نہیں ہوتا ہے تو للکار دے — اک ذرا او قلقل مینا بلند آواز سے
یہ میکدہ یہ بھیڑ یہ انبوہ یہ ہجوم — ہم تو نکل کے کھوئے گئے خانقاہ سے

شریک مے میں کیا ہوگا آب زمزم بھی — ریاض نے پس توبہ کبھی جو پی ہو گی

ہجوم دیکھ کے سمجھے یہ روز محشر ہم — کھلی دکان کسی مے فروش کی ہوگی

خدمت میخانہ کرے ورنہ شیخ رائیگاں یہ زندگانی جائے گی
پینے آئیں تو فرشتہ خو ریاضؔ حور کے دامن میں چھانی جائے گی

شراب خانے میں ہے رنگ میکشوں کا وہی نہ خانقاہ نہ وہ اہل خانقاہ رہے

توبہ کرکے آج بھر پی لی ریاضؔ کیا کیا کمبخت تو نے کیا کیا

کیا کیا خوشامدیں ہیں کہ پی لوں بہاریں بادل کے ٹکڑے سر پہ مرے چھائے جاتے ہیں

کہتی ہے اے ریاضؔ درازی یہ ریش کی ٹٹی کی آڑ میں ہے مزا کچھ شکار کا

خُم سے نہ ہوں وہ سیر میں چلّو میں سیر ہوں یہ ظرف شیخ کا ہے یہ مجھ خاکسار کا

وہ بھی بخشے گئے ہم بادہ کشوں کے ہمراہ آج جنت میں ہمیں ناصحِ مغفور ملے

اے شیخ تو چُرا کے پیئے جب کبھی پیئے تیری طرح کسی کی نہ نیّت خراب ہو

بوتل حبب اس کے جھولے میں کھولے بھری ملی واعظ بھی آدمی ہے بڑے اعتبار کا

ہے ریاض اک جوانِ مست خرام مے پیئے اور جھومتا جائے

کعبے میں نظر آئے جو صبح اذان دیتے
میخانے میں راتوں کو ان کا بھی گزر دیکھا

اچھی پی لی خراب پی لی
جیسی پائی شراب پی لی
پی لی ہم نے شراب پی لی
تھی آپ مثال آب پی لی
عادت سی ہے نشہ ہے نہ اب کیف
پانی نہ پیا شراب پی لی

کاٹے کٹتی نہیں مجھ مست سے برسات کی رات
میکدے والی ملے آج تو کچھ کام چلے

جو نشہ جام میں ہے پھول وہ چمن میں کہاں
اب اس کے سامنے پھولوں میں رنگ و بو کیا ہے

کس غضب کی ہوا میں مستی ہے
کہیں برسی ہے آسمان سے آج

ہائے بنرے میں وہ سیاہ بوتل
کبھی ایسی گھٹا اٹھی ہی نہیں

ہم بھی پئیں تمھیں بھی پلائیں تمام رات
جاگیں تمام رات جگائیں تمام رات

جہاں ہم خشتِ خُم رکھ دیں بنائے کعبہ پڑتی ہے
جہاں ساغر پٹک دیں چشمۂ زمزم نکلتا ہے

پاک و صاف ایسی ہے جس نے پی فرشتہ ہو گیا
زاہدا یہ خوِ کے دامن میں ہے چھانی ہوئی

ڈراتا ہے ہمیں محشر سے تو واعظ ارے جا بھی
یہ ہنگامے تو ہم نے روز کوئے یار میں دیکھے

میخانے میں کیوں یاد خدا ہوتی ہے اکثر
کعبے میں تو ذکر مے و مینا نہیں ہوتا

کمر سیدھی کرنے ذرا میکدے میں
عصا ٹیکتے کیا ریاض آ رہے ہیں

تا میکدہ ریاض کا جانا محال تھا
کس طرح یہ بزرگ خمیدہ کمر گئے

سنجیدگی سے محفل ساقی میں بات کی
ناصح سا بے وقوف بھی عاقل نکل گیا

توبہ سے ہماری بوتل اچھی
جب ٹوٹی ہے جام ہو گئی ہے

مر گئے پر بھی تعلق یہ ہے میخانے سے
میرے حصے کی چھلک جاتی ہے پیمانے سے

اتنی کثرت سے ارے ساقی اور اتنی تند و تیز
اچھے اچھے پینے والے آج توبہ کر اٹھے

اتنی تو ہو بیان میں واعظ شگفتگی
ہم رند سن کے قلقل مینا کہیں جسے

بری کیا کٹی فاقہ مستی بڑے لطف سے گزرتی
لئے کچھ جو ہے کی تلخی غم روزگار ہوتا

یہ سر بھر بوتلیں جو ہیں شراب کی
راتیں ہیں ان میں بند ہمارے شباب کی

کام میخانے کا ہو جائے گا بند چشم ساقی کی حیا اچھی نہیں

دم صبح کہتا ہوا یہی لئے جام پیرِ مغاں اٹھا
اٹھو میکدے کے بچار یو کہ حرم سے شورِ اذاں اٹھا
کوئی مستِ میکدہ آگیا مئے بیخودی وہ پلا گیا
نہ صدائے نغمہ دیر اٹھی نہ حرم سے شور اذاں اٹھا
کئے ساتھ شیخ حرم کے ہم نہ کوئی ملا نہ لئے قدم
نہ تو خُم بڑھا نہ سبو جھکا جو اٹھا تو پیر مغاں اٹھا
تجھے مے فروش خبر بھی ہے کہ مقام کون ہے کیا ہے شے
یہ رہِ حرم میں دُکان ہے تو یہاں سے اپنی دُکاں اٹھا

لوگ کہتے ہیں کہ ہے زاہدِ مرتاض ریاض رند کہتے ہیں اسے چور ہے میخانے کا

آئی آواز اذانِ صبح اٹھو بھی ریاض میکدے میں بھی تو شور قلقل مینا ہوا

نماز عید ہوئی میکدے میں دھوم ہے آج ریاض بادہ کشوں نے ہمیں امام کیا

بادل امڈے ہوئے تھے رات سے میخانے پر پھر خُم ٹوٹتے ہی ٹوٹ کے برسے کیا کیا

راہی خلد ہوئے میکدے میں آج ریاض ہم کدھر سجدہ کریں کعبہ ایمان نہ رہا

ہماری نظر حشر میں شیخ پر تھی — وہ سر پر لئے حوض کوثر نہ نکلے

ن کے مہمان ایک رند روزہ دار آنے کو ہے — شام ہونے کو ہے میرے گھر ادھار آنے کو ہے

یکدے میں عید مجھ مفلس کی ہو جائے ریاض — دے کے اک چلّو کوئی لے تیس روزوں کا ثواب

اس شیخ کہن سال کی اللہ رے بزرگی — جنت میں بھی یہ جا کے جواں ہو نہیں سکتا

اے پیرِ مغاں دخترِ رز عمر رسیدہ — بوڑھا ہوں ملے نورِ نظر چرخ کہن کی

کس شوق سے شریکِ جماعت ہوئے تھے ہم — دیکھا سلام پھیر کے تو شیخ جی نہیں
سر ہے ترا بجائے سبو جھوٹ کیوں کہوں — واعظ حرام چیز کبھی میں نے پی نہیں

سایۂ تاک میں واعظ کو جگہ دی ہم نے — آج نشے میں اسے ہم نے اتارا ہی نہیں
قرض لایا ہے کوئی بھیس بدل کر شاید — مے فروشوں کا ہے واعظ سے تقاضا کیسا

کم بخت نے شراب کا ذکر اس قدر کیا — واعظ کے منہ سے آنے لگی بو شراب کی

اچھوتے جام ہیں جنّت کے کچھ الگ رکھے — کسے پلائیں کوئی پارسا نہیں ملتا

محفلِ وعظ میں بیٹھا سرِ منبر واعظ — لا کے خُم کوئی بٹھا دے نہ سرِ خُم مجھ کو

شیخ صاحب سوئے میخانہ ریاضؔ آتے ہیں آج
فرشِ راہ میکدہ دستار رہنے دیجئے

جلوۂ ساقی دمِ جان لئے لیتے ہیں
شیخ جی ضبط کریں ہم تو پئے لیتے ہیں

نہ لوں راہِ میخانہ کس طرح زاہد
یہ بادل جو سر پہ مرے چھا رہے ہیں

ظفر علی خاں

مولانا ظفر علی خاں سنہ ۱۸۷۰ء میں سیالکوٹ کے ایک گاؤں کوٹ مہرتھ میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد مولوی سراج الدین احمد خاں ڈاک اور تار کے محکمہ میں ایک اونچے عہدہ پر فائز تھے۔ سنہ ۱۸۹۹ء میں علی گڑھ سے بی۔ اے پاس کرکے حیدرآباد جا کر ملازم ہو گئے۔ ترقی کرتے کرتے اونچے منصب تک پہنچ گئے۔ لیکن ریاست کا ماحول انھیں راس نہ آیا اور وہ ملازمت سے استعفیٰ دے کر اپنے گھر واپس آ گئے۔

طرابلس اور بلقان کی لڑائی کے زمانے میں آپ روزنامہ "زمیندار" کے ایڈیٹر تھے۔ ان کے قلم کے زور سے اخبار کی اشاعت کہیں سے کہیں پہونچ گئی۔ وہ اونچے درجے کے ادیب، مؤثر خطیب، نڈر اخبار نویس، بدیہہ گو شاعر اور اضطراب پسند سیاستدان تھے اور وہ مسلمانوں کا دکھ درد بہت محسوس کرتے اور ہر آگ میں کود پڑتے۔ کانگریس اور خلافت کی تحریکوں میں آپ نے بڑا حصہ لیا۔ آپ نے قریب قریب بارہ سال جیل میں گزارے۔ ۲۷ نومبر ۱۹۵۶ء کو روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

مغرب کفن چور

مشرق میں غریبوں کی رہی کوئی نہیں گور
سر پکڑے ہوئے بیٹھے ہیں مغرب کے کفن چور

لکھتا ہوں فلسطین کے شہیدوں کی کہانی
آلودہ لہو سے ہے میری انگلیوں کی پور

ہیں تیرہ و تاریک کلیسا کی فضائیں
چھائی ہوئی ہے جس پہ گھٹا جنگ کی گھنگور

غلطاں ہے اِدھر خاک میں جسمِ حبشستاں
ہسپانیہ کی نعش اُدھر خوں میں شرابور

سن سن کے اتاترک کی تلوار کی جھنکار
روما کا دبا شور تو برلن کی دبی کور

فسطائیوں اور نازیوں کی فتنہ گری سے
چرچل ہیں سراسیمہ تو وحشت زدہ ہیں ہور

ملتا ہے کسی کو نہ یہ زاری سے نہ زر سے
انصاف ملے گا اسے حاصل ہو جسے زور

انتظار

پھرتا ہے میری آنکھوں میں قسمت کا نیا پھیر
شیروں کو نیستاں میں شغالوں نے لیا گھیر

نگری اگر اندھی ہے تو راجہ بھی ہے اندھا
بھاجی بھی ٹکے سیر ہے کھاجا بھی ٹکے سیر

چھینے ہیں اب یہودی نے مسیحی کی مدد سے
دولت کے لگا رکھے تھے اسلام نے جو ڈھیر

کب ہو گی نمودار خدایا سحر اس کی
جس رات نے ڈالا ہے فلسطین میں اندھیر

ہم سے ترا وعدہ ہے کہ ہے خوف کے بعد امن
یارب ترے اس وعدے کی ایفا میں ہے کیا دیر

آج کل کے میاں بیوی

اس کو زرگر سے جڑاؤ نتھ کے بنوانے کی فکر
اِس کو بازاروں میں پھر کر ناک کٹوانے کی فکر

اُس کو یہ خواہش کہ گھر کی آبرو ضائع نہ ہو
اِس کو قیدِ پردہ سے آزاد ہو جانے کی فکر

اُس کو بچوں کا تماشا دیکھنے کی آرزو
اِس کو سینما جا کے جی ہر رات بہلانے کی فکر

اُس کو یہ کوشش کہ گھر میں چار پیسے جمع ہوں
اِس کو گھر رکھ کر گروی اینٹھنے اور شانے کی فکر

اُس کو محنت کر کے دو آنے کمانے کا خیال
اِس کو آٹھ آنے کی فرمائش کے دہرانے کی فکر

اُس کو گاڑھے ہی کے تہمد میں مگن رہنے کی دُھن
اِس کو ریشم اور پوڈر میں سما جانے کی فکر

اگر سرکار مرشد کتنی تو احراری ولی نکلے
اور ان کی گوشمالی کو ملک برکت ولی نکلے

الیکشن سر پہ آیا کامیابی اس کو کہتے ہیں
کہ ہر تقریر آزادی کے سانچے میں ڈھلی نکلے

دعائیں مانگتی ہے رات دن احرار کی ٹولی
کہ جس کوچے سے ہم نکلے لفنگوں کی گلی نکلے

سُنا دے جا کے انگریزوں کو سچی بات کونسل میں
خدایا ہم میں بھی اک ایسی من چلی نکلے

برف پا موٹر ہے محسن شاہ کی
واہ کیا موٹر ہے محسن شاہ کی
کر نہیں سکتی ہمارا انتظار
بے وفا موٹر ہے محسن شاہ کی
چھینے جاتی ہے دلِ سرکار کو
دل رُبا موٹر ہے محسن شاہ کی
غیر سے ہے بسکہ اس کی رسم و راہ
بے حیا موٹر ہے محسن شاہ کی
رُخ نہیں کرتی کبھی تھیٹر کی طرف
پارسا موٹر ہے محسن شاہ کی
خود تو محسن شاہ ہیں خاکی نژاد
باد پا موٹر ہے محسن شاہ کی

نئی تہذیب نے لندن سے آکر
بتایا ہم کو کیا ہوتی ہے ٹاکی
ہوا رخصت لٹھیتی کا زمانہ
کہ ہے قائم مقام آج اسکی ہاکی
دیئے گنجے کو پربیشور نے ناخُن
یہ ہے تمہید عرضِ مُدّعا کی
خدائی کر رہے ہیں آج کل بت
حکومت اٹھتی جاتی ہے خدا کی

دلاتے ہیں یہ اطمینان چیمبرلین پولوں کو
چھڑا سکتے ہیں ہم اب بھی عقابوں سے ممولوں کو
مقدر ہو چکی ہے فتح انگریزی عساکر کی
بڑا پھوڑا کرے ہٹلر جلے دل کے پھپھولوں کو
بباطن ہیچ ہیں کھل جائیگا پول ان کا ایک دن
بجالے جرمنی اپنے بلند آہنگ ڈھولوں کو
مسولینی کا سر اٹلی میں مونڈا جائیگا جس دن
برستا دیکھ لوگے اس پر انگلستاں کے اُولوں کو

ہمارے ساتھ ہیں ترک اور بیڑا ہے خدا ان کا
منوں کا وزن جس نے بارہا بخشا ہے تولوں کو

سنو اچھی طرح اے مغربی تہذیب کے پتلو
کہ ہم اتنا ہی اُبھریں گے دباؤ گے ہمیں جتنا
سنبھل کر ڈالئے گا ہاتھ صاحب صنفِ نازک پر
کہیں محشر نہ بن جائے یہ عورت ذات کا فتنا
کہو کہ ان کی سنگینیں کہاں تک دینگی سینوں میں
ذرا ہم بھی تو دیکھیں ان کے بازو میں ہے دم کتنا

خلافت پر فدا ہونے کو سب دیندار بیٹھے ہیں
گئے زنداں میں فاخر ماجد اب تیار بیٹھے ہیں
وہ ہم پر جبر کرتے ہیں ہم اس پر صبر کرتے ہیں
وہ گر باکار ہیں ہم بھی نہیں بیکار بیٹھے ہیں
یہ مانا ہم کبھی جس جوم کی مسند کی زینت تھے
اب اس پر ڈٹ کے باصد کر و فر اغیار بیٹھے ہیں
ہمارا دردِ دل کس طرح پہنچے جارج پنجم تک
کہ وہ تو بکنگھم میں سمندر پار بیٹھے ہیں

فتنۂ محشر سے نہیں کچھ کم حق میں ہمارے فتنۂ حقّا
مسندِ کابل پر متمکّن ہونے لگا ہے بچّا سقّا
کفر کے فتوے ہاتھ میں لے کر آئے ہیں پیر و صوفی و ملّا
دینِ مبیں کی عظمت و شوکت ہونے لگی ہے غائب غُلّا

اے میرے مولا دور نہیں ہے ان سے تیری تقدیر کا ڈنڈا
گاڑ دے ان کی قبر پہ یارب غازی امان اللہ کا جھنڈا

دُرّانیوں کی فوج جو میداں میں ڈٹ گئی
سقّے کی مشک ایک ہی ٹھوکر میں پھٹ گئی
خود کوہ دامنی ہی گرے اس پہ ٹوٹ کر
اچھا ہوا کہ جوتیوں میں دال بٹ گئی
سقّے کا ہاتھ گرچہ بڑا تھا تُلا ہوا
قسمت مگر خراب تھی تلوار اُچٹ گئی
مانجھا نہ تیز تھا تو لڑایا تھا کیوں پتنگ
پڑتے ہی ایک پیچ کے جھٹ ڈور کٹ گئی
خوشیوں کی ساعت آگئی ایّامِ غم گئے
نورِ سحر طلوع ہوا رات کٹ گئی

جب آئیں سائمن اس طرح استقبال ہو جائے
کہ پہنچے جس جگہ نازل وہیں ہڑتال ہو جائے
ہمارا یہ وطن آزاد ہو چٹکی بجاتے میں
ہر اک ہندو اگر پنڈت جواہر لال ہو جائے
سنبھالیں چونچ برکن ہیڈ اور انکے ہمنوا طائر
ذرا اگر عندلیب اسلام کی چونچال ہو جائے
خلافت کانگریس اور لیگ کا ایکا یہ کہتا ہے
کہ اُلٹی آسمانِ پیر کی ہر اک چال ہو جائے
اگر ہندوستاں کو نعمت آزادی کی حاصل ہو
تو مکھّن توس کا برطانیہ میں کال ہو جائے

میری طرح سڑی نہیں لٹھ وہ پولیس کے کھائے کیوں
بیٹھ کے وائسرائے کے ساتھ شیخ پیئے نہ چائے کیوں
قیدِ فرنگ بندِ زیست فرق سے بے نیاز ہیں
موت سے پہلے آدمی جیل سے باہر آئے کیوں

ٹوڈیوں کی ہر اک دلیل جب کہ ہے خس سے بھی ذلیل
بیٹھ کے گول میز پر دینے لگے وہ رائے کیوں
علتِ مفلسی میں جب ووٹ بھی ہم نہ دے سکے
جیل میں بھیج کر بہ ناچ آپ نے پھر نچائے کیوں
برہمن اور شیخ کے دل ہوں اگر ملے ہوئے
ٹام نئے نئے ستم آئے دن ان پہ ڈھائے کیوں

کٹے ہیں جس قدر سر گنگسر کے گردوارے میں
ہے درج ان سب کی قربانی جزا کے گوشوارے میں
نہ گھائل کر سکی تھی جن کو ننکانا میں آنکھ ان کی
انھیں بھی اس نے تڑپا کر ہی چھوڑا اک اشارے میں
بچے جن کی تفنگوں سے نہ ننھے ننھے بچے بھی
ہے کیا تہذیبِ مغرب کا اب ارشاد ان کے بارے میں
ابھی دیکھا ہی کیا ہے تم نے اس خونی تماشے کو
بہت سے کھیل باقی ہیں مداری کے پٹارے میں
جفا کی گرمیِ بازار مظلومی کی رونق ہے
رہا کرتی ہے ظالم کی تجارت ہی خسارے میں

کل شام کے وقت ایک پھٹے حال گیانی
گلیوں میں بجاتا ہوا پھرتا تھا دوتارا
ہر زخم سے لگتی تھی نئی چوٹ جگر پر
ہر نغمے سے کرتا تھا دلوں کو وہ دوبارا
ہر گت سے ملاتا تھا خلا میں وہ ملا کو
اور چھیڑ نا جاتا تھا بہ آہنگِ دل آرا
کچھ تم کو خبر بھی ہے کہ برطانیہ نے کیوں
گدی سے اتارا جائے نابھا کو اُتارا
کیوں خالصہ کی ناؤ پڑی آ کے بھنور میں
کیوں ڈوب گیا پنتھ کی قسمت کا ستارا
اس کی یہ خطا تھی کہ ہے مدت سے اسے عشق
اس کا یہ گناہ تھا کہ ہے مذہب اسے پیارا
اس جرم کی تعزیر میں ہم قید تھے کل تک
اور آج گرفتار ہے سردار ہمارا

ہے کوئی حق آگاہ جو باطل سے نہ جھجکے
ہے کوئی جو انگریز سے یہ پوچھے خدارا
کیوں فلسفہ اپنا ہی کیا تم نے فراموش
کیوں اپنے ہی مکتب کا سبق تم نے بسارا
کیوں تم سے ہے مخفی یہ حقیقت کہ ہمیشہ
بہتا نہیں اک سمت میں تقدیر کا دھارا
ڈھلتی ہوئی پھرتی ہوئی اک چھاؤں ہے دولت
تم کون ہو جن سے نہ کرے گر یہ کنارا
دنیا میں نہ یوناں ہے نہ روما ہے نہ ایران
باقی نہ سکندر رہے نہ سیزر رہے نہ دارا
اک ہم تھے کہ ہم نے جسے پکڑا اسے چھوڑا
اک تم ہو کہ تم نے جسے تاکا اسے مارا
تم کر نہ سکو گے کبھی اس جذبے کو پامال
گرتی ہوئی قوموں کو سدا جس نے ابھارا
وہ خون جو سکھوں نے بہایا ہے کسی دن
بن جائے کا پنجاب کی تعمیر کا گارا
چین آ نہیں سکتا ہمیں جب تک نہ بٹھا لیں
گدّی پہ مہاراجائے نابھا کو دوبارا

اک سر پھرے انگریز نے جب بر سرِ اجلاس
لگوائے پیادوں سے مہابیر کو چانٹیں
اتنا بھی نہ بٹلر کی حکومت سے بن آیا
اس اپنے نمائندے انصاف کو ڈانٹیں
جس روز بکھیرے گئے انصاف کے یہ پھول
برطانیہ کے رستے میں بوئے گئے کانٹیں
اس ظلم پہ اس زور پہ جو پیکرِ بیداد
عدل اور مساوات کا بھی فلسفہ چھانٹیں
اچھے ہیں کہیں اس سے تو لندن کے وہ اندھے
پھر پھر کے مٹن چاپ جو اپنوں ہی میں بانٹیں

دے رہا ہے ہمیں زنداں سے یہ پیغام پٹیل
منزلِ آزادیٔ کامل کی ہے اس عہد میں جیل
آئے دن اپنوں میں ہوتی جو نہ دانتا کِل کِل
ہونے پاتے نہ وہ اس طرح پرایوں کے دبیل
جان دل برہمن و شیخ سے ہے بر سرِ جنگ
اب نہ ہو گا تو پھر ان دونوں میں ہو گا کب میل

سر ہتھیلی پہ لئے جب نکل آیا پنجاب — تو یہ سمجھو کہ منڈھے چڑھ گئی اس دیس کی بیل
پھیلتی جاتی ہے گاندھی کی لگائی ہوئی آگ — کوئی اِروِن سے یہ کہدو کہ نہ اس آگ سے کھیل

ڈیڑھ سو سال تک انگریز شتربان رہا
اب ہم اس اونٹ کی خود ہاتھ میں تھامینگے نکیل

حکومت التجاؤں سے کبھی حاصل نہیں ہوتی — کوئی اللہ کا بندہ یہ کہدے مالوی جی سے
کبھی بھی سیدھی انگلی سے نہ نکلا ہے نہ نکلے گا — چُپڑنا چاہتے ہیں اپنے پھلکے آپ جس گھی سے
ریزولیوشن کہاں تک پاس کرتے ہم چلے جائیں — یہ چکی کانگریس بیٹھی ہوئی کس وقت تک پیسے
نہیں ملتی جلوسوں اور تقریروں سے آزادی — جو ملتی ہے تو ملتی ہے پھکیتی اور لٹھیتی سے
جبھی تو بول بالا ہے جواہر لال نہرو کا — اور ان سے آملا ہے دیس سارا لگ کے گاندھی سے

وہ گوکل کا گوالا جو ہے میٹھی بانسری والا
یہ کہتا ہے کہ بھینس اس کی جو ہانکے اسکو لاٹھی سے

ہے اس عقیدے پہ ہند قائم کہ رام بھی ہے رحیم بھی ہے
اِدھر الف واؤ میم بھی ہے اُدھر الف لام میم بھی ہے
بندھا ہوا پیٹ پر ہے پتھر مگر ہمالہ سے سر ہے اونچا
میں ہوں مسلمان وضع میری جدید بھی قدیم بھی ہے
جب آئے ہم جیل میں تو ہم پر کھلا کہ یورپ ازل کے دن سے
دروغ گو بھی ہے حیلہ جو کمینہ بھی ہے لعیم بھی ہے
وہ پیسے پیسے کا چند دن میں فرنگیوں سے حساب لیگا
لنگوٹی والا ہمارا گاندھی مہاتما بھی منیم بھی ہے

اقبال

فلسفی شاعر اور مفکّر اقبال ۲۲ فروری ۱۸۷۳ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے ان کے والد شیخ نور محمد بیگ کے چھ بچے تھے دو لڑکے اور چار لڑکیاں۔ اٹھارویں صدی کے شروع میں اقبال کے ایک جدِ امجد نے جو کشمیری برہمن تھے اسلام قبول کیا تھا۔

اقبال نے ۱۸۹۷ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔اے پاس کیا۔ یہیں انھیں مشہور پروفیسر آرنلڈ کی شاگردی کا موقعہ ملا۔ ۱۸۹۹ء میں اقبال نے فلسفہ میں ایم اے کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۰۵ء میں اعلیٰ تعلیم کے لئے یورپ گئے۔ اسی سفر کے دوران میں انھوں نے اسرارِ خودی جو ان کی مشہور مثنوی ہے تصنیف کی۔

ہندوستان ہمارا، نیا شوالہ اور ہمالیہ کا مصنف شاعر حب الوطنی کی قید سے نکل کر آفاقی شاعر بن گیا۔ ۱۹۲۲ء میں ان کو "سر" کا خطاب ملا۔ وہ صوبائی اسمبلی کے ممبر بھی بنے اور گول میز کانفرنس میں بھی شامل ہوئے۔ ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو انتقال فرمایا۔ اردو اور فارسی میں ان کے کئی مجموعہ سخن شائع ہو چکے ہیں۔ اکبر الٰہ آبادی کی پیروی کرتے ہوئے انھوں نے کچھ ظریفانہ اور طنزیہ شاعری بھی کی ہے۔

ایک مچھر نے کہہ دیا مجھ سے ماجرا اپنی ناتمامی کا
مجھ کو دیتے ہیں ایک بوند لہو صلہ شب بھر کی تشنہ کامی کا
اور یہ بسوادار بے زحمت
پی گیا سب لہو اسامی کا

جان جائے ہاتھ سے جائے نہ ست ہے یہی اک بات ہر مذہب کی تت
چٹے بٹے ایک ہی تھیلی کے ہیں ساہوکاری، بسویداری، سلطنت

تکرار تھی مضارع و مالک میں ایک روز دونوں یہ کہہ رہے تھے مرا مال ہے زمیں
کہتا تھا وہ کرے جو زراعت اسی کا کھیت کہتا تھا عقل تری ٹھکانے رہی نہیں
پوچھا زمیں سے میں نے کہ ہے کس کا مال تو بولی مجھے تو ہے فقط اس بات کا یقیں
مالک ہے یا مُضارِعِ شوریدہ حال ہے
جو زیرِ آسماں ہے وہ دھرتی کا مال ہے

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے
الیکشن ممبری کونسل صدارت بنائے خوب آزادی کے پھندے
میاں ... ر بھی چھیلے گئے ساتھ
نہایت تیز ہیں یورپ کے رندے

سنا ہے میں نے کل یہ گفتگو تھی کارخانے میں پرانے جھونپڑوں میں ہے ٹھکانہ دستکاروں کا
مگر سرکار نے کیا خوب کونسل ہال بنوایا کوئی اس شہر میں تکیہ نہ تھا سرمایہ داروں کا

ہم مشرق کے مسکینوں کا دل مغرب میں جا اٹکا ہے
واں کنتر سب بلّوری ہیں یاں ایک پرانا مٹکا ہے
اس دور میں سب مٹ جائے گا ہاں باقی وہ رہ جائیگا
جو قائم اپنی راہ پہ ہے اور پکّا اپنی ہٹ کا ہے

اے شیخ و برہمن سنتے ہو کیا اہلِ بصیرت کہتے ہیں
گردوں نے کتنی بلندی سے ان قوموں کو دے پٹکا ہے
یا باہم پیار کے جلسے تھے دستورِ محبت قائم تھا
یا بحث میں اُردو ہندی ہے یا قربانی یا جھٹکا ہے

وہ مِس بُولی ارادہ خودکشی کا جب کیا میں نے
مہذب ہے تو اے عاشق قدم باہر نہ دھر حد سے
نہ جرأت ہے نہ خنجر ہے تو قصدِ خودکشی کیسا
یہ مانا دردِ ناکامی گیا تیرا گزر حد سے
کہا میں نے کہ اے جانِ جہاں کچھ نقد دلوا دو
کرائے پر منگالوں گا کوئی افغان سرحد سے

ممبری امپیریل کونسل کی کچھ مشکل نہیں
ووٹ تو مل جائیں گے پیسے بھی دلوائیں گے کیا
میرزا غالب خدا بخشے بجا فرما گئے
"ہم نے یہ مانا کہ دلّی میں رہیں کھائیں گے کیا

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی — قوم نے ڈھونڈ لی فلاح کی راہ
روشِ مغربی ہے مدِّ نظر — وضعِ مشرق کو جانتے ہیں گناہ
یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین
پردا اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

شیخ صاحب بھی تو پردے کے کوئی حامی نہیں — مفت میں کالج کے لڑکے ان سے بدظن ہو گئے
وعظ میں فرما دیا کل آپ نے یہ صاف صاف — پردا آخر کس سے ہو جب مرد ہی زن ہو گئے

یہ کوئی دن رات کی بات ہے اے مردِ ہوشمند — غیرت نہ تجھ میں ہو گی نہ زن اوٹ چاہے گی
آتا ہے اب وہ دور کہ اولاد کے عوض — کونسل کی ممبری کے لئے ووٹ چاہے گی

تہذیب کے مریض کو گولی سے فائدہ — دفعِ مرض کے واسطے پِل پیش کیجیے
تھے وہ بھی دن کہ خدمتِ استاد کے عوض — دل چاہتا تھا ہدیۂ دل پیش کیجیے
بدلا زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق
کہتا ہے ماسٹر سے کہ بِل پیش کیجیے

انتہا بھی اس کی ہے آخر خریدیں کب تلک — چھتریاں، رومال، مفلر، پیرہن جاپان سے
اپنی غفلت کی یہی حالت اگر قائم رہی — آئے گا غسّال کابل سے کفن جاپان سے

ظریف لکھنوی

سید مقبول حسین ظریف لکھنوی حضرت صفی لکھنوی کے چھوٹے بھائی تھے اور انھیں سے مشورۂ سخن لیتے تھے طبیعت میں بلا کی شوخی اور ظرافت تھی۔ ان کی نوابانہ فضاؤں میں بسر ہوئی۔ وہ تفریحاً شعر کہتے تھے مقصد ہنسنا ہنسانا اور سماجی بے اعتدالیوں کو نشانۂ طنز بنانا تھا وہ جب کوئی بات اپنے ظریفانہ رنگ میں سمو کر کہتے تو گوناگوں دلچسپیاں پیدا کر دیتے۔ ان کی شہرت اودھ پنچ سے شروع ہوئی اور مشاعروں سے امنڈ کر تمام دنیائے اردو پر چھا گئی۔ اب وہ قبر کا کونہ آباد کر چکے ہیں۔

میونسپل الیکشن میں کھڑے ہونے والوں کو نام نہاد رہبری اور قومی ہمدردی کے بہلانے اپنی عزت داؤ پر لگا کر دیوانہ وار ووٹ کی تلاش میں جو دربدری حاصل ہوتی ہے اس کا نقشہ ظریف نے ایک مسلسل نظم میں کمال طنز و ظرافت کے ساتھ پیش کیا ہے۔

ظریف ۲۴ فروری ۱۸۷۰ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے تھے۔ والد، چچا اور بڑے بھائی سب کے سب ظریفانہ طبیعت کے مالک تھے۔ اس لحاظ سے ان کی ظرافت اک وراثت ہے۔

سیاحت ظریف

مقبول جب وطن سے سوئے کربلا چلے | ہمراہ سب عزیز چلے آشنا چلے
کچھ لوگ ساتھ کان میں پڑھ کر دعا چلے | خواہش کسی کی یہ تھی کہ ساتھی چلا چلے

پہونچے جو ریل گھر پہ بڑا اژدحام تھا
مائل معانقے پہ ہر اک خاص عام تھا

کچھ ریل گھر کا حال کروں مختصر بیاں | وہ نو بجے کا وقت وہ ہنگامی کا سماں
قلیوں کا لاد لاد کے لانا وہ پیٹیاں | بجنا وہ گھنٹیوں کا وہ انجن کی سیٹیاں

گڑبڑ مسافروں کی بھی اک یادگار تھی
عورت پہ مرد مرد پہ عورت سوار تھی

القصہ ریل جب سوئے جھانسی رواں ہوئی | اور شکل لکھنؤ کی نظر سے نہاں ہوئی
جو تھرڈ میں تھے ان کیلئے بھی اماں ہوئی | بنچوں پہ دھکے کھا کے جگہ کچھ عیاں ہوئی

پہونچی جو کان پور تو پھر گڑبڑی ہوئی
ٹھہری جو تھوڑی دیر تو پھر چل کھڑی ہوئی

ٹھہری اوری میں جھانسی میں پھر جا کے دم لیا | بینا میں پانی پینے کو چلّا کے دم لیا
بھوپال تال پہونچی تو گھبرا کے دم لیا | واں سے اٹارسی میں جگہ پا کے دم لیا

کھنڈوے میں تھوڑی دیر ٹھہر کر رواں ہوئی
منماڑ میں جو صبح کو پہونچی اذاں ہوئی

واں سے اگنپوری پہ ذرا سا کیا قیام | کلیان جا کے تھوڑے ہی عرصے ہوا مقام
تھا تیسرا پہر نہ بخوبی ہوئی تھی شام | چھوٹا جو ساتھ ریل کا ہم سب سے والسلام

یعنی سوادِ بمبئی اس دم نظر پڑا
ٹھہری ٹرین اک ایک مسافر اتر پڑا

لے چل اپالو کی طرف اب مجھ کو بہر سیر
گھبرا رہا ہے دل مرا چوپاٹی کے بغیر
دکھلا دے یوں چکّی مجھے تیرے دم کی خیر
لے چل ٹرامبوے پہ نہ جاؤں گا پیر پیر
وکٹوریا پہ مجھ کو چڑھا کر پھرا کہیں
جلدی گرانڈ روڈ کی صورت دکھا کہیں

کچھ بمبئی کا حال کروں مختصر بیاں
چوڑی سٹرکٹ و رویہ کئی منزلے مکاں
ہر سو ملوں کا شہر میں پھیلا ہوا دھواں
ہر ایک مالے کے لئے دس بیس سیڑھیاں
کمرہ ہر ایک کاٹھ کا پنجرا سلا ہوا
ہر ایک مکیں پھندیت ہو جیسے پلا ہوا

اشیا سفر کے واسطے کچھ مختصر سے لائے
کمرہ بھی خود جہاز پہ ہم جا کے دیکھ آئے
جانے کو پنجشنبہ کی ٹھہری جو سب کی رائے
بدلا لباس خط بنا حمام میں نہائے
شب بھر یہی خیال رہا نیند اچٹ گئی
کچھ سوئے کچھ نہ سوئے یونہی رات کٹ گئی

گودی پہ جب کہ پہونچے تو دیکھا یہ ماجرا
انبار چار سمت ہے اسباب کا لگا
بیٹھا ہے اور کوئی مسافر کھڑا ہوا
کوئی یہ کہہ رہا ہے قلی سے کہ جلد لا
دس بج چکے تھے دل کہ ہر اک بیقرار تھا
بس ڈاکٹر کے آنے ہی کا انتظار تھا

شوہر سے زوجہ زوجہ سے شوہر الگ الگ
بھائی بہن سے بھائی سے خواہر الگ الگ
مادر سے بیٹا بیٹے سے مادر الگ الگ
بیٹی سے باپ باپ سے دختر الگ الگ

وہ بیٹھنے کی چیز ہے مونڈھا کہیں جسے
وہ لیٹنے کی شئے ہے کھٹولا کہیں جسے

کالا سا اک پرند ہے کوّا کہیں جسے
وہ دوسرا سفید ہے بگلا کہیں جسے

میٹھا ہے ایک قسم کا حلوا کہیں جسے
روٹی ہے ایک طرح کی مانڈا کہیں جسے

وہ مرد ماں کا باپ ہے نانا کہیں جسے
ماں کی بہن وہ زن ہو کہ خالا کہیں جسے

کہتے ہو گرچہ دید کے قابل ہو روئے یار
ایسا تو ہو کہ لوگ تماشا کہیں جسے

آتا ہے دوپہر میں بنارس سے لکھنؤ
کیا تیز رو وہ آم ہے لنگڑا کہیں جسے

کیا خوب کے علاوہ بتاؤ تو اب ظریف
ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

اے قحط کچھ دنوں جو ابھی اور تو رہے
باقی نہ میں رہوں نہ مری آرزو رہے

کچھ نیک و بد کی آپ کو پہچان ہی نہیں
اب تک حضور آپ وہی بانگڑو رہے

خوبی اسی میں ہے کہ یہ کودن بنے رہیں
چیلے گرو بنیں تو کہاں پھر گرو رہے

دھوبی کا ہے کتّا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا
ساتھ آپ کے وہی کہ جو ہو فالتو رہے

میونسپلٹی کو وہی پاخانہ ہے پسند
گھر بھر میں نار کول کی جس سے کہ بو رہے

چالان ہو جو بمبے پر جا کر نہائیے
کس طرح یہ بتائیے پھر آبرو رہے

لیلیٰ کے واسطے جو بنایا تھا اک مکان
مجنوں کا باپ کہتا تھا اس میں بہو رہے

گر "میر" کی زبان میں فرماتے ہیں آپ
کہئیے کبھی رہے کی جگہ پر کبھو رہے

ہم ان کو کیا کہیں جو زمانے میں اے ظریف
کہنے کو مرد دیکھنے میں مادہ رو رہے

شعلہ بار آہیں بھی کیں گھومے کئے مضطر بنے
گردشِ تقدیرِ عاشق بن کے گھن چکر بنے

تیز رفتاری سمندِ ناز کی بڑھ جائے اور
زلفِ پیچاں کا اگر اس کے لئے ہنٹر بنے

کیوں نہ ساقی کی صراحی دار گردن دیکھ کر
میکشِ نادار کا کُلھیا سا منہ ساغر بنے

بے عمل عالم اگر ساری کتابیں چاٹ جائے
آدمی تو بن نہیں سکتا وہی جھینگر بنے

یار گویا اک مسالہ پیسنے کی سل بھی ہے
جب تو بتّے کی طرح پتھر کے اسکا دل بھی ہے

جس جگہ پر ہوسٹری سودائیوں کا اک ہجوم
ہے وہ پاگل خانہ بھی اور یار کی محفل بھی ہے

پوچھ گچھ کرنے کو مُردے سے نکیرین آئینگے
پھر تو اک تھانہ پولس کا قبر کی منزل بھی ہے

جب دہن غائب کمر معدوم نکلا یہ حساب
حسن میں معشوق کے زیرو بھی ہے اور نِل بھی ہے

کمر باندھے عدم کے واسطے تیار ہو جائے
غزل خوانی کا جس کو شوق یا آزار ہو جائے

مکرر ہم پڑھیں گے جب تو کوئی کیا بنائے گا
کسی جلسے میں جب پابندئ اشعار ہو جائے

یہاں تک صحبتِ شعر و سخن میں رات بھر جاگے
کہ مر جائے نہیں تو کم سے کم بیمار ہو جائے

معیشت کا جسے کھٹکا نہ کوئی فکر دنیا کی
وہی شاعر ہے جو اس عہد میں بیکار ہو جائے

خیال حفظِ صحت جب پڑھے لکھے نہیں رکھتے
تو شرکت کرنے والا پھر نہ کیوں بیمار ہو جائے

ظرافت ایک آدھ لکچر سال بھر میں دے دیا کر
وہ خوش قسمت ہے جو شاعر نہ ہوشیار ہو جائے

ہے اصل یہ بجا نہ کسی کے بھی ہوش تھے
یہ حال دیکھتے تھے مگر سب خموش تھے

لو ڈاکٹر بھی آگیا قصہ ہوا تمام   اک میم ساتھ ساتھ لئے باصد احترام
باہر بچھا کے میز انھوں نے کیا قیام   پردے میں لیڈی آئی تعجب کا ہے مقام

بے کار اتنے وقت کو برباد کر دیا
ہر اک کی نبض دیکھ کے آزاد کر دیا

پہلے انھیں دیا گیا اک سارٹیفکٹ   اول دوم جہاز میں جن کا کہ تھا ٹکٹ
پھر تھرڈ والے جتنے تھے ان سے ہوئی جھپٹ   چڑھے ٹٹولے سینے کو دیکھا الٹ پلٹ

بے چارے تھرڈ والوں کو پرچے کہاں دیئے
بھیڑوں کی طرح آدمیوں پر نشاں دیئے

ہنگامہ وہ جہاز پہ چڑھنے کا الحذر   تھے پاس پر کسی کو کسی کی نہ تھی خبر
پُل تختہ لا کے رکھ دیا پانی میں تر بتر   کانسٹبل کھڑا تھا جہاں سے تھی رہگذر

جو بے نشان تھے ان کو نہ بڑھنے کا حکم تھا
جن کے نشان تھے انھیں چڑھنے کا حکم تھا

بیٹھے ہوئے سبھوں کو نہ گذرے تھے دو پہر   پہونچا جہاز قبے کے اندر ہوا گذر
موجوں کا اٹھنا اور وہ تلاطم کہ الحذر   بے خود ہوئے یہ سب کہ نہ اپنی رہی خبر

قے سے مسافروں کا بہت غیر حال تھا
چکر وہ تھا کہ سر کا اٹھانا محال تھا

اُواُو کی آرہی تھی ہر اک سمت سے صدا   سر پکڑے کوئی بیٹھا تھا کوئی پڑا ہوا
کپڑے لتھڑ پتھڑ تھے کسی کا یہ حال تھا   کوئی یہ کہہ رہا تھا خبر لو کہ میں چلا

منہ تو کھلا ہوا تھا مگر آنکھیں بند تھیں
چاروں طرف سے قے کی صدائیں بلند تھیں

تھیں جن کے ساتھ عورتیں ان کا نہ پوچھو حال — لے جانا اور لانا تھا اک جان کا وبال
سیڑھی سے ان کو نیچے اترنا تھا اک کمال — بے پردگی کا دھیان نہ پردے کا تھا خیال
یہ پردہ داری جان کے اوپر عذاب تھی
ان عورتوں سے مردوں کی مٹی خراب تھی

کہتی تھی کوئی لو میرا برقع اٹک گیا — ہے ہے نیا تھا تین جگہ سے مسک گیا
صاحب سنبھالو سر سے ڈوپٹہ کھسک گیا — لو پائینچہ الجھ گیا مقنع سرک گیا
کیا گت بنی ہے سب کی نگوڑے جہاز پر
پھسلن ہے کس غضب کی نگوڑے جہاز پر

لو بیوی پاندان کا ڈھکنا بھی گر گیا — آفت پڑے جہاز پہ کٹھا بھی گر گیا
توبہ ہے میرے بچے کا بٹوا بھی گر گیا — اے لو نگوڑے طوطے کا پنجرا بھی گر گیا
کشتی پہ بقچی رہ گئی ہے ہے غضب ہوا
بٹیا کی ٹوپی بہہ گئی ہے ہے غضب ہوا

کیا چھوٹی سیڑھیاں ہیں نگوڑی خدا کی مار — ایسا جہاز نوج ہو در گور دور پار
ہلتی بھی ہیں نگوڑیاں جن کو نہیں قرار — رسّی میں ڈنڈے باندھ دیئے ہیں گے پانچ چار
زینہ نگوڑ ماروں نے کیسا بنایا ہے
یہ تو موؤں نے نٹ کا تماشا بنایا ہے

کپتان سے کوئی نہیں کہتا کہ کیوں موئے — بھر مٹھی دام تونے تو ہم سب سے لے لئے
روکا وہاں جہاز کنارے کو چھوڑ کے — آ آ کے جس جگہ پہ ستاتے ہیں رُکھ چڑھے

بیوی کی جھاڑو ایسے موئے بدمعاش پر
اترے یہاں پہ کوئی کہاں اس کی لاش پر

ہو جان بھاری جس کو وہ ایسا سفر کرے — دیدے کا پانی جس کے ڈھلا ہو نہ وہ ڈرے
اور پردے والی تو موئی بے موت ہی مرے — یا تو اٹھا کے پردے ہی کو طاق پر دھرے
مردوں کا حوصلہ نہ جہاں پر وفا کرے
نکلی نہ ہو جو گھر سے بچاری وہ کیا کرے

دس بارہ چھوٹے چھوٹے شتونچے بھی ہمرکاب — دو چار شانیوں کے ہیں منہ پر پڑی نقاب
کچھ نیلی بھوری بڑھیاں لگائے ہوئے خضاب — حلقے میں ان سبھوں کے تھے وہ آسماں جناب
غلّہ سی آنکھیں ان میں بھی کاجل گھلا ہوا
کلّے میں تھی گلوری مگر منہ کھلا ہوا

چیں پیں وہ بال بچوں کی وہ ان کا انتشار — لے لیکے گود میں انھیں چڑھنا وہ بار بار
سیڑھی پہ بیٹھ بیٹھ کے گہ چیخ گہ پکار — میلا لبادہ چھینٹ کی کہنہ سی اک ازار
ٹوپی دوپٹی خاک میں بالکل اٹی ہوئی
اس سے بھی بے خبر کہ میانی پھٹی ہوئی

غل بل وہ گفتگو میں وہ سج جسمیں لاکھ چھوٹ — وہ پیک کا نگلنا کہ شربت کے جیسے گھونٹ
رک رک کے بات کرنا کہ جملہ نہ جائے چھوٹ — دو بیویاں تو ساتھ مگر ان میں ایسی پھوٹ
اک اپنا راگ گاتی تھی اک اپنا گاتی تھی
روتی تھی ایک دوسری طبلہ بجاتی تھی

دو چار بکس چیپڑ کے ہمراہ بے کرٹے — گیھے لحاف توشکیں دس بیس پوٹڑے
دریاں چٹائی ٹاٹ مگر سب سڑے سڑے — برتن تمام گھر کے وہ چھوٹے ہوں یا بڑے

چولہا بھی تھا انگیٹھی بھی ہمراہ آئی تھی
پھُکنی توا تھا دست پناہ اور کڑھائی تھی

ہر اک کو یہ سناتے بھی جاتے تھے بار ہا — ممکن ہوئی نہ جنس بہت ڈھونڈتا رہا
چھُٹ پن سے مجھ کو شوق اسی بات کا رہا — کھانے پکانے آتے ہیں مجھ کو ہزار ہا
زردہ پلاؤ کھیر پراٹھے پکاتا ہوں
اور میں کباب بیس طرح کے بناتا ہوں

چٹنی اچار کا تو بنانا ہے میرا کھیل — حلوائیوں میں بیٹھوں تو کھا جائیں مجھ سے میل
بڑھ جائے گھی سے کھانے میں ڈالوں اگرچہ تیل — پا جاؤں جنس گر تو ہو کھانے کی ریل پیل
سو نعمتیں میں روز کھلاتا چلا چلوں
اب دیکھئے گا آپ ذرا کربلا چلوں

اس پر ہجوم وہ کہ نہ ملتا تھا راستا — خچر اُدھر سے آیا اِدھر سے گدھا چلا
انسان سو پچاس تو حیواں ہزار ہا — دھکا لگا کسی کے کوئی لات کھا گیا
سچ تو یہ ہے کہ جان ہر اک کو عزیز تھی
انسان اور گدھوں میں نہ مطلق تمیز تھی

واں سے گذر کے آئے جہاں سے ٹریموے — پھسلے کئی مقام سے اکثر گرے پڑے
اس طرح راہ کاٹی کہ کچھ ٹھہرے کچھ چلے — کچھ دھکّے کھائے راہ میں کچھ اوروں کو دیئے
دیکھا ابھی جو دیر ہے گاڑی کے جانے میں
آخر کو جا کے بیٹھ گئے قہوہ خانے میں

سنیئے ٹریموے کو جو ہے تا بہ کاظمین — اس واسطے کہ پائیں مسافر کچھ اس سے چین
چلتی ہیں چار گاڑیاں گو ایک ہی ہے لین — تیز اتنی گاڑی اور ہے چھکڑے کے بین بین

اس پر بھی جھٹکا وہ کہ ٹھہرنا محال تھا
کرتا تھا اُٹھا بیٹھی ہر اک کا یہ حال تھا

گاڑی چلی تو لونڈوں کی پیچھے تھی اک برات — چڑھ آئے دس تو کود پڑے دن سے پانچ سات
کوئی کسی کو جڑتا تھا ٹیپ اور کوئی لات — ڈھیلا جمایا پنٹ سے کہی گر کسی نے بات

اکثر چُھلی چُلیاّ تھی اکثر کلیل تھی
گاڑی نہیں تھی اصل میں لڑکوں کا کھیل تھی

اور منتظم وہ جن سے فقیروں کو شرم آئے — نازل ہوئے بلا کی طرح چیتھڑے لگائے
کاغذ کے ٹکڑے ہاتھ میں اک تھیلی بھی دبائے — ان کے ٹکٹ کا بانٹنا پوچھو نہ ہائے ہائے

بوڑھوں سے آدھا بچوں سے سارا وہ لیتے تھے
جو دے چکا ہو اس سے دوبارہ وہ لیتے تھے

روٹی کسی نے دی تو کہا اس سے بیٹھ جاؤ — بسکٹ کسی نے دور سے دکھلائے بولے آؤ
چڑھ آیا راستہ سے تو اس سے کہا کہ لاؤ — اس نے جگارہ دیدیا یہ بولے ہاں چلاؤ

یہ سب ٹکٹ کلکٹروں کے بھائی بند تھے
جتنے ٹکٹ تھے اس سے مسافر دو چند تھے

کونسل الیکشن ریس

جب کونسل کے جم خانے میں صوبے والی گھوڑ دوڑ ہوئی
اکتوبر میں لوکل ریسز کا حال کھلا ہم پر سارا
ہر سو تھا چماروں میں چرچا ہنس ہنس کر کہتے تھے چاکر
گھوڑے کی بدھیا بیٹھ گئی پھر کونی نے بالا مارا

جتنی ٹٹو میں غربت تھی اتنی گھوڑے میں چپالاکی
اک سوکھا سہما ڈگا ساک کھائے ہوئے داناچارا
ان دونوں دیسی گھوڑوں میں پونس کے ٹرینر کانگریسی
انگلش اصطبل کا ایک اڑیل آگے نہ بڑھا یوں جی ہارا
اتنے میں کہا اک جاکی نے اب دوسری روڈ کا حال سنو
جس میں کہ بلٹ نگئے بک میکر اتنا ہارا ہر دکھیارا
جو سن چھبیس میں دوڑا تھا اس کا تھا بھاؤ برابر کا
جو اب کی سال شریک ہوا اس پر تھے اک کے دس ہارا
نسلاً عربی دو گھوڑے یہ میدان میں آئے ریس کے جب
اک ان میں بانسوں آگے تھا اک پیچھے پیچھے بے چارا
بکیوں کے جواری گھبرائے جب چار طرف سے شور ہوا
دونی اور چوپڑ دلواؤ سبزہ جیتا مشکی ہارا
کچھ دن یہ ظریف تماشا ہے پھر آگے چل کے کچھ بھی نہیں
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا

ہمارے لیڈر

قوم میں نہیں اور قوم کے لیڈر لشاش
جیسے گدھ ہوتے ہیں خوش دیکھ کے لاوارث لاش

واہ کیا بات ہے اے قوم کے بچو شاباش
سہل سے دو ہی یہ نکلے ہیں پئے فکر معاش

زر کمانا ہے تو پڑھ لکھ کے بیرسٹر بن جاؤ
جب وکالت نہ چلے قوم کے لیڈر بن جاؤ

دیکھئے قوم کی تاریخ یہ دیتی ہے پتا — جب کسی قوم کا لیڈر ہوا صرف ایک ہوا
خطۂ ہند میں بہنے لگی الٹی گنگا — ہر طرف لیڈری کی آئی ہوئی ہے بہیّا

کہیں چالاک کہیں ہیں بڑے بھولے لیڈر
چھوٹے لیڈر بڑے لیڈر ہیں منجھولے لیڈر

لے لے موٹر نئی اک چاہے وہ خود مٹ کر لے — گھر میں جس طرح بنے بجلی کی رَوفٹ کر لے
جمع دعوت کے لئے ایک ڈنرسٹ کر لے — اور انگریزی میں کچھ تھوڑی سی گٹ پٹ کر لے

جب یہ سامان مہیا ہو تو پھر کیا ڈر ہے
قوم تسلیم کرے گی کہ بڑا لیڈر ہے

زیب تن تا بقدم سر سے ہو کھدر کا لباس — چپّلی پیروں میں ہو جوتوں کی جگہ بارہ ماس
گھومے چرخے کی طرح چاہے نہ ہو سوت کپاس — جُہلا جمع ہوں جب گرد کرو تم بکواس

مجمع عام میں لازم ہے کہ بولے لیڈر
قوم کہہ دے گی کہ ہاں یہ ہیں منجھولے لیڈر

یا بنا لو کوئی کھدّر کی ترنگی جھنڈی — دھاوا اس سمت کرو تم کہ جدھر ہو منڈی
کھاؤ سڑکوں پہ ہوا گشت میں ٹھنڈی ٹھنڈی — جسم نازک پہ ہو گاڑھے کی فقط اک بنڈی

کچھ برہنہ ہوں تو کچھ باندھے لنگوٹے لیڈر
شور ہو جائے گا وہ آتے ہیں چھوٹے لیڈر

لیڈری کے ہیں بہرکیف بہت سے اقسام — ایک وہ جن کا ہے جینے کیلئے لیڈر نام
اک وہ دعوت سے رسپشن سے فقط جنکو کام — اک وہ جو کام کریں اور نہ سوچیں انجام

واقف کار تو کم اور اناڑی صدہا
قوم فٹ بال ہے لیڈر ہیں کھلاڑی صدہا

جس طرف دیکھئے تیار ہے اک ٹیم نئی　　　دل کا انجن تو پرانا ہے پر اسٹیم نئی
یہ سکھاتی ہے فقط اب ہمیں تعلیم نئی　　　نہ عمل کچھ ہو بنے روز اک اسکیم نئی

لیڈری کے لئے اوصاف کی حاجت کیا ہے
دورِ قومی کی بھلا اس میں ضرورت کیا ہے

سب سے پہلے تو یہی چاہیئے زردار بنو　　　پھر کبھی دوست کبھی دشمن سرکار بنو
اک نئی چیز غرض یہ ہے کہ ہر بار بنو　　　کہ نمک ساز بنو گاہ نمک خوار بنو

کام آتا نہیں کچھ بندہ بے زر بننا
شان و شوکت ہی سے بنتا بھی تو لیڈر بننا

قوم کے نام سے لندن کی کبھی سیر کرو　　　قومی سرمائے کا سب خاتمہ بالخیر کرو
خادم کعبہ بنو رخ طرفِ دَیر کرو　　　دوستی غیروں سے اپنوں سے کبھی بیر کرو

قشقہ ماتھے پہ لگاؤ کبھی غازی بن جاؤ
گہ پجاری بنو تم گاہ نمازی بن جاؤ

مادر ہند کے بن کر کبھی لے پالک پوت　　　رشتہ جوڑو کبھی گاندھی سے کبھی کاتو سوت
کبھی تنظیم میں افراد کی ہو کر مبہوت　　　ہند کو سر پہ اٹھا لو کبھی طاری ہو سکوت

گاؤ اک راگ نیا روز پئے خوشحالی
کبھی درباری الاپو تو کبھی بھوپالی

کبھی تکبیر کبھی نغمۂ بے کار سنو　　　قومی افسانہ کبھی قصۂ سرکار سنو
محو کر دو اسے تم دل سے جو اک بار سنو　　　بات مطلب کی جو ہو اس کو غرض بار سنو

جیل میں تم کبھی روٹی بفراغت کھاؤ
شملے کی چوٹی پہ چڑھ کر کبھی دعوت کھاؤ

رنگ گرگٹ کی طرح اپنا بدلتے جاؤ
رخ ہوا کا ہو جدھر آپ بھی چلتے جاؤ
شمع کی طرح غم زر میں پگھلتے جاؤ
الغرض روز نئے سانچے میں ڈھلتے جاؤ
کردو اندھیر بپا بن کے فدائے ملت
قومی اندھے تمہیں کہہ دیں گے ضیائے ملت

شامتِ الیکشن

جمع کردے قرض ہی لیکر ضمانت کے پچاس
دور ہوتی جائے غیرت جب الیکشن آئے پاس
ووٹروں کے ہاتھ جوڑے خوب ہو کر بدحواس
گڑگڑا کر ہر کس و ناکس سے ہو یہ التماس
رہن پیچے کی عوض غیرت مری کر لیجئے
اپنے بچوں کا تصدق ووٹ مجھ کو دیجئے
سنیئے اک صاحب کا قصہ جب ہوئی شامت سوار
یہ ضمانت کرکے داخل بن گئے امیدوار
چھوڑا پیشہ ترک فرمایا جو کچھ تھا کاروبار
کچھ اثاث البیت بیچا کچھ لیا سودی ادھار
مضطرب رہتے تھے یہ نام آوری کے واسطے
گھر سے نکلے ووٹ لینے ممبری کے واسطے
سب سے پہلے ان کو جس ووٹر کے گھر جانا پڑا
شیخ بدھو نام تھا اور تھا جلاہا قوم کا
دھوتی باندھے مرزئی پہنے تنا بیٹھا ہوا
اک بڑا مٹی کا حقہ پی رہا تھا کج ادا
جاتے ہی تسلیم کی جب اس کو باصد احترام
منہ کو ٹیڑھا کرکے بولا "کو ہے بالیکم سلام"
بولے یہ پہلے نہ آیا میں ہوا اتنا قصور
شیخ بدھو آپ مجھ پر رحم فرمائیں حضور
آپ کو والد کہا کرتے تھے بھائی اپنے دور
میں بھتیجا آپ کا ہوں ووٹ لے لوں گا ضرور

بولے بدھو کا کہیو ہم کہا کہکا بوٹ دے ای
بوٹ پہیئے او جو ٹرتے ہم کا دس کا لوٹ دے ی

ساس یہ مینا سیلیٹی ہے نہ جانے گیا بلا   اور تم ممبر جو ہوئی جیہو تو ہمرا پھائدا
ہم کبھو تم کا نہ دیکھا اور نہ تمرے باپ کا   اُوتنے ہی آوت بنا یو بن نہک ہم کا ٹچا
ہوئی گوا ہشیار بڑھوا نم چلے ہو چوٹ دے
کان پکڑا ہم نہ جاؤب اب کہو کا بوٹ دے

ہم یہیں نریا پہ اک دن بیٹھ کے موتا جرا   کاہی ہو جھٹ دے چالان ہمرا ہوئی گوا
جب کو ممبر نہ آوا اور نہ پوچھس کا بھوا   ہم کچہری ما مجسٹریٹ سے اُجر داری کیا
مکڑا جھوٹا ہے صاحب ہم مان یہ پوتا نہیں
سچ کہی مینا سیلیٹی پر کبھو موتا نہیں

جب سرتے دار بولا لائے ہو کو نو گواہ   ہم کہا سسرا جما دروا کہس ہم کا تباہ
ہم جُلاہا آپ کے اور آپ ٹھہرے بادشاہ   کون کہہ کے سامنے موتت ہو صاحب واہ واہ
ہنس کے کہہ دینی مجسٹریٹ سیکھ جی جاؤ بری
رہ گئی منہ بائے کے سب ممبرن کی ممبری

سن لیہو ساری کتھا ویہو کہ ناہیں یہ بتاؤ   بوٹ مانگے آئے ہو ہم سے تو ہم کا کچھ دلاؤ
کر چکن بکواس اب بھیا نہ ہمرا موڑ کھاؤ   کہہ دیا بس کہہ دیا اب جاؤ چپے گھر کا جاؤ
جو رکم تم سے کہا سب پیسگی لے لیب ہم
بوٹ دے موٹر پہ لے جہتو تو ہاں دے دیب ہم

جب میاں بدھو کے تیور اسقدر دیکھے کڑے   دہنے بائیں دیکھ جھٹ قدموں اسکے گر پڑے
دل میں پچھتائے کہ آخر کیوں ہوئے تھے ہم کھڑے   کہیے ایسے جاہلوں سے کیا کوئی کشتی لڑے

آبرو کے ساتھ دے کر پانچ راضی کر لیا
کامیابی پر ہوئے خوش تاؤ مونچھوں پر دیا

آگے بڑھ کر ایک حضرت کا ہوا پھر سامنا ان سے جا کر اس طرح کی عرض باصد التجا
بندہ پرور ایک مذہب ہے ہمارا آپ کا ووٹ دیجئے گا جو مجھ کو آپ خوش ہو گا خدا
ہیں مرے حلقے میں جو جو میرے مذہب کے خلاف
دیکھئے ممبر ذرا ہو لوں تو کر دوں سب کو صاف

مہتران کے در پہ جھاڑو دینے آئے کیا مجال اور سقّا مشک سے نالی دھلائے کیا مجال
ٹیکس گھر والے کا ان پر بندھ نہ جائے کیا مجال لے لیں بمبا گھر میں بے میٹر لگائے کیا مجال
ناچ نگنی کا انھیں اب میں نچاؤں گا حضور
دیکھئے کس کس طرح ان کو ستاؤں گا حضور

خوش ہوئے سن کر جناب مولویِ مکتبی ہاتھ پھیرا ریش پر اور اس طرح تقریر کی
آپ اس کے اہل ہیں میری نظر میں واقعی ذاتِ سامی کو سمجھتا ہوں میں فخرِ ممبری
محترم میں وعدہ قبل از وقت کر سکتا نہیں
فرض ہے ایفائے وعدہ پھر مکر سکتا نہیں

اس جگہ سے اٹھ کے گھر پر ایک صاحب کے گئے دس برس ناکام رہنے پر ہوئے تھے جو بی اے
ریلوے میں تھے ملازم خود بھی تھے چلتے ہوئے آپ کی تنخواہ تو کم ٹھاٹھ تھے لیکن بڑے
انگلش اسٹائل پہ رہنے کا جوان کو شوق تھا
بوٹ بیڑی پاؤں کی کالر گلے کا طوق تھا

پھوس کے چھپّر میں رہتے تھے یہ اس سامان سے اور فرنیچر تو خارج ان کے تھا امکان سے
ٹوٹی پھوٹی کرسیاں لے کر کسی دوکان سے بیٹھے تھے ان پہ وہ چھپّر میں نہایت شان سے

نام اک تختی پہ لکھ رکھا تھا یوں بہر وقار
مسٹر ابراہام۔ بی۔ اے۔ ڈی سی ای آئی آر

دیکھ کر صورت کو ان کی اس طرح کہنے لگے
آئی ایم ویری بزی میک بیسٹ جلدی چلے

پھر ادھر ٹہلے ادھر ٹہلے گھڑی کو دیکھ کے
اپنے کُتّے سے کہا کم سُون ان سے گو آؤٹ

پھر کہا یو آر کنڈیڈیٹ بٹ نو بولڈ مین
تم کو اپنی ووٹ کیسے دیگا صاحب اولڈ مین

چونکہ کنڈیڈیٹ انگریزی سمجھتے ہی نہ تھے
گڑگڑا کر اس طرح صاحب سے فرمانے لگے

یہ تو ممکن ہی نہیں ہے آپ پیدل جائیے
میں نے موٹر مانگ لی ہے آپ ہی کے واسطے

اور کیونکر اس طرح چلیئے گا مجھ کو دیئے ووٹ
کیجئے پاکٹ بک پہ تاریخ الیکشن جلد نوٹ

بات انگریزی نما اردو میں یوں صاحب نے کی
ہم کہا انگلش میں تم سمجھا نہیں او آئی سی

ڈیکھو اپنی ووٹ رکھنی مانگتا ہے ہم فری
کس کو ڈیگا پہلے بتلانے نہیں سکتا کبھی

ہم سٹی فادر نہیں تم کو بنانے مانگتا
ڈیم پھر موٹر پہ ہم کاہے کو جانے مانگتا

ہو کے یہ مایوس جب پلٹے وہاں سے منہ بنائے
دل میں کہتے تھے کہ انکا ووٹ تو جاتا ہے ہائے

سال بھر پہلے بڑے دن میں جو ڈالی دے تو پائے
اب بجز اس کے کوئی صورت نہیں بنتی بنائے

فیس دے کر نرس اک بہر سفارش لاؤں گا
چل گیا چکمہ تو ان سے ووٹ پھر لے جاؤں گا

پھر بڑھے آگے یہاں سے ووٹ کے ارمان میں
گھس پڑے یہ ایک بزرگ قصّاب کی دوکان میں

شعر میں پڑھ کر قصیدہ پہلے اس کی شان میں
چاہتے تھے یہ کہیں کچھ شیخ جی کے کان میں

یوں کنوتی کو بدل کر شیخ صاحب نے کہا
سنیئے حجرت ہم لگی لپٹی نہیں رکھتے جرا

چودھری نے کل کہا تھا ہم سے اے بھیّا شکور
سیکھ منّے جس کو کہہ دیں ووٹ دید بنا جرور

پر مناہی کر گئے جب مولبی عبدالغفور
راپھجی کو ووٹ دے سکتے نہیں ہم تو جرور

سنتے ہیں کُرآن میں پھرما گئے تھے کھُدرسول
دین کی جب بات ٹھہری دکھل دینا بے پھجول

حاجی کتب الدّین بھی کہتے تھے سچی ہے یہ بات
غیر مجہب والے کو لمبر بنانا ناہے بات

سیکھ جی مجھب تمہارا اور ان کی اور جات
ہو کے لمبر وہ کھدا جانے کریں کیا واردات

ہاں کوئی مجھب کا اپنے ہو تو اس کو ووٹ دو
جب تمہیں موکا ملے ایسوں کو بھیّا چوٹ دو

ان کو بز قصاب نے جب دیدیا رو کھا جواب
یہ اٹھے دوکان سے مایوس با چشم پر آب

اپنے ورکر سے کہا جاکر کہ سنیئے تو جناب
آپ ہی تدبیر اب کچھ کیجئے اس کی شتاب

صَرف کی پروا نہیں جو ہو مناسب کیجئے
شیخ جی کے ووٹ کو لیکن نہ جانے دیجئے

دل میں ورکر خوش ہوئے کہنے لگے باصد سرور
اس طرف سے آپ بالکل مطمئن رہیئے حضور

اور لوگوں سے زیادہ صرف تو ہوگا ضرور
تو سہی جب آپ ہی کو ووٹ دیں عبدالشکور

پیر لوٹن شاہ کی خدمت میں جاتا ہوں ابھی
حکم ان کا شیخ جی کے پاس لاتا ہوں ابھی

پیر لوٹن شاہ تھے اک خاندانی تکیہ دار
آنکھ میں سرمہ کئی رتی گلے میں چند ہا

ریش اقدس پان کے دھبوں سے رشکِ لالہ زار
گیروا کرتا گلے میں ہاتھ میں اک پشت خا

زرد تہمد پاؤں میں لکڑی کی اونچی سی کھڑاؤں
گھومتے پھرتے تھے یونہی شہر شہر اور گاؤں گاؤں

پہونچے ورکر ان کی خدمت میں بہ تعجیل تمام — دو روپے نذرانے کے دے کر کیا جھک کر سلام
رض کی ہیں آپ تو حاجت روائے خاص عام — شیخ جی کا ووٹ دلوا دیجئے بس ہے یہ کام

چونکہ حضرت کی ہیں بیعت میں میاں عبدالشکور
آپ فرماویں اگر تو ووٹ دیدیں گے ضرور

آپ کی دعوت کا کل گھر پر کروں گا انتظام — شیخ جی کو بھی بلا لوں گا وہیں پر وقت شام
ذکرہ میں ووٹ کا چھیڑونگا مابین طعام — آپ ان کو حکم دے دیں گے تو ہو جائے گا کام

بولے لوٹن شاہ بابا خوش رہو دعوت قبول
ہم فقیروں کی دعا سے ہوگا سب مطلب حصول

تصر سے ابتدائی واقعہ جو کچھ لکھے — کیا عجب کافی ہوں یہ پبلک کی عبرت کیلئے
س طرح کے ووٹر اور ممبر ہوں جب اس قسم کے — کیئے اس میونسپلٹی سے کسے راحت ملے

ساکنان شہر اب ہشیار ہونا چاہیئے
ممبر اور ووٹر کا کچھ معیار ہونا چاہیئے

بھی کر دو ظریف اب تم بیانِ ممبری — تا بہ کے آخر رہو گے قصہ خوانِ ممبری
ب سے چونکیں ذرا جب سرگرانِ ممبری — پھر سنا دینا انھیں تم داستانِ ممبری

اب سمند فکر کی باگ اور جانب موڑ دو
سونے والے سو گئے قصہ ادھورا چھوڑ دو

شعر آشوب

تجھ میں اے ہندوستاں کچھ آج کل حد سے سوا　　چار سو پھیلی ہوئی ہے شاعری کی اک و با
اس مرض میں اب تو اسّی فیصدی ہیں مبتلا　　مستند شاعر ہے جس نے اک تخلص رکھ لیں

شاعری گو عہدِ ماضی میں تھی پایانِ علوم
اب تخلص میں سمٹ کر آ گئی جانِ علوم

اے عجائب خانۂ ہستی کی جنسِ بے بہا　　عہدِ موجودہ کے شاعر واہ کیا کہنا ترا
تیری کثرت ہر جگہ مردم شماری سے سوا　　تو فرشتہ ہے بشر کی شکل میں اس عہد ک

تجھ کو کھانے سے نہ کچھ مطلب نہ کچھ پینے سے کام
شعر کہہ کہہ کر سنانے اور فقط جینے سے کام

طرح کا مصرع نہیں بجلی کی ہے اک بیٹری　　جڑ دی شاعر میں جہاں اس نے غزل اک ڈھال
دعوتِ شعر و سخن اب دل لگی ہے دل لگی　　سال میں جتنے ہیں دن تعداد ان سے بڑھ گ

جس جگہ شرکت نہ کی جائے وہی آزردہ ہے
سب کو خوش کرتا پھرے شاعر ہی کا دل گردہ ہے

کچھ صعوباتِ سفر ہوتے نہیں مانا تجھے　　صحبتِ شعر و سخن میں فرض ہے جانا تج
کام شب بھر جاگنا مصرع کا دہرانا تجھے　　ہر غزل کی داد دینا اور چِلّانا ت

تیری شرکت لازمی ہر شہر میں ہر گاؤں میں
سر میں سودائے سخن ہے اور سنیچر پاؤں میں

منعقد دیہات میں ہوتی ہے جب بزمِ سخن　　اور بلائے جاتے ہیں اطراف سے کچھ اہل
جب سواری سے اترتے ہیں اسیرانِ محن　　ان کا استقبال یوں کرتے ہیں اہل انج

پہنے قربانی کے بکرے کی طرح گردن میں ہار
انکے بڑتے ہیں جو ہوں شعر و سخن کے جاں نثار

پھر اقامت گاہ کی جانب بصد جاہ و جلال — بڑھتا ہے آہستہ آہستہ گروہ باکمال
گرد مجمع طالبان دید کا خوش اور نہال — کچھ جواں کچھ بوڑھے کچھ بچے بھی ان میں خردسال

آگے آگے ڈھول تاشے پیچھے دہقانی گنوار
داہنے بائیں گل افشاں پھلجھڑی اور کچھ انار

بعض اس مجمع میں سنجیدہ ہیں بعضے بانگرو — دیکھ کر ان سب کو کرتے ہیں یہ باہم گفتگو
کاہے ہو بھیا بساون تم کا بتلائیں کو تو — جن کی نتھی ماں پڑے ہیں ہار سب سلو ہیں یو

کا طبلیا اور سرنگیا لوگ ان کے ساتھ ہیں
پھر گھس گئیہی ہیں گجل یو سب تو کھالی ہاتھ ہیں

سوکھو ماں آئن رہے اب ہم نہ دیکھب برات — بن پتریلے کے بھلاے پھل کہ یہ کو نو ہے بات
یو تو اپنی سیر کھاتی ماں گویئے ہیں ساری رات — ہم سکھت کاہے کا جاگی موڑے ہمرا برات

یوں اگر نچیں تو ان سب کا انیلا ناچ ہوئی
سمہرا ماں نبے پتریا پھس پھسیلا ناچ ہوئی

ان میں دیہاتی بھی اک شاعر تھے علامہ فہیم — نام نامی آپ کا تھا مولوی عبدالکریم
گو زمینداری کے بک جانے سے تھی حالت سقیم — تھی طبیعت پر سکوں اس سے کہ کھاتے تھے افیم

آپ جب مکتب میں پڑھتے تھے تبھی سے شوق تھا
بیت بازی شاعری دونوں سے انکو ذوق تھا

سر پہ پہنے کان کی لوتک پریشاں تا بسر — اک دو بنی ٹوپی اونچی سی پرانی زیب سر
ٹانگ میں بر دار پاجامہ انگرکھا جسم پر — کھچڑی داڑھی بیچ سے آدھی ادھر آدھی ادھر

ہاتھ میں ڈنڈا نری کا اک چڑھواں پاؤں میں
آپ رہتے تھے وہیں اجڑے ہوئے اک گاؤں میں

تھے رسیپشن کی کمیٹی کے یہی روحِ رواں
بہر استقبال یہ تشریف لائے تھے وہاں

آپ ہر شاعر سے مل ملکر یہ کرتے تھے بیاں
شاعران نکتہ پرور میں بھی ہوں اہل زباں

تین سو غزلیں لکھیں میں نے مضامینوں کیساتھ
انشاء اللہ آج سنیئے گا سخن بینوں کے ساتھ

یوں تو اس قصبے میں کہنے کو بہت استاد ہیں
آپ لوگوں کی دعا مجھ سے کم استعداد ہیں

میری غزلیں ایکٹروں کو رنڈیوں کو یاد ہیں
میں کہوں کیا آپ سے جب آپ سب نقّاد ہیں

یہ ذرا واقف نہیں دہقانیانِ بے کمال
ہم سے پوچھیں تو بتاویں انکو شعراؤں کا حال

یہ بھی ہے شاعر کے ذمے اک ضروری ور کام
جب غزل پڑھنے شریک بزم ہو یہ نیک نام

اپنے جوتوں کا کرے اپنی بغل میں انتظام
ورنہ ننگے پیر گھر آنا پڑے گا والسلام

بزم میں کچھ قدرداں اس قسم کے آجائیں گے
چھانٹ کر اکثر نئے جوتے چُرا لے جائیں گے

اک کبڑ یا سن کے یوں کہنے لگا اظہار رائے
یہ تو ساعر تھا پھسڈی اور بڑھیا کوئی آئے

جو گجل میں جلف کا ماسوک کی نکسا دکھائے
ہم سے سوکھینوں کے دل پر کچھ رعاب اپنا جمائے

ڈانٹ کے للکار کے ہر ایکسا مےپھل میں پڑھے
جو گجل ہو کے یہ کہہ ڈالے مکابل میں پڑھے

بھائیو نو کار ساعر اس میں ہو چاہے گُر بیچ
راگ ہیں اور راگنی ہیں چاہیئے اس کو تمیـ

جو کھیتی اور بڑ ہیتی جانتا ہو دونوں چیج
آج کل مےپھل میں ہوتا ہے وہی ہر دل اجـ

آسک و ماسوک کی کھود بھی ادا دکھلائے جو
چوٹ دل پر پڑے کے سبب پھل کو بس گرمائے جو

بھائی مولا بکس جس بستی میں ہم آباد ہیں
اس جگہ ساعر بڑے بڑھیا ہیں مادر جاد ہیں
ان سبھوں میں سیکھ بدلو اک جگت استاد ہیں
انکو ہر موکے کی گجلیں منہ جبانی یاد ہیں
جس جگہ استاد نے دو تین گجلیں جھاڑ دیں
ساعروں نے ہو کے سرمندہ بیاجیں پھاڑ دیں

نام تو ہے سیکھ بدلو اور تکھلّس ہے بدل
کیا کہیں اللہ کا ہے ان کے اوپر کیا پھجل
کاپھیئے ایسے ملاتے ہیں وہ بڑھیا اور ڈبل
ایک گھنٹے میں کہو سو سیر کی کہہ دیں گجل
بھور کر دیں وہ کہیں پڑھنے جو بیٹھیں سام سے
کانپتے ہیں اور ساعر لوگ ان کے نام سے

یہ نمائس میں ابھی دیوے گئے تھے پار سال
ایک حکّانی گجل ایسی سنائی بے مثال
حاکم اور ستے سیلدار ایسے ہوئے سن کے نہال
دبدیا تمگا انھیں سونے کا جھٹ بے کبل و کال
اور جو ساعر نمائس میں گئے پھس ہو گئے
بس جگت استاد بدلو گول ٹدس ہو گئے

پیسے والوں کی سمجھ میں آ گئی ہے اب یہ بات
صرف بیجا ناچ گانے کا ہے بالکل واہیات
جب کوئی جلسہ خوشی کا ہو کہیں پر ہو برات
منعقد بزم سخن ہوتی ہے تا کٹ جائے رات
پہلے ارباب نشاط آتے تھے گانے کے لئے
اب تو شاعر جاتے ہیں غزلیں سنانے کے لئے

احمق پھپھوندوی

مصطفیٰ خاں نام کے ایک شاعر تو غالب کے مربی اور جلیس نواب شیفتہ تھے۔ دوسرے اسی نام کے شاعر پھپھوند ضلع اٹاوہ کے رہنے والے تھے۔ جنھوں نے بہ کمال عقل بصیرت احمق تخلص اختیار کیا۔ بیسویں صدی کے آخر میں جب پیدا ہوئے اور ۸ ر اگست ۱۹۵۷ء کو انتقال فرمایا۔ پھپھوند میں ایک شورے کی فیکٹری قائم کر رکھی تھی۔ لیکن سیاسی رجحانات کی بنا پر ان کا کاروبار قائم نہ رہ سکا۔ ۱۹۲۱ء، ۱۹۲۲ء میں تحریک خلافت و کانگریس میں شامل ہو کر قید و بند کی مصیبتیں برداشت کیں۔ غیر ملکی حکومت سے نفرت ان کے رگ و ریشہ میں پیوست تھی۔ فرقہ پرستوں کے خلاف انھوں نے بہت کچھ کہا ہے۔ جیل خانے کو بار بار سسرال کہہ کر اپنے غصے کی آگ کو فرو کرنے کی کوشش کی ہے۔ فیض آباد، آگرہ لکھنؤ اور مختلف جیلوں میں قید کی مشقت برداشت کی۔ وہاں مشاعرے بھی ہوتے رہے اور آپ جی بھر کر اغیار کے جور و استبداد کو مطعون کرتے رہے۔ مغربی تہذیب کی ہر بظاہر خوش آئند مگر ناگوار دین کا مذاق آپ نے اڑایا۔ جی حضوریوں، خان بہادروں، رائے صاحبوں کے ساتھ ساتھ انھوں نے نمائشی ملاؤں اور پُر فریب مذہبی رہنماؤں پر پھبتیاں کسی ہیں۔ آزادی وطن کی خاطر لڑنے والوں کی معتدل انداز سے تعریف کی ہے۔ آپ نے کلب، کونسل، کالج، مسیں، لونڈر، کالر، ٹائی، ڈارون اور نئی تہذیب کی بہت سی عام علامتوں کو موضوع تمسخر بنایا ہے۔ گندم نما جو فروش لیڈروں کی بری گت بنائی ہے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ احمق کے طنز و مزاح میں استہزا نہیں اگر ان کے کلام کو ان کے سیاسی اور سماجی نقطہ نظر سے پرکھا جائے تو وہ کسی کی دل آزاری بھی نہیں کرتے۔

اکبر الہ آبادی کے بعد اردو میں کامیاب طنز نگاری میں احمق کا حصہ ہے۔ لیکن احمق کا سماجی اور سیاسی شعور اکبر سے کہیں زیادہ بیدار ہے۔

بڑے ہنس مکھ اور وضعدار انسان تھے۔ کھدر پہنتے تھے۔ خشخشی داڑھی، بڑی بڑی مونچھیں ہاتھ میں عصائے موسوی، میانہ قد اور ذرا گداز جسم، چمکتی ہوئی دلفریب آنکھیں لہجے میں نرمی، گفتار میں اعتدال، یاروں کے یار، ریاکاروں کے دشمن، خوشامد اور تملق سے کوسوں دور رہتے تھے۔

تقسیم ملک کے بعد اسد ملتانی جو بذات خود بڑے صالح انسان اور لطیف طنز و مزاح کے مالک تھے پاکستان چلے گئے۔ احمق سے انھیں تعلق خاطر تھا۔ انھوں نے ایک نظم لکھی جس کے آخر میں یہ لکھا کہ ہمیں پاکستان آکر ایک ہی افسوس ہوا ہے ــــ کہ "احمق رہ گئے ہندوستان میں"۔

احمق صاحب کب خاموش رہ سکتے تھے۔ انھوں نے جواب میں ایک نظم لکھی ــ کہ اسد اور احمق تو یک جان و دو قالب ہیں۔ احمق محض جسمانی طور پر الگ ہیں روح تو اسد ہیں اس لئے احمق کے ہندوستان میں ہونے کا غم نہ کرو۔ ع

کہ اصل احمق تو پاکستان میں ہیں

آخر عمر میں انجمن ترقی اردو ہند سے وابستہ ہو گئے تھے اور مداح تخلص کرنے لگے تھے۔ آپ کے کلام کے چار مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ "زندان حماقت، سنگ و خشت، نقش حکمت، جوش و عمل" آپ کے کلام کا دلچسپ انتخاب آئندہ صفحات میں پیش کیا جاتا ہے:۔

بجا ارشاد ہوتا ہے جناب حضرت واعظ
کہ ہے ہندوستاں میں آجکل اسلام خطرے میں

جو اس ارشاد عالی کو غلط جانے وہ کافر ہے
کہ ہے اب فرقہ بندی کے مشن کا کام خطرے میں

وقار قومی وملّی کو بے شک ہے قوی خطرہ
اگر آن قبلہ کا ہے خلعت وانعام خطرے میں

یہ سب خطرے بجا لیکن جناب قبلہ و کعبہ
نظر آتا ہے مجھ کو آپ کا انجام خطرے میں

صداقت کے یہی معنی ہیں موزوں اس زمانے میں
کہ چکّی پیسیئے اور موج کریئے جیل خانے میں

پچھتّر لاکھ اک بیکار مد میں صرف کردیں گے
رعایا کے لئے کوڑی نہیں جن کے خزانے میں

یہ ہلّڑ اس قدر ہڑبونگ اتنی چپقلش توبہ
تری محفل میں ہوں ہیں یا کسی بھٹیار خانے میں

رہائی ملی گی جب بن گئے سرکار کے مخبر
سزا پائی تھی ہم نے ایک دن جوتے چرانے میں

نگاہ یار کی آتش فشانی کیا کہ ہے کامل
ہماری آہ کا ایرو پلین بھی بم گرانے میں

نئی حد بندیاں ہونے کو ہیں آئین گلشن کی
کہو بلبل سے اب انڈے نہ رکھے آشیانے میں

خدا جانے میاں احمق کہاں ڈال آئے ہیں ڈاکہ
کہ آدھی رات سے جکڑے ہوئے بیٹھے ہیں تھانے میں

کیا ہوا ہم کو اگر نانِ شبینہ بھی نہیں — آپ کی خاطر تو اے صاحب ڈنر موجود ہے
اللہ اللہ کس قدر سہمے ہوئے رکھتے ہو پاؤں — خاکِ عاشق کیا ہے گویا جرمنی بارود ہے
کہتے ہو کھا جائینگے کچّا ترے دل کو یہ کیا — وہ بھی ہے ناشپاتی ہے کوئی امرود ہے

پوچھتے کیا ہو کہ احمق کون ہے میں کیا کہوں
دیکھ لو خود وہ تمہارے سامنے موجود ہے

کس طرح سے پھر لڑکے ایمان پہ رہیں قائم — وہ برقِ کلیسا جب اسکول میں پکچر دے
سن پاتے ہیں جب کوئی وہ بات لطیفے کی — فرماتے ہیں احمق سے تو نظم اسے کر دے

یہ مغربی لٹیرے خونخوار بھیڑیے ہیں — اے اہلِ مشرق ان کو جس طرح ہو نکالو
جب غیر نے نکالا تو اب مرے گھر آئے — بندہ نواز بخشو بس جاؤ راستا لو

ہے آج تک تو احمق فرزانۂ زمانہ
اب تم نئے انوکھے اسکو گدھا بنا لو

بھاگنے کی نہ یہاں راہ نہ پٹنے کی سکت — آہ لائی ہے کہاں حسرتِ دیدار مجھے
آج کل مدِ نظر ہے مجھے صحت کا خیال — ورنہ پینے سے تو ہرگز نہیں انکار مجھے
خدمتِ قوم فروشی کو دعا دیتا ہوں — ورنہ اک عمر سے تھی حسرتِ دربار مجھے
یہ حکومت نہیں اکسطرح کی قزّاقی ہے — لوٹنے ہی کے لئے آئے ہیں سرکار مجھے

جیل خانے میں ہوں سسرال کی مانند احمق
کوئی تکلیف یہاں پر نہیں زنہار مجھے

یہ عزت کوئی کم ہے شیخ صاحب جس پہ مرتے ہیں
کلکٹر بھی جب ان سے ملتے ہیں شیک ہینڈ کرتے ہیں
کھڑے ہو کر جنھیں پیشاب کرنا بھی نہیں آتا
وہ ناحق کرسیوں پر بیٹھنے کی مشق کرتے ہیں
یہ شوخی یہ شرارت یہ دل آرائی کہاں ان میں
مسوں کے چاہنے والے کہیں حوروں پہ مرتے ہیں
وہ گل رخسار جن کے باغ میں بلبل چہکتے تھے
اب انکی قبر کا سبزہ گدھے اور بیل چرتے ہیں

گئے وہ دن کہ چمپا اور نرگس کی بہاریں تھیں
بس اب یا سینٹ ہے اس انجمن میں یا لونڈر ہے
مری آنکھوں میں نقشہ کھنچ رہا ہے مہ جبینوں کا
مرا جذب تصور کیا ہے اک فوٹو گرافر ہے
وہی پرچے وہی فکریں وہی سب کام اے احمق
فتح گڑھ جیل کیا ہے کانگرس والوں کا دفتر ہے

پڑھ کے انگریزی دماغ اس کا فلک پر ہو گیا
جانتا ہے خود کو باورچی کہ "بٹلر" ہو گیا
جب خدمت پالیا ملت فروشی کا صلہ
کوئی ڈپٹی بن گیا کوئی کلکٹر ہو گیا
تم سمجھتے ہو یہاں بھی ہم نکل جائینگے صاف
عرصۂ محشر نہ ٹھہرا غیر کا گھر ہو گیا
کیا یہی عہد وفا ہے او بُتِ پیماں شکن
جمعہ کا اقرار اور اس کو سنیچر ہو گیا
کچھ بچا بھی پیٹ سے ہم بے نواؤں کو تو وہ
نذرِ جاپان و فرانس و مانچسٹر ہو گیا
میں مرقع ہو کے کوٹ و مفلر و پتلون سے
آدمی تو کیا بلا تشبیہ بندر ہو گیا
اسقدر خوش ہیں میاں احمق کہ جسکی حد نہیں
جیل خانہ ان کو گویا خسر کا گھر ہو گیا

اللہ رے میرے نامۂ مخفی کی تباہی — اب غیر کے ہاتھوں میں ہے سنسر سے نکل کر
دراصل جو پوچھو تو اب اسرارِ ترقی — کھدر میں ہیں نکٹائی و کالر سے نکل کر
اندر ہی سے تم مجھ کو سناؤ گے ہزاروں — یا آؤ گے باہر بھی ذرا گھر سے نکل کر
ہوتی ہیں سراسر غلط اور جھوٹ جو خبریں
آتی ہیں وہ ریوٹر ہی کے دفتر سے نکل کر

نہ دیکھوں میں تمھیں مجھ سے تو ایسا ہو نہیں سکتا — جسے آنکھیں خدا نے دی ہیں اندھا ہو نہیں سکتا
خیالِ کونسل بھی شیخ کو ہے پاس مسجد بھی — یہ بیچارہ دو عملی میں کہیں کا ہو نہیں سکتا
ہمیں ان مدرسوں سے جو ملیگا ہم سمجھتے ہیں — مگر یہ ہے تمھیں قلبوں کا ٹوٹا ہو نہیں سکتا
ابھی سے کیا ضرورت پڑ گئی راؤنڈ ٹیبل کی
ابھی تو فیصلہ میرا تمہارا ہو نہیں سکتا

پالسی اکی ملک میں بھرمار رہنے دیجئے — بادشاہت کیجئے بیوپار رہنے دیجئے
ہیڈر کر دیجیے عدو کو شہر میں لیکن مجھے — گاؤں کا اپنے ہی چوکیدار رہنے دیجئے
شیخ صاحب آپ پر کھلتا نہیں پتلون ہو کوٹ — بس وہی انگا وہی شلوار رہنے دیجئے
مجھ کو اپنا شست رو چھکڑا ہی کافی ہے حضور — آپ اپنی تیز موٹر کار رہنے دیجئے
دوڑتا آئے گا احمق آپ کا خط دیکھ کر
اس کو کارڈ بھیجدیجئے تار رہنے دیجئے

کونسل میں شیخ جی پہنچے جو اٹھلائے ہوئے — خوف سے شیطان بھاگے ٹھوکریں کھاتے ہوئے
باوجود اس اتقائے خاص کے بھی شیخ جی — بارہا پکڑے گئے ہیں اسکے گھر جاتے ہوئے

کیا سدیشی تارپیڈو میں نہیں اتنا بھی زور ڈوب جائیں مانچسٹر کے جہاز آتے ہوئے
خبطِ کونسل نے دوالا ہی دیا ان کا نکال نذر آخر سیٹھ جی کے سب بہی کھاتے ہوئے
ریل گاڑی میں لکھی ہے ہم نے احمق یہ غزل
فتح گڑھ سے آگرہ کی جیل کو جاتے ہوئے

صلۂ قوم فروشی کی تمنا ہی رہی مر مٹا شیخ خوشامد میں مگر خان نہ ہوا

وفا کا امتحان گو سخت تھا لیکن میاں کلّو خدا کا شکر ہے کالج میں سب سے فرسٹ آئے ہیں
خدا توفیق دے اصلاح کی ان ماڈریٹوں کو یہی حضرات سارے ملک میں ہلّڑ مچائے ہیں
رہا کرتا ہے شعر و شاعری کا رات دن چرچا
مزے میں ہیں ہم احمق آگرہ میں جب سے آئے ہیں

چلا ہے او دلِ کونسل طلب کیا شادماں ہو کر زمینِ کوچۂ آنر رنج دے گی آسماں ہو کر
کوئی نامہرباں ہو کر بھی اتنا کر نہیں سکتا کیا ہے آپ نے جو بندہ پرور مہرباں ہو کر
کبڈّی اور اکھاڑے کی بدولت جیلخانے سے اسیرانِ وطن نکلیں گے اک دن پہلواں ہو کر
بسنتی رنگ میں ڈوبا ہوا ہر شعر احمق کا
ہنسا دیتا ہے روتوں کو بھی کشتِ زعفراں ہو کر

کشتیٔ دل کی بحرِ آنر میں لاٹ صاحب نے ناخدائی کی
جوتے کھائیں گے صورتِ نمرود ہے جنہیں آرزو خدائی کی
وہ جنازے پہ میرے کہتے ہیں اب کہو کس نے بے وفائی کی

دل کیا ہم نے نذر لائڈ جارج　　کیسے کھوسٹ سے آشنائی کی
منڈ گیا جا کر اس کے کوچے میں　　کیا حجامت ہوئی ہے نائی کی
سچ تو یہ ہے کہ شیخ جی تم نے　　ناک کاٹی ہے پارسائی کی
جیل کے بعد پھر کہاں احمق
صحبتیں جوزف وڈ سائی کی

آنکھوں نے رو کے نام ہی بالکل ڈبو دیا　　گنگا کا گھاگرا کا اٹک کا چناب کا
شیخ اشتہار بانٹتے پھرتے ہیں شہر میں　　نیلام ہونے والا ہے ٹھیکا شراب کا

مطلب یہ ہے کہ میں تو جلوں وہ ہوں خرّو　　سگرٹ مجھے ہے اور رقیبوں کو پان ہے
اس چشمِ مست پر بھی تو پکیٹنگ چاہیئے　　وہ بھی تو اک کھلی ہوئی مے کی دکان ہے
اعزاز بھی خطاب بھی بسکٹ بھی چائے بھی
سچ پوچھیئے تو غیر بڑا بھاگوان ہے

صاحب بہادروں سے بہت بھاگتا ہے دل　　اب اسکوڈ بم فول کا خوگر بنائیں گے
ہے بزمِ مے میں حاجتِ اربابِ زہد بھی　　ہم اس کلب کا شیخ کو ممبر بنائیں گے
احمق ہے جیل خانہ بھی کیا لطف کی جگہ
ہم اس میں کانگریس کا دفتر بنائیں گے

میں اور دل تم کو دیدوں یہ کہا کیا　　عدو کی طرح ہوں میں بھی گدھا کیا
سب ان کی قدر دانی ہے وگرنہ　　مرا دل کیا ہے دل کا مدعا کیا

بڑے صاحب نے پوچھا ہے ہمیں آج / نہ پوچھو اب ہمارا پوچھنا کیا
ہمارا دل ہے ہم چاہے جسے دیں / میاں ناصح تمہارے باپ کا کیا
چلے کالج سے پہنچے کونسل میں / ہماری ابتدا کیا انتہا کیا

مرے خط کے عجب معنی تراشے
لکھا کیا تھا رقیبوں نے پڑھا کیا

سنا ہے جاتے ہیں اب اگرہ سے فیض آباد / سکوں ہمیں کبھی "احمق میاں" نہیں ملتا

شیخ جی اس میں تہجد کی کرامت کچھ نہیں / پانیر نے آپ کو مشہور عالم کر دیا
ملزم الفت اگر میں تھا تو مجھ کو مارتے / آپ نے راشن مرا کس واسطے کم کر دیا

نزع میں بھی ہے مجھے حرمت صاحب کا خیال / اب بھی کچھ منہ سے نکلتا نہیں یس سر کے سوا
وہ مرے دل سے جو نکلیں تو کہاں جائیں کہ اب / دوسرا گھر بھی نہیں ہے انہیں اس گھر کے سوا
حسن فیشن کے لئے سخت ضرورت ہے کہ کچھ / حسن صورت بھی ہو نکٹائی و کالر کے سوا
یہ مزید انکی عنایت ہے کہ عاشق ہے وہ اب / بدھ کو بھی مل لیا کرتے ہیں سنیچر کے سوا

جن دماغوں میں بسی ہے نئی تہذیب کی بو
عطر کیا بھائے گا اب ان کو لونڈر کے سوا

خیال اسکے گیسو کا دن رات ہے / ہمیں جیل میں بھی حوالات ہے
نہیں کوئی بدخواہ ملک و وطن / مگر جن کو حرص خطابات ہے

سارے جہان کا حال زمانے کی داستان
خط کیا ہوا رقیب کا اخبار ہو گیا
یورپ میں پالیسی کا خزانہ تھا جس قدر
ہندو عراق و فارس و تاتار ہو گیا

شکل آثر نظر نہیں آتی
میری امید بر نہیں آتی
کیا سبب ہے کہ اسکے کوچے سے
میرے دل کی خبر نہیں آتی
قدرِ موزوں کو جانتا ہوں مگر
شاعری مجھ کو کر نہیں آتی
سچ تو یہ ہے کہ آپ کو سچ بات
حضرتِ پانیسر نہیں آتی
ہم اسے دیکھتے ہیں آٹھ پہر
جس کی صورت نظر نہیں آتی
پڑھتے ہیں کالجوں میں ساری عمر
قابلیت مگر نہیں آتی
شیخ کی طرح وعظ فرما کر
مجکو جیب اپنی بھر نہیں آتی
ٹھوکریں کھا کے بھی مری تقدیر
کیا ہے جو راہ پر نہیں آتی
زخمِ دل کی بھی دیکھ بھال تجھے
ابھی اے چارہ گر نہیں آتی
ہجر میں تھی جو بات اے احمق
وصل میں کیوں نظر نہیں آتی

یہ بتاتا ہے کہ ہند آزاد ہونے کو ہے اب
قید میں ہونا جناب ابوالکلام آزاد کا
ختم ہونے کو ہیں احمق دوستوں کی صحبتیں
آگرے سے کوچ ہونے کو ہے فیض آباد کا

کیوں جیل میں نہ ہر سو نعرے لگیں خوشی کے
درشن ملے ہیں قسمت سے راِمداس جی کے
طالب ہیں کونسل کے خواہاں ہیں ممبری کے
ہیں شیخ جی میں سارے اوصاف بندگی کے
ہم جی حضوریوں کو سمجھیں برا تو کیوں کر
کتے سہی مگر ہیں انگریز کی گلی کے

ایمان سے ہاتھ دھویا مذہب پہ لات ماری　　اے کاش ہم نہ پڑتے پھندے میں نوکری کے

نکلیں گے جیل سے ہم احمق سوراج لے کر

بیٹھے ہوئے وظیفے پڑھتے ہیں شانتی کے

برٹش کی عنایت سے جاتے ہیں بڑے گھر ہم　　بھولیں گے نہ اب احمق بائیس دسمبر ہم

یہ ہمیں جیل کا لباس ملا　　یا سورج آشرم کا پاس ملا

یہ سمجھ کر بھی بغیر اس بزم کے سیری نہیں　　ان کے ہاں کتے کی عزت ہے مگر میری نہیں

انھوں نے احمق مخبوط کو دیکھا تو فرمایا　　ہمارے چاہنے والوں کی صورت ایسی ہوتی ہے

اٹھتے اور کاتئے تُستلی احمق　　جیل خانہ ہے یہ سسرال نہیں

فتح گڈھ کی جیل میں بولا تھا الّو ایک دن　　آگرے بھیجے گئے ہم لوگ فوراً جسکے بعد

ہیں یہاں بھی آج انھیں حضرت کی نغمہ سنجیاں　　دیکھئے ہو کس طرف کا کوچ اپنا اسکے بعد

مٹا کر مجھے سخت پچھتایئے گا　　پھر ایسا بھی احمق کہاں پایئے گا

ذرا پاس وعدے کا فرمایئے گا　　ضرور آیئے گا ضرور آیئے گا

یہ منڈی محبت کی ہے حضرت دل　　جہاں جائیگا ٹھگ کے جا بیٹھیے گا

نکالا تو ہے یا نو بی بی نے گھر سے
میاں ہاتھ ملتے نہ رہ جائیے گا
زیادہ نہیں چھیڑ احمق سے اچھی
اب الجھئے کا اس سے تو پٹ جائیے گا

ملک میں راستے ہیں دو اب جو تجھے پسند ہو
یا سوئے جیل خانہ چل یا سوئے وائسرائے جا

نوجوانوں کو مراق کالر و ٹائی نہ تھا
کیا زمانہ تھا کہ ان کا دل کلیسائی نہ تھا
مونڈتا ایسا کہ سر میں ایک بھی رہتا نہ بال
خیر گزری چاہنے والا ترانائی نہ تھا

بہائیں بھائیوں کا خون تب ہم باوفا ٹھہریں
بہت دشوار ہے ان کے نمک کا حق ادا ہونا
عدو کی موت کا مجھ کو یقین آ ہی نہیں سکتا
ابھی باقی ہے احمق جب تک اسکا فاتحہ ہونا

اگر ہندوستان سے قصد فرمائیں وہ رخصت کا
ابھی ہم انکو سیدھا پاس دلوادیں ولایت کا
مسانِ سیم تن ہوں اور ہوٹل کی بہاریں ہوں
نہ گرویدہ میں حوروں کا نہ خواہشمند جنت کا

جفائے مسلسل بنا دے نہ قیما
ضروری ہے اب عشق میں جان بیما
ملاقات کی صورت ان سے کہاں تھی
بڑے کام کی چیز نکلا سنیما
ابھی جمع ہے بینک میں کیش جب تک
غلط ہے کہ ہو عشق کا جوش دھیما

وصل کی شب کیا ہے برگشتہ مقدر ہو گیا
جس پہ آنے کو تھے وہ ہوڑ ہی پنجر ہو گیا

تھا جو پلّے دو ہی پھیروں میں برابر ہو گیا
ریس کا سرکل ہری قسمت کا چکر ہو گیا

شکر ہے کوتے وفا کی ٹھوکریں کام آ گئیں
پا تو ٹوٹے لیکن آخر کار میں "سر" ہو گیا

آج کل اس فن میں ہے سب سے زیادہ دستِ غیب
کھل گئی قسمت جہاں انسان لیڈر ہو گیا

میں نے ہی احمق گدھا ہونے پہ کر لی اکتفا
ورنہ آخر ڈارون بھی تھا جو بندر ہو گیا

باین ملت فروشی بھی بڑے صاحب کے دفتر سے
میاں کلّو کو خوشنودی کا پروانا نہیں آتا

حکایت رولٹ بل کی یا کہانی مارشل لا کی
تجھے احمق کوئی دلچسپ افسانا نہیں آتا

ستم کے طور نہ بنتے تھے تجھ سے کیا اے چرخ
کہ تو نے شیوۂ انگریز اختیار کیا

جیل خانے کے چنے جس کبھی چاب لئے
پھر وہ صاحب سے مٹن چاپ کا خواہاں نہ ہوا

مرتے ہیں ہر سال فاقے سے کروڑوں آدمی
ہند پر برٹش کے احسانات کو دیکھو ذرا

جس طرح ہم چاہتے ہیں یوں نہیں ملتا سوراج
دوسرے ملکوں کے بھی حالات کو دیکھو ذرا

کس قدر آزادیاں پبلک کو ہیں اس راج میں
غور سے دفعات تعزیرات کو دیکھو ذرا

کیوں چلے آئے اِدھر یہ لوگ کالج چھوڑ کر
ریل پر قلیوں کی اس بہتات کو دیکھو ذرا

کوئی قیمت ہی نہیں اس درجہ سستا کر دیا
میرے دل کو جرمنی کا مارک گویا کر دیا

نامہ بر تجھ پر خدا کی مار یہ کیا کر دیا
میں نے خط کس کے لئے بھیجا کسے جا کر دیا

اپنی دانائی کے باعث تو نے احمق سچ یہ ہے
اپنی نادانی میں بھی اک رنگ پیدا کر دیا

دکھاتا ہے تماشا مونڈنے میں کس صفائی کا — مگر شاگرد ہے وہ بت کسی ہشیار نائی کا
سیادت کا بھرم ہے اب نہ احمق میرزائی کا — اگر کچھ ہے تو بس کے سی کا ہے یا ایس آئی کا

خفا مجھ سے ہیں شہر کے ایک ممبر — بس اب میری موری کا چالان ہوگا
کہاں جائے گا ہند سے سامراج اب — یہیں دفن کا اس کے سامان ہوگا
سناؤ نہ اپنی ہزیمت کا قصہ — کہ بے چارہ ربوٹر پریشان ہوگا

کرے گا یقین ان کے وعدے کا احمق
تجھی سا اگر کوئی نادان ہوگا

میری نیت بھی ہے توبہ کی جناب زاہد — صرف یہ ہے کہ پہننا ہے ابھی بھادوں کا
دیکھئے ایک صدی بعد کہاں ہو دنیا — عہد سائنس ہے اور زور ہے ایجادوں کا

کوئی ہوا کے سی۔ ایس۔ آئی کوئی سوئے انڈمان سدھارا
کسی کو لطف و کرم سے لوٹا کسی کو جور و ستم سے مارا

صاف کہہ دو گر نہیں ملتا یہ ٹر جائے ہو کیوں — آج کل ہی ہوتے ہوتے اک مہینا ہو چکا
اک طرف قحط و فلاکت اک طرف ٹیکس و پولیس — ہے اگر جینا یہی بھائی تو جینا ہو چکا

اس کو بھی کبھی انجمن مے میں پلاؤ   سب ہوتے ہیں واعظ ہی بچارا نہیں ہوتا
تنخواہ بھی سوغات بھی ڈالی بھی ڈنر بھی   صاحب کا مگر پھر بھی گزارا نہیں ہوتا

کارنیول نے نہ چھوڑا ایک پیسہ جیب میں   آج ناغہ حضرت احمق سنیما ہو گیا

لغو ہے قرقی و وارنٹ کا شکوہ کرنا   قرض لینا تو مہاجن کا گلہ کیا کرنا
اپنے دعوے یونہی منواتے ہیں قوت والے   ہے غلط جرمنی و روس پہ غصّا کرنا
آپ اپنی بھی تو کہئے جو ملے احمق سے
اس بچارے کی حماقت کا گلہ کیا کرنا

جو خانساماں کے ناز اٹھائے تو اردلی کا عتاب دیکھا
نہ پوچھ اے شوق جی حضوری کہ ہم نے کیا کیا عذاب دیکھا
عجیب، کالج ہے عشق کا بھی نہ جس میں ڈپلوما ہے نہ ڈگری
ہمیشہ ناکام اس کو پایا جسے یہاں کامیاب دیکھا
کوئی ہے گونگا کوئی ہے بہرا کوئی ہے لنگڑا کوئی ہے لولا
جسے بھی دیکھا ترا فدائی تری طرح لاجواب دیکھا

کوئی ہے رائے صاحب کوئی ہے خان بہادر   ملت فروشیوں نے بخشے خطاب کیا کیا
زاہد بھی مولوی بھی صوفی بھی مجتہد بھی   بزم فرنگ میں ہیں مست شراب کیا کیا

دوزخ اے زاہدِ مغرور ہے پھر کس کیلئے   واقعی تو بھی اگر داخل جنت ہوگا
آپ احمق سے تکلف نہ برتئے مری جان   ورنہ وہ بھی کبھی مجبور حماقت ہوگا

سارے جہاں کی قیمت ہندوستاں ہمارا
یہ ہے اگر ہمارا سارا جہاں ہمارا

پیدا کرے گا لیلی و مجنوں کہاں تلک
کالج خدا کے واسطے بس اب بدل نصاب
جائز ہے مال مفت تجھے شیخ جس طرح
رندوں کو بھی ہے مفت کی جائز یونہیں شراب
کس طرح بولے نہ لندن کی صدا پر رائٹر
اک یقینی امر ہے سیٹی پر تیتر کا جواب

خوش نوایانِ چمن کی زندگی آفت میں ہے
ایک سو چوبیس لگ جائے کہیں صیاد پر
کتنے سادہ لوح ہیں احمق اسیرانِ قفس
مطمئن ہیں ایک جھوٹے وعدہ صیاد پر

یوں خوش ہیں سب کو اپنا طلبگار دیکھکر
جیسے طبیب شہر کو بیمار دیکھ کر
غافل ہوا ہیں اور نراشی انھوں نے حبیب
خاموش ہیں ابھی مجھے ہشیار دیکھ کر
بیمار غم کی موت کا تھا سخت انتظار
دوڑے وہ ڈاکئے کی طرف تار دیکھ کر

تکرار وعدے پر ہے کیا اک لفظ میں ہے فیصلہ
انکار کرنا ہے تو "نو" اقرار کرنا ہے تو "یس"
احمق مبارک ہو تجھے آزادی ہندوستاں
اب دلنوں کی بات کیسے کیا مہینے کیا برس

بتا سکیں گے یہ کچھ ٹھیک ٹھیک مسٹر بوس
کہ جرمنی سے ہے ہندوستاں کتنے کوس
اگر ہے عشق کا دعویٰ تو دل کا رونا کیا
فضول رنج نہ کر سر نہ پیٹ جی نہ مسوس
اگر ہے قوم کو فاقہ تو ہم کو غم کیا ہے
یہاں تو ہے وہی انڈا وہی بٹر وہی توس

فرقہ وارانہ فسادات نہ کھینچیں کبھی طول　　شہہ اگر ان کو نہ دے خفیہ طریقوں سے پولیس
کس قدر تیری عدالت میں ہے اندھیر اے عشق　　سو میں ننانوے دعووں کا نتیجہ پولیس

دیکھوں لے جائے کہاں اب کے مقدر احمق
سن رہا ہوں کہ مری ناک میں ہے خفیہ پولیس

کفش دوزی کر کسی ہشیار کاریگر کے پاس　　کیا کریگا آج کل نادان بی۔اے کر کے پاس
یا خدا یونہی محلے میں رہے چوروں کا زور　　بستر ان کا روز بچھنا ہے مرے بستر کے پاس
ان سے اچھے ہیں جو انگریزوں سے کرتے ہیں اپیل　　وہ جو لے جاتے ہیں اپنی التجا پتھر کے پاس

ایک احمق ہے بچارا کیوں ہے محروم کرم
جب کہ اٹھتے بیٹھتے ہیں آپ دنیا بھر کے پاس

آج اپنے گھر میں دلوائیں سزائیں خاص خاص　　اس نے گنوا کر مجھے میری خطائیں خاص خاص
کیا تعجب ہے جو ہے سرکار ان پر مہرباں　　حضرت زاہد کو آتی ہیں دعائیں خاص خاص
اپنے بچوں کو پلاتی ہیں جو آزادی کا دودھ　　سب نہیں ہوتیں ہوا کرتی ہیں مائیں خاص خاص
کس قدر بد انتظامی ہے تمہاری بزم میں　　عام اعلان اور یہ بندش کہ آئیں خاص خاص

اک بڑی بی پر ہے جب سے شیخ صاحب کی نظر
زیر استعمال رہتی ہیں دعائیں خاص خاص

شامت آتی ہے جب انسان کی تو اے قبلہ من　　بکنے لگتا ہے تمہاری ہی طرح اوٹ پٹانگ
لو نظر آنے لگی منزلِ آزادیٔ ہند　　مرحلے بن گئے تقدیر سے میل اور فرلانگ
یہی دم خم ہیں اگر تیرے تو امپیریل ازم　　عدم آباد کی منزل ہے تری ایک چھلانگ

زور نقر بر بہت خوب مگر بندہ نواز
ہے نتیجے میں تو مرغ کی وہی ایک ہی ٹانگ

حسن ہے یورپ کا بلڈاگ   اس کتے سے دور ہی بھاگ
دنیا خوب کمائے گا   تیاگی بن اور سب کچھ تیاگ
پھول نہ ان کے وعدوں پر   یہ تو ہیں صابن کے جھاگ
احمق چل کے الیکشن لڑ
چھوڑ بھی آزادی کا راگ

آگرے سے آئے فوراً لکھنؤ بھیجے گئے   رہ سکے احمق نہ اک ہفتے بھی فیض آباد ہم

جوانی گئی اور آیا بڑھاپا   کبھی مشک تھے اب تو کافور ہیں ہم
حماقت کی بھی قدر ہوتی ہے احمق   ہمیں دیکھیے کتنے مشہور ہیں ہم

انھیں دیکے دل کھوئیں کیوں جان ہم   نہیں احمق اتنے بھی نادان ہم
غلط راہ ہم کو دکھائے گا جو   اسی کو سمجھ لیں گے شیطان ہم
پتوں کی بھی سیوا کا پایا نہ پھل   کہ سب سمجھے گئے واں مسلمان ہم
تلاشی کا ہر وقت رہتا ہے ڈر
نہ رکھیں گے احمق کا دیوان ہم

کون ہے جس کو ملے اب قومِ تنبہ حال سے کام   شیخ کو پیٹ سے صوفی کو ہے قوال سے کام

طالب علم کو صحت کا رہے سخت خیال — اس کو ریڈر سے نہ ہو بلکہ ہو فٹ بال سے کام
سنکھیا مجھ کو بھی اک دن یہ کھلائے گا ضرور — رہ گیا ہے مرے لیڈر کو جو ہڑتال سے کام

حضرتِ دل سے سنو حسن کی سرکار کے پول
کر رہے ہیں یہ اس آفس میں کئی سال سے کام

جب سے چرخے سرزمینِ ہند پر چکر میں ہیں — لینک شائر یا نچسٹر سب کے سر چکر میں ہیں
محفلِ زنداں میں آج اک بے ادب کو چھیڑ کر — حضرتِ زاہد نہ پوچھو کس قدر چکر میں ہیں

سب سے زائد منہمک دیکھا ہے دنیا میں انہیں — بیٹھ کر منبر پہ جو کہتے ہیں "دنیا کچھ نہیں"
کیا فقط اسٹیج ہی کے ہیں جناب لکچرار — کہتے سب کچھ ہیں مگر حضرت سے ہوتا کچھ نہیں

کب تک آخر یہ غلط وعدے یہ جھوٹے آسرے
صاف جو کچھ ہو وہ کہئے دم دلاسا کچھ نہیں

اللہ حسن یار کی یہ پائمالیاں — دھڑیاں مسّی کی اب ہیں نہ پانوں کی لالیاں
اتنی بھی بے اثر نہ ہو یا رب کسی کی آہ — روتا ہوں میں تو غیر بجاتے ہیں تالیاں

جتنے بے روزگار ہوتے ہیں — ان کے امیدوار ہوتے ہیں
یہ بھی بینا ہے کوئی حضرت شیخ — روز پیسے ادھار ہوتے ہیں
کام کچھ انجمن کا ہو کہ نہ ہو — پوسٹر شاندار ہوتے ہیں

نہیں رکھتے جو ذوق شعر احمق
سچ تو یہ ہے گنوار ہوتے ہیں

جناب سنسر قبلہ کی ہے عملداری — کہ تار بھی کہیں ملتے ہیں اب تہبینوں میں
جہاں ہیں دور رہے کھدر کی جامہ زیبی کا — نہ ململوں میں لطافت نہ مارکینوں میں
وہاں ہر اک نے خوشامد کیا شعار اپنا
بس ایک رہ گیا احمق ہی نکتہ چینوں میں

کیا کیا ہوئے رقیب سے وعدے پتا نہیں — اتنا سنا وہ کہہ رہے تھے "سینما نہیں"

بیمار غم کہاں یہ ترا مکسچر کہاں — افسوس تیری عقل ہے اے ڈاکٹر کہاں
کوٹھی دماغ شیخ کی کٹی ٹھاٹھ دار ہے — عقل فرنگ کا وہ مگر فرنیچر کہاں

ٹھوکروں میں نہ اُچھالو اس کو — دل مرا ہے کوئی فٹ بال نہیں
اک ذرا آدمی ہو دنیا ساز — روٹیوں کا پھر اسے کال نہیں
آپ کے ساتھ چلوں غیر کے گھر — بخشیئے میں کوئی دلّال نہیں
کیوں پکاتا ہے یہ کھچڑی اے دل — سہل گل جائے یہ وہ دال نہیں
شیخ کو دے نہ سکے یخنی و برف — قوم اتنی بھی تبہ حال نہیں
خوف چکّی کا یہاں کیا احمق
جیل ہے یہ کوئی سسرال نہیں

قیامت آنے والی ہے تو واعظ — ٹھہر جا اک ذرا دیر اور سو لیں
جنھیں ہے دانش و حکمت کا دعویٰ — حماقت ہے اگر احمق سے بولیں

پولیس ہے محلکے ہیں نگرانیاں ہیں — وفاؤں کا بدلا پشیمانیاں ہیں
مجھے قتل کر کے پشیمانیاں ہیں — یہ پالیسیاں ہیں کہ نادانیاں ہیں
کہیں سے اُلٹیے ورق ہسٹری کا — جو آزادیاں ہیں تو قربانیاں ہیں
خدا قوم کو رہزنوں سے بچائے — یہاں رہبروں کی فراوانیاں ہیں
کہاں دیکھئے جا کے لگتی ہے کشتی — سیاست کے دریا میں طغیانیاں ہیں
جہاں ہے ذرا بھی اثر جاں بُل کا — پریشانیاں ہی پریشانیاں ہیں
چلو ہو گیا جج بھی فیشن کے اندر — جہاں اونٹ تھے اب وہاں لاریاں ہیں

خلوص و محبت کہاں اب کہ احمق
زمانے میں مطلب ہے اور یاریاں ہیں

اسی لئے میرے سر پہ یہ دستِ شفقت تھا — قصور تو مرا بھیجا ہی کھائے جاتے ہیں
تو اپنی بھوک کا شاکی فضول ہے اے ہند — مریض کو یونہی فاقے کرائے جاتے ہیں
وہ بے وقوف ہیں کرتے ہیں جو خدا سے اپیل — کہ اہلِ عقل سوئے وائسرائے جاتے ہیں
یہ ووٹ بھی بخدا اک عجیب دانا ہے — اصیل مرغ اسی پر لڑائے جاتے ہیں
مریض ہے کہ خمیرا اٹھ گیا بچا رہے گا — طبیب ہیں کہ خمیرے چٹائے جاتے ہیں
ابھی بفضلِ خدا تھیٹر و سنیما میں — حیاتِ قوم کے آثار پائے جاتے ہیں
کہیں ہو شہر میں دعوت یہاں ہے شرکت فرض — امورِ خیر میں ہم بے بلائے جاتے ہیں

ادب نوازیٔ اہلِ ادب کا کیا کہنا
مشاعرے میں اب احمق بلائے جاتے ہیں

دل کا گلہ ہم کرتے ہیں دھر کا رونا روتے ہیں — آپ کا کوئی ذکر نہیں آپ خفا کیوں ہوتے ہیں

کو ہکنی تقدیر میں تھی لیکن خوبی قسمت کی
جو ئے شیر تو لا نہ سکے شہر میں پتھر ڈھوتے ہیں
گا کر پڑھنا اچھا ہے لیکن جب آواز بھی ہو
بعض احمق تو سچ یہ ہے پڑھتے کیا ہیں روتے ہیں

یوں کہو مجھ سے ملاقات ہی منظور نہیں
کمپنی باغ تو ورنہ مری جان دور نہیں
ایک بنگلہ مجھے درکار ہے اور اک مس شوخ
خواہش خلد نہیں آرزوئے حور نہیں
حسرتیں سب ہیں مرے دل کی نکلنے کے لئے
احمق اس باغ میں کھٹا کوئی انگور نہیں

ان کی فرمائش ہے لادو ساریاں
تک رہی ہیں منہ مری ناداریاں
صبح ہے اور گرلس کالج کی طرف
جا رہی ہیں مسکراتی لاریاں
ہے عیادت کو حسینوں کا ہجوم
کتنی صحت بخش ہیں بیماریاں
جب ملے غم میں اضافہ کر دیا
کیا یہی ہیں آپ کی غم خواریاں
جس قدر آسانیاں ہوتی گئیں
اور بھی بڑھتی گئیں دشواریاں
خیر ہو یارب کہ حسن و عشق میں
ہو رہی ہیں صلح کی تیاریاں
پڑھ رہے ہیں جتنے بی اے ملک میں
بڑھ رہی ہیں ملک کی بیکاریاں
قدرت حق لے رہی ہے انتقام
ہو رہی ہیں چرخ سے بمباریاں
کٹ گئے ہنستے سے وہ وعدے کی رات
رہ گئیں احمق کی سب عیاریاں

جناب شیخ سے اچھا ہوں گو چمار ہوں میں
کہ وہ ہیں دست نگر اور دستکار ہوں میں

انھیں کی وفائیں انھیں کی جفائیں — وہ جس طرح عاشق کو چاہیں نچائیں
خدا رحم فرمائے بیمارِ غم پر — کہ جتنے معالج ہیں اتنی ہی رائیں
مجھے تو طبیبوں کی کثرت نے مارا — مرض ایک ہے اور ہزاروں دوائیں
الیکشن اُسی کا ہے جو اہلِ زر ہے — کہ سونے کے کانٹے میں تلتی ہیں رائیں
جسے دیکھیے ہم سے بڑھ کر ہے احمق
یہاں ہم کسے اپنے سے کم بتائیں

مجھے جنت کے رستوں کی خبر کیا — سنیما کی طرف آیا گیا ہوں
کہاں صاحب کا بنگلہ اور کہاں خلد — زبردستی اِدھر لایا گیا ہوں
وہ پکچر ہوں جو پردے پر فنا کے — سرِ اسٹیج دکھلایا گیا ہوں
میں خود اپنے لئے ہوں اک معمّا
نہ سمجھا ہوں نہ سمجھایا گیا ہوں

کیا کرتے تھے پہلے ناخدائی کشتیِ دل کی — سنا ہے گھاگھرا میں اب وہ اسٹیمر چلاتے ہیں
غضب ہیں مغربی چوزے قیامت ہے اڑان انکی — یہ مرغی کے جسے دیکھو اسے اُلّو بناتے ہیں

بس ایک راگ ہمیشہ الاپتا ہوں میں — گراموفون کا گویا کوئی توا ہوں میں
ہوا وہ سر میں بھری ہے کہ تن رہا ہوں میں — بساط یہ ہے کہ پانی کا بلبلا ہوں میں
زمانہ کیوں مرے کھانے کو منہ ہی پھیلائے — نہ شیرمال ہوں یارب نہ قورما ہوں میں
بجا کہ مجھ میں نہ فضل و ہنر نہ عقل و تمیز — سب آپ ہی کی عنایت ہے ورنہ کیا ہوں میں
حقیقتاً ہے یہ احمق کی اک بڑی انسلٹ
کہ آج اس کو خرد مند کہہ رہا ہوں میں

اللہ اللہ حسن کی سپلائیاں　　عشق بھی لینے لگا اُبکائیاں

گرمیاں ہیں التفات یار کی　　چھن رہی ہیں وصل کی ٹھنڈائیاں

ہیں جہاں غیروں کے حصّے میں رپے　　میری قسمت کی وہاں ہیں پائیاں

پٹ گئے احمق وہاں اچھا ہوا

تھے بھی یہ حضرت بڑے ہی کائیاں

وہ دن بھی یاد ہیں جب رات بھر دشمن کی محفل میں

پیا کرتے تھے تم حقّہ بھرا کرتے تھے ہم چلمیں

ہنوز امیدواری کا نتیجہ کچھ نہیں نکلا

مری درخواست نتھی ہو کے رہ جاتی ہے فائل میں

کیا گزرتی ہے نہ پوچھو بھائی　　یوں سمجھ لو کہ گزر کرتے ہیں

جو ہے چٹخارہا ہے جوتیاں سروس کے چکّر میں　　بجہاں بی، اے ہوئے لکھّی گئی گردش مقدر [illegible]

وفا کے حرف بے معنی لئے جاتے ہیں دفتر میں　　کہ نذر دعوت حکّام ہو جائے جو ہو گھر [illegible]

دغا بازی بھی غدّاری بھی جاسوسی بھی فطرت بھی　　خدا کے فضل سے سب خوبیاں ہیں میرے لیڈر [illegible]

تعجب کیوں نہ ہو احمق کو اپنے قید ہونے پر

کہ چھوٹے آدمی پوچھے نہیں جاتے بڑے گھر میں

ہے زمیں پر ٹینکوں کا ناچ کتنا دل فریب　　آسماں پر بم کے گولوں کا دھنواں ہر رقص [illegible]

دیکھ لے جس نے نہ دیکھا ہو کبھی تگنی کا ناچ　　چودھری صاحب کا سارا خاندان ہر رقص [illegible]

...ہوڑوں کسی کو بھی نہ یہاں ٹیکس کے بغیر — واللہ خیریت ہے کہ ممبر نہیں ہوں میں
...کرسی ہی ان کی میرے لئے عرش ہو گئی — اب یہ دماغ ہے کہ زمیں پر نہیں ہوں میں

...یرت ہے بھک منگے ہیں وطن میں کئی کروڑ — اور کونسل میں ان کی نمائندگی نہیں
...حساس ہو تو درد کی کوئی دوا کرے — ہم کو تو اپنے درد کا احساس ہی نہیں

...لنس کو لغو سنیما کو برا کہتے ہیں — شیخ ہر بات زمانے سے جدا کہتے ہیں
...رت شیخ کو سب کہتے ہیں انگریز پرست — ہم مگر حضرت عیسیٰ کا گدھا کہتے ہیں

اکثر ان میں سے ہیں بٹ مار گرہ کٹ احمق
ہم جنھیں راہبر و راہ نما کہتے ہیں

عجب کیا ہے یہ سارا خاندان نجو طوائف کا — ابھی تو شیخ ہے کچھ دن میں سید ہونیوالا ہو
...وئی اہل خرد اپنے کو احمق کہہ نہیں سکتا — عجب کیا ہے جو اس نے یوں کوئی مطلب نکالا ہو

مل گئی لیڈری قوم کی خدمت مجھ کو — ہو گئی پیٹ کے دھندوں سے فراغت مجھ کو
اس زمانے میں حماقت ہے یقیناً احمق — ہے کسی سے اگر امید شرافت مجھ کو

...ی کیا مل گئی مسٹر علی سجاد کو — وصل شیریں تھا کہ حاصل ہو گیا فرہاد کو
...بہادر نے جو دم توڑا تو بولی ہنس کے موت — قبر میں اب لاٹ صاحب آئیں گے امداد کو

شیخ کو سی آئی ای ہونے کی ہو گی کیا خوشی
تجھ سے احمق بھی نہ پہونچے گر مبارک باد کو

مرتے ہی چھوٹ گئے ہم ٹیکس و پولیس کے غم سے
سچ تو یہ ہے کہ مصیبت میں ہیں جینے وا
تھا جو کچھ پاس وہ نذر مئے و مطرب کر کے
گالیاں کھاتے ہیں بیٹھے ہوئے پینے و
دل میرے پاس تھا احمق وہ انگوٹھی کے لئے
لے گئے ایک مرے دوست نگینے والے

مخصوص حکومت کی وفا میرے لئے ہے
یہ بھنگ وہ ہے جس کا نشا میرے لئے ہے
شملے کی بلندی سے اترتا ہے جو فرمان
احکام خدا سے بھی سوا میرے لئے ہے
احمق انہیں لنچ اور بریکفاسٹ مبارک
فاقوں کی مصیبت کا مزا میرے لئے ہے

اللہ ری اپنی بے حسی محتاج کفن بھی غیر کے ہیں
کپڑا ہے تو وہ امریکن ہے ڈورا ہے تو وہ جاپانی ہے

پرانے مال کا بازار میں گاہک نہیں کوئی
جو قیمت چاہتا ہے تو بدل دے کو الٹی اپن
یہ ہو سکتا ہے ساری قوم کو ہم ختم کر ڈالیں
مگر ممکن نہیں خطرے میں ڈالیں لیڈری اپن

اٹھا ہوں قوم و ملک کی خدمت کیواسطے
دل میں خیال بنگلہ و موٹر لئے ہوئے
تنکے کا بوجھ بھی ہے مرے سر پہ ناگوار
ان کو جو اپنے سر پہ ہیں چھپر لئے ہوئے
احمق رہے گی یاد بہت بمبئی کی سیر
پھرتی ہے رات دن ہمیں موٹر لئے ہوئے

کوئی آیا اور فوراً ہی حجامت ہو گئی — آپ کا گھر بھی کسی حجام کا سیلون ہے
کر دیا سائنس نے بادِ صبا سے بے نیاز — ہر جگہ اب تار ہے ہر گھر میں ٹیلیفون ہے
عزت افزائی کی رحمت ہے عبث میرے لئے — بندہ پرور یہ لنگوٹی ہی مجھے پتلون ہے

اک مجھی کو اپنی اصلیت کا ہے یاں اعتراف
ورنہ احمق ہر گدھا دنیا میں افلاطون ہے

حضور قلب کچھ صاحب کے بنگلے ہی میں ہوتا ہے
یہ مسجد ہے یہاں کیوں شیخ جی آنے لگے دل سے

کس قدر ہم پر نئی تہذیب کا احسان ہے — ملک میں چاروں طرف رومان ہی رومان ہے
آج کل ہے قابلیت کی کسوٹی ناچ گھر — جتنا اچھا ڈانسر ہے اتنا ہی خوب انسان ہے
کل جنہیں ہجّے نہ آتے تھے ہمارے سامنے — آج وہ ہم کو پڑھاتے ہیں خدا کی شان ہے

شیخ صاحب آپ اپنے فائدے کو دیکھئے
کیا ہوا گر اس میں ساری قوم کا نقصان ہے

خونِ دل ہم کو وہسکی انھیں پینے کے لئے — کوئی مرنے کے لئے ہے کوئی جینے کے لئے
ہو گیا شیخ پہ فیضانِ تمدن کا نزول — آج پتلون دیا جاتا ہے سینے کے لئے

دلِ پرداغ میں امید بھی ہے یاس بھی ہے — باغ میں آم بھی ہے اور املتاس بھی ہے
عارض سبز و لب سرخ کا ہے عشق مجھے — یاں چقندر بھی ہے قسمت میں اناناس بھی ہے

شعر بے مثل غزل خوب قوافی دل چسپ
کچھ ہوا احمق مگر اس میں تری بکواس بھی ہے

زینتیں ممکن ہیں جتنی حسن عریاں کے لئے
آج کل مخصوص ہیں ٹینس کے میداں کے لئے
ساری دنیا جنگ کے میدان میں ہے اور ہم
ہیں رزرو اک ناچ گھر میں رقص عریاں کے لئے
دین تھا اس کو بھی دنیا پر تصدق کر دیا
اب رہا کیا ہے زمانے میں مسلماں کے لئے
نوجوانوں سے ہے کالج کے ہمیں کافی امید
ایک بھی خوبی نہ چھوڑیں گے بہ نسواں کے لئے

آپس میں لڑانا بھی اک عقل کا جوہر ہے
اس کام میں لوگوں کی تنخواہ مقرر ہے
ہر روز نئے وعدے ہر وقت نئے جھانسے
اتوار کو منگل ہے منگل کو سنیچر ہے
رہنے کو مرے ہوٹل پینے کو مرے وہسکی
اب میری نگاہوں میں جنت ہی نہ کوثر ہے
غداری ملّت کا الزام سہی مجھ پر
بنگلے میں تو پرسش ہے کرسی تو میسر ہے
حق کیا ہے تمھیں یارو احمق پہ جو ہنستے ہو
تم جیسے گدھوں سے تو وہ پھر کہیں بہتر ہے

سزا غیبت کے مے سے نفرت کی دی ہے
کہ واعظ ہے داروغہ آبکاری
وہ دل لے گئے مجھ کو احمق بنا کر
دھری رہ گئی سب مری ہوشیاری

خشک روٹی میں مجھے آجائے گا بسکٹ کا لطف
آپ چٹنی کیوں بناتے ہیں یہ کھالی جائے گی
شیخ صاحب مجھ کو تو کچھ مے سے دلچسپی نہیں
آپ کہتے ہیں تو تھوڑی سی منگالی جائے گی

امن و اطمینان اچھی چیز ہے یا توپ و گیس
حضرت چرچل ہیں کچھ وقف انھیں سے پوچھئے
وہاں ایم اے کی پرسش ہے نہ کچھ بی اے کی حاجت ہے
لڑا سکتا جو ہو آپس میں بس اس کی ضرورت ہے

بہت نہ پیٹ حریفوں کے ڈھول اے ساقی — کہ کھل چکی ہے یہاں سب کی پول اے ساقی

نکال جلد نہ کر مول تول اے ساقی — ہوا ہی چاہتا ہے کنٹرول اے ساقی

شریف لوگ بھی ہوتے ہیں پینے والوں میں — ہر ایک سے نہیں اچھا ٹھٹھول اے ساقی

خدا ہی جانے کل انجام میکدہ کیا ہو — بس اس معاملے میں کچھ نہ بول اے ساقی

مجھے خریدنا ہے اپنے رہنما کے لئے — خلوص گر کہیں بکتا ہو مول اے ساقی

منٹ منٹ پہ دگرگوں ہے رنگ دنیا کا — یہ تیرے بعد کے وعدے ہیں جھول اے ساقی

بجھا دے پیاس مری یہ مذاق رہنے دے — مجھے پسند نہیں ناپ تول اے ساقی

نہ دے شراب تو احمق کو دے جواب ہی صاف
یہ باتیں اس سے نہ کر گول مول اے ساقی

تا بہ امکاں کوشش تہذیب نسواں کیجئے — خود بھی عریاں ہو جئے انکو بھی عریاں

ہم اسی آئی ڈی کارنمایاں کیجئے — کچھ تو ملک و قوم کی گردن پہ احساں

بزم مے میں حضرت واعظ کو مہماں کیجئے — جانور کو آدمی حیواں کو انساں

ہو چکی نیلام احمق عشق میں سب جائداد
دل سے بیکار اب اسے بھی نذر خوباں کیجئے

گرانی کا اثر اب اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا — کہ اکثر پینے والے پی رہے ہیں بھنگ اے

تری فرہنگ میں بس چند ہی الفاظ بدلے تھے — مگر اب تو بدلنے کو ہے کل فرہنگ اے

یہی موقعہ تو ہے کر لے سیاست کامیاب اپنی — کہ اہل میکدہ میں ہو رہی ہے جنگ اے سا

خدانخواستہ اسٹاک خالی ہو گیا تیرا — تو آئے گی کہاں سے اب مئے افرنگ اے

نہتا کرنے کی اسکیم ہے اقوام عالم کو — یہ گویا پڑ رہی ہے پھر سے طرح جنگ اے

غزل کیسی کہاں کی نظم کیا قطعات احمق کے
کہ فاقوں سے اب اسکا قافیہ ہے تنگ اے ساقی

تمام عمر کی ایمان فروشیوں کی قسم
تمام عمر میں رویا ہوں لیڈری کیلئے
ریا نہیں تو کہیں پرسش آدمی کی نہیں
یہ چیز اب ہے ضروری سوسائٹی کیلئے

ضمانت حفظ جان کی چاہتا ہو اس حکومت کیا
جہاں تلوار کا لیسنس بھی قاتل سے ملتا ہے
وہاں کرسی تو آسانی سے مل جاتی ہے عاشق کو
مگر روٹی کا ٹکڑا یہ بڑی مشکل سے ملتا ہے
ہماری بے کسی نے گور میں پہونچا دیا آخر
کفن بھی اب تو ہم کو مجسٹریٹ سے ملتا ہے

جس ادا کو دیکھئے بمبا زہے
نار پیڈو ہے کہ چشم ناز ہے

شیخ صاحب تر کسے اور اس بھری برسات میں
جو سنے گا یہ کہے گا کتنی بوگس رائے ہے
نامہذب جبتلک تھی لوگ کہتے تھے اقیم
ہوگئی ہے جب سے اپٹوڈیٹ اب وہ چائے ہے
مستند لیڈر خدا رکھے بہت ہیں ہند میں
کوئی بغشتی کوئی اپنے کوئی ایم ان رائے ہے
عہد لن لتھ گو میں ہو جائیں گے آزاد اہل ہند
بھائی احمق کتنا خوش قسمت یہ وائسرائے ہے

کہاں چھپے گی یہ کثرت گر یجوئیٹوں کی
مگر یہی کہ ڈکیتی کریں کہ بٹ ماری
ظاہر ہے یہ نہیں لیڈروں کے اے احمق
دکھلاتے ہیں سب اپنا فن اداکاری

اگرچہ شعر سمجھتا نہیں مگر احمق
سناؤ کچھ تو بہت واہ واہ کرتا ہے

دماغوں میں ظلمت دلوں میں اندھیرا
یہی غالباً مغربی روشنی ہے
تمہیں کیوں ہے احمق سے اتنی عقیدت
اجی وہ تو اک بے وقوف آدمی ہے

اچھا ملا خلوص و وفا کا صلا مجھے
سمجھا وہاں ہر ایک نے بہروپیا مجھے
میری حماقتوں کا احمق جہاں میں شور
ہندوستاں میں کون نہیں جانتا مجھے

ہزار منعم مسرف نظر سے گزرے ہیں
مرے تو خیر سے چندہ ہوا کفن کے لئے
وفا جو کی تھی تو اس کا صلا بھی اے احمق
خوشی سے باندھ بس اب بستر انڈمن کیلئے

مختصر یہ ہے رہا وہ عمر بھر پامال جور
پوچھتے کیا ہو سوانح احمق ناشاد کے

مگر شاعر کا دل بھی گھونسلا ہوتا ہے الو کا
یہی روتے ہیں سب اس گھر کی ویرانی نہیں جاتی
ترے ڈنڈے میں منوانے کی طاقت بھی تو ہو احمق
یہ کس نے کہہ دیا ہے بات واں مانی نہیں جاتی

ملک و ملت کے لئے بیکار مرنا سیکھئے
بس سینما جایئے اور عشق کرنا سیکھئے

زلفوں کی محبت میں اب حال یہ میرا ہے
ہر شخص سمجھتا ہے یہ شخص سپیرا ہے
اندھیر نہ کر اتنا اے روشنی نیچر
عقلوں میں اجالا ہے سینوں میں اندھیرا ہے

مجید لاہوری

مجید لاہوری کا خاندانی نام عبدالمجید چوہان اور قلمی نام نمک لاہوری تھا۔ ۱۹۱۳ء میں بمقام گجرات پیدا ہوئے اور ۲۶ جون ۱۹۵۷ء کو کراچی میں انتقال ہوا۔ ذریعہ معاش صحافت تھا۔ کراچی سے پندرہ روزہ نمکدان نکالتے اور "جنگ" میں فکاہی کالم "حرف وحکایت" لکھتے تھے۔ نعرۂ جنگ کے نام سے مضامین کا ایک مجموعہ چھپ چکا ہے۔ باقی کتابیں ابھی غیر مطبوعہ ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں تصویریں، (غزلیں) کان نمک (مزاحیہ نظمیں)، نمک پارے (مزاحیہ مضامین)، دور آسمان (غزلیات)، جلترنگ (کلام) سفرنامہ)

مجید لاہوری کی متین شاعری بھی اگرچہ بے حد قابل قدر ہے مگر انھوں نے مزاحیہ نظم ونثر میں بڑا نام پیدا کیا ہے۔ وہ طنز ومزاح کو شیر وشکر کر کے ملک کے ہنگامی واقعات اور معاشرے کے بعض نئے اور غیر صحت مند رجحانات کو ہدف ملامت بناتے اور بھرپور وار کرتے ہیں۔ تحریف وتصرف کے حربے سے بھی کام لیتے ہیں لیکن ان کے پاس موضوعات اور مواد کی کمی نہیں۔ وہ اپنے خیالات کو دل کش انداز میں پیش کرنے کا سلیقہ رکھتے ہیں۔

منسٹر

مرغیوں پر بھی میں کر سکتا ہوں اظہارِ خیال
اور "سانڈوں" پر بھی محفل میں ہوں سرگرم مقال

ریس کے گھوڑوں پہ بھی تقریر کر سکتا ہوں میں
اکبر و اقبال کی تفسیر کر سکتا ہوں میں

"ہومیو پیتھک" ہو یا دندان سازی کا کمال
باغبانی ہو کہ ہو رومی و رازی کا کمال

بات پھولوں کی ہو یا قومی ترانے کا بیان
چاٹ ہو بارہ مسالے کی ہو اردو زبان

بو علی سینا کی حکمت بات افلاطون کی
ایگریکلچر ہو یا شتق ہو کوئی قانون کی

داغ کا دیوان ہو یا ہو وہ "ایٹم بم" کا راز
ماہی گیری ہو کہ ربط و ضبط محمود و ایاز

کشتہ فولاد ہو یا شربت دینار ہو
ہے ضروری سب پہ میری رائے کا اظہار ہو

مدّعا عنقا ہے اپنے عالم تقریر کا
شوق ہے دل میں مگر قرآن کی تفسیر کا

جتنے بھی شعبے ہیں ان سب پر ہوں میں چھایا ہوا
ہوں "منسٹر" مستند ہے میرا فرمایا ہوا

مجھ کو داتا دلا

مجھ کو داتا دلا ہو گا تیرا بھلا
مجھ کو داتا دلا
اے "پلاٹوں" کے مالک تیری خیر ہو
اے "الاٹوں" کے مالک تیری خیر ہو
کوئی کوٹھی دلا کوئی بنگلا دلا چھاپا خانہ دلا کارخانہ دلا

پمپ پٹرول کا یا سینما دلا　　بس نہیں کوئی تو بس کا اڈّہ دلا
قوم کے نام پر مجھ کو داتا دلا
ہو گا تیرا بھلا

بامِ گردوں پہ تیرا ستارہ رہے　　زندگی میری کیوں بے سہارہ رہے
میرے کشکول میں لیڈری ڈالدے　　کر ٹکٹ مرحمت ممبری ڈالدے
کوئی مل یا جننگ فیکٹری ڈالدے　　کوئی ہوٹل کوئی کمپنی ڈالدے
قوم کے نام پر مجھ کو داتا دلا
ہو گا تیرا بھلا

عالمِ رنگ و بو میں تو پھولے پھلے　　نام کا تیرے دنیا میں سکّہ چلے
یا قیادت دلا یا صدارت دلا　　یا وزارت دلا یا سفارت دلا
"گنج بخشا" تو گنج سعادت دلا　　اپنے خادم کو تو "بہر خدمت دلا"
قوم کے نام پر مجھ کو داتا دلا
ہو گا تیرا بھلا

تجھ کو شاد اور آباد رکھے خدا　　خوب چشمہ ہو جاری ترے فیض کا
کوئی پرمٹ ملے کوئی ٹھیکہ ملے　　کوئی امپورٹ لائسنس اچھا ملے
جاہ کی بھیک عہدے کا صدقہ ملے　　کچھ تو "مالِ غنیمت" میں حصہ ملے
قوم کے نام پر مجھ کو داتا دلا
ہو گا تیرا بھلا

الیکشن کا زمانہ

اے ملّت بیضا ترا خادم ہوں پرانا — افسوس کہ تونے مرے رتبے کو نہ جانا
ہر کوہ کو ناپا ہے ہر اک دشت کو چھانا — انگریز نے لوہا مری چترائی کا مانا

پھر خیر سے آیا ہے الیکشن کا زمانا
میں خان بہادر ہوں مجھے بھول نہ جانا

عہدوں کا ہمیشہ ہی طلبگار رہا ہوں — کرسی کا بہرحال پرستار رہا ہوں
سب جانتے ہیں حاجی سرکار رہا ہوں — حاکم ہو کوئی اس کا وفادار رہا ہوں

پھر خیر سے آیا ہے الیکشن کا زمانا
میں خان بہادر ہوں مجھے بھول نہ جانا

چندہ بھی دیا جنگ میں بھرتی بھی کرائی — دادا نے مرے مکّے پہ گولی بھی چلائی
اور باپ نے انگریز سے جاگیر بھی پائی — ہمت نے مری جیتی تھی جرمن کی لڑائی

پھر خیر سے آیا ہے الیکشن کا زمانا
میں خان بہادر ہوں مجھے بھول نہ جانا

جمہوریت

"اسّی" مل کر ایک زبان سے دن کو کہدیں رات — "بیس" کا ہے یہ فرض کہ جانیں اسکو سچی بات

یہ دور جمہور ہے بابا
یہ دور جمہور
ہم سب ہیں مجبور

"پچپن کی رائے میں ٹھہرے بھینس اگر "مس چین" تو "چالیس پہ پانچ" بجائیں اسکے آگے بین

یہ دور جمہور ہے بابا
یہ دور جمہور
ہم سب ہیں مجبور

"ساٹھ" اگر کہدیں ہے نیرے سر پر کولھو نیلی باقی کے "چالو" ہیں بس ان کا اللہ بیلی

یہ دور جمہور ہے بابا
یہ دور جمہور
ہم سب ہیں مجبور

اڑسٹھ "ملکر اک الو کو گر کہدیں "پردھان" "تینتیس پہ دو" جو ہیں وہ سمجھیں اپنے کو نادان

یہ دور جمہور ہے بابا
یہ دور جمہور
ہم سب ہیں مجبور

"نوے پر نو" ہنستے ہیں اور ایک "کبیرا" روئے چڑیاں چگ گئیں کھیت تو بابا پچھتائے کیا ہوئے

یہ دور جمہور ہے بابا
یہ دور جمہور
ہم سب ہیں مجبور

ماڈرن آدمی نامہ

(نظیر اکبر آبادی کی نظم آدمی نامے کی پیروڈی)

مونچھیں بڑھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی ڈاڑھی منڈا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
مرغے جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی دلیا پکا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

ٹکڑے چبا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
اور "پنچ" اڑا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

وہ بھی ہے آدمی جسے کوٹھی ہوئی الاٹ
وہ بھی ہے آدمی کہ ملا جس کو گھر نہ گھاٹ
وہ بھی ہے آدمی کہ جو بیٹھا ہے بن کے لاٹ
وہ بھی ہے آدمی جو اٹھائے ہے سر پہ کھاٹ
موٹر میں جا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
رکشا چلا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

بیٹھے ہیں آدمی ہی دکانیں سجا سجا
اور آدمی ہی پھرتے ہیں ٹھیلا لگا لگا
ہر مال چار آنہ کی دیتے ہیں یہ صدا
پولیس ان کا کرتی ہے چالان جا بجا
کیبن بنا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
اس کو گرا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

رشوت کے نوٹ جس نے لئے وہ بھی آدمی
دو روز جس نے فاقے کئے وہ بھی آدمی
جو آدمی کا خون پیئے وہ بھی آدمی
جو پی کے غم کا زہر جیئے وہ بھی آدمی
آنسو بہا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
اور مسکرا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

وہ "لالو کھیتوی" ہو کہ ہو "گولی ماروی"
دفتر کا ہو کلرک کہ مسجد کا مولوی
وہ ہو "فقیر خان" کہ ہو "سیٹھ ٹوب جی"
وہ بھی ہے آدمی کہ جو کرتا ہے لیڈری
جو بس میں جا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
اور بس چلا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یہ جھونپڑے میں قید وہ بنگلے میں شاد ہے
یہ نامراد زیست ہے وہ بامراد ہے
"ہر کالا چور" قابل صد اعتماد ہے
یہ "زندہ باد" ادھر وہ اُدھر مردہ باد ہے

نعرے لگا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
چندہ جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
لٹّھے کے تھان جس نے چھپائے سو آدمی — پھرتا ہے چیتھڑے سے لگائے سو آدمی
بیٹھا ہوا ہے غلّہ دبائے سو آدمی — راشن نہ کارڈ پر بھی جو پائے سو آدمی
صدمے اٹھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
دھومیں مچا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

لیڈری

مل اور زمین الاٹ کراتی ہے لیڈری — اور کوٹھیوں پہ قبضہ جماتی ہے لیڈری
"لنچ" اور "ڈنر" مزے سے اڑاتی ہے لیڈری — غم ساتھ ساتھ قوم کا کھاتی ہے لیڈری
فرصت ملے تو "ٹور" پہ جاتی ہے لیڈری
ہم لوگ "زندہ باد" کے نعرے لگاتے ہیں — ووٹوں کی بھیک لینے وہ جب پاس آتے ہیں
دے دے کے ووٹ ہم انھیں ممبر بناتے ہیں — کرسی پہ بیٹھ کر وہ ہمیں بھول جاتے ہیں
پھر دور ہی سے جلوہ دکھاتی ہے لیڈری
اپنا "جتھا" بنا کے وزارت بناتی ہے — جو کچھ بھی اس کو ملتا ہے وہ بانٹ کھاتی ہے
محروم جب رہے "اپوزیشن" میں آتی ہے — ترکش میں جتنے تیر ہیں سب آزماتی ہے
ناکام ہو کے شور مچاتی ہے لیڈری
دنیا میں لے کے سیٹھ سے اے یار و تا فقیر — ہے لیڈری کی زلف گرہ گیر کا اسیر
اک آن میں بنائے "مڈل فیل" کو وزیر — کیا کیا ہیں اور خوبیاں اس کی کہوں "نظیر"
ذرّوں کو آفتاب بناتی ہے لیڈری

بیٹھ جاؤ بیٹھ جاؤ

رات اک زہرہ جبیں تیری غزل
بھیروں کی لے میں جب گانے لگی
اور اک ایک شعر سے
دل جگر کتنوں کے چھلنی ہو گئے
آنکھ سے مارا لب نازک سے زندہ کر دیا
دیکھتے ہی دیکھتے
سیم و زر کی بارشیں ہونے لگیں
یہ صدائیں گونج اٹھیں
" واہ ــــ واہ "
" ونس مور "
" پھر اسی انداز سے "
" ناچتی جا گائے جا "
آج لیکن وہ غزل
جب عظیم الشان میں تو نے پڑھی
لوگ اپنے موڈ میں آنے لگے
اور اک اک شعر سے
چھڑ گئی بزمِ سخن میں تیسری جنگ عظیم
یہ صدائیں تھیں ہوا کے دوش پر

"ہاں ترنم سے ذرا"

"کون ہے یہ چغدرے جاؤ اسے

"یہ تو بالکل بور ہے"

"ہم نہیں سنتے ہٹاؤ"

"بیٹھ جاؤ"

"بیٹھ جاؤ"

"بیٹھ جاؤ"

بول جوان

"محل بنے گا"

"راجہ جی کا"

"اینٹیں لاؤ"

"گارا لاؤ"

"بوجھ اٹھاؤ"

"شان بڑھے گی"

"ہم جھکی میں"

"دم توڑیں گے"

"محل بنے گا"

"راجہ جی کا"

"اینٹیں لاؤ"

"گارا لاؤ"

"بوجھ اٹھاؤ"

"شان بڑھے گی"

"ہم جھکی میں"

"دم توڑیں گے"

"بول جوان ہیّا ہیّا"

"ہیّا ہیّا بول جوان"

بول جوان

"سانجھ سویرے"

"سانجھ سویرے"

"گھر سے نکلو" "گھر سے نکلو"
"پھر کھیتوں میں" "پھر کھیتوں میں"
"خون پسینہ" "خون پسینہ"
"خوب بہا کر" "خوب بہا کر"
"فصل اُگاؤ" "فصل اُگاؤ"
"سب کو کھلاؤ" "سب کو کھلاؤ"
"بھوک سے تڑپو" "بھوک سے تڑپو"

"بول جوان ہیّا ہیّا"
"ہیّا ہیّا بول جوان"
بول جوان

"کار کھڑی ہے" "کار کھڑی ہے"
"چل نہیں سکتی" "چل نہیں سکتی"
"دھکّا دے دو" "دھکّا دے دو"
"زور سے دھکّا" "زور سے دھکّا"
"اور بھی تھوڑا" "اور بھی تھوڑا"
"کار چلے گی" "کار چلے گی"
"ہم سب پیدل" "ہم سب پیدل"
"گھر جائیں گے" "گھر جائیں گے"

"بول جوان ہیّا ہیّا"
"ہیّا ہیّا بول جوان"
بول جوان

"کپڑے کی مل"
"سیٹھ نے کھولی"
"بلیک کرے گا"
"ٹھاٹھ بڑھے گا"
"نام چلے گا"
"اپنے بچے"
"ایک لنگوٹی"
"لے کے پھریں گے"

"کپڑے کی مل"
"سیٹھ نے کھولی"
"بلیک کرے گا"
"ٹھاٹھ بڑھے گا"
"نام چلے گا"
"اپنے بچے"
"ایک لنگوٹی"
"لے کے پھریں گے"

"بول۔جوان ہیّا ہیّا"
"ہیّا ہیّا۔بول۔جوان"
بول جوان

انجمن تحسینِ باہمی

"عرض کرتا ہوں جناب"
"واہ واہ"
"پھر عطا فرمایئے"
"عرض کی تعریف ہو سکتی نہیں"
"واہ واہ — واہ واہ"
"عرض کرتا ہوں جناب"
"کوئی لا سکتا نہیں اس کا جواب"
"عرض کرتا ہوں حضور"

"واہ واہ ــــ واہ واہ"
"خوب بلکہ خوب تر"
"پھر عطا فرمایئے"
"پھر ذرا دُہرایئے"
"پڑھتے رہیئے بار بار"
"واہ واہ ــــ واہ واہ"
"عرض کی تعریف ہو سکتی نہیں"
"بالیقیں"
"واہ واہ ــــ واہ واہ"

"عرض کرتا ہوں کہ چشم......"
"واہ چشم"
"واہ چشم ــــ واہ واہ"
"چشم کا چشمہ غضب ہے ــــ واہ واہ"
"خوب خوب"

"چشم نرگس......"
"واہ نرگس واہ واہ"
"چشم نرگس ہائے ہائے"
"پھر عطا فرمایئے"
"بار بار"

"واہ واہ — واہ واہ"

"چشمِ نرگس ان دنوں ....."

"ان دنوں"

"تعریف ہو سکتی نہیں"

"واقعی تعریف ہو سکتی نہیں"

"ان دنوں — کیا حال کی تصویر ہے"

"ان دنوں امروز کی تفسیر ہے"

"کوئی کہہ سکتا نہیں"

"آپ نے جو کہہ دیا"

"یہ تو ٹیڑھی کھیر ہے"

"واہ واہ — واہ واہ"

"خوب بلکہ خوب تر"

"چشمِ نرگس ان دنوں بیمار ہے"

"واہ واہ — ہائے ہائے"

"ان دنوں بیمار ہے"

"چشمِ نرگس ان دنوں بیمار ہے"

"زندگی اک مستقل آزار ہے"

"واہ واہ — واہ واہ"

"چشمِ نرگس ان دنوں بیمار ہے تیرے بغیر"

"تیرے بغیر — واہ واہ"

"چشم نرگس - ان دنوں - بیمار ہے - تیرے بغیر"

"واہ واہ — واہ واہ"

"تعریف ہو سکتی نہیں — اُف غضب"

"ان دنوں بیمار ہے — کیا خوب ہے"

"کیا حسین اسلوب ہے"

"اور — یہ تیرے بغیر"

"واہ واہ"

"چشم نرگس اور پھر بیمار ہے ہائے غضب"

"بس یہی ٹکڑا تو ہے روحِ ادب — جانِ ادب"

"واہ واہ — پڑھتے رہیئے بار بار"

"چشم نرگس ان دنوں بیمار ہے تیرے بغیر"

"واہ واہ — واہ واہ"

"خوب خوب"

"خوب بلکہ خوب تر"

"پھر عطا فرمایئے"

"ہاں یہی دہرایئے"

"چشم نرگس ان دنوں بیمار ہے تیرے بغیر"

"واہ واہ — واہ واہ"

"بس یہی مصرع ادب کی جان ہے"

"ایک مصرع کیا عظیم الشان ہے"

"حافظ و خیام کا دیوان ہے"

"یا عظیم الشان ہے"

"واہ واہ ــــ واہ واہ"

"خوب"

"خوب"

سیّد محمّد جعفری

سیّد محمد جعفری اس دور کے ذہین ترین طنز نگار شاعر ہیں۔ وہ لاہور میں پیدا ہوئے یہیں پلے بڑھے اور اب ایک ذمہ دار افسر ہیں۔ ان کی طنزیہ ومزاحیہ شاعری ہماری معاشری کمزوریوں کے لئے ایک بے رحم آئنہ ہے۔

ان کے طنز میں تلخی نہیں ہے۔ علمیت بھی ہے اور شعر بھی۔ وہ افراد کی تحقیر نہیں کرتے۔ بلکہ اداروں اور اجتماعی زندگی کی خامیوں پر انگلی رکھتے اور اپنے دور کے سیاسی، سماجی اور معاشرتی حالات پر کچھ اس انداز سے ہنستے ہیں کہ پڑھنے والا مزے لیتا اور ان کا ہمنوا ہو جاتا ہے۔ وہ غالب اور اقبال کے مصرعوں سے فائدہ اٹھا کر اپنے شوخیوں میں رچے ہوئے ذوق کی بدولت ظرافت میں دلآویزی اور انوکھا پن پیدا کرتے ہیں۔ اس لئے ان کے طنز میں شگفتگی اور زندہ دلی ہے۔ وہ جس نظام کے کل پرزے ہیں اسکے خلاف بھی متواتر احتجاج کرتے رہتے ہیں۔ لال فیتہ، موٹی موٹی سفارشیں، نمائش، سیاسی نعرے غرض اور ریا کے سجدے، کلرک کا کردار، آزاد شاعری، یو۔ این۔ او، اور بھنگیوں کی ہڑتال غرض کوئی چیز ان کی زد سے باہر نہیں۔ وہ جب ان اقتدار پسندوں کو دیکھتے ہیں جن کا حلق اخوت اور مساوات کے سیاسی نعرے لگاتے خشک ہو جاتا ہے لیکن ان کا عمل پھر بھی اسکے سراسر خلاف رہتا ہے تو وہ اپنی نظم وزیروں کی نماز میں نماز کے خاص سیاسی اور خودغرضانہ پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لئے یوں طنز کرتے ہیں۔

عید اضحیٰ کی نماز اور وہ انبوہ کثیر جب کہ اللہ کے دربار میں تھے پاک وزیر
وہ مصلّوں پہ مسلّط تھے بحسنِ تقدیر تھے "ریزرو" ان کے مصلّے پہ ساوات کبیر
آج کل یہ ہے نماز اور کبھی وہ تھی نماز
"ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز"

صف اول میں کھڑے تھے جو خدایانِ مجاز یہ امیر اور یہ غریب اور یہ نشیب اور یہ فراز
تجھ سے اے خالق کل چھپ نہیں سکتا ہے یہ راز تو حقیقی وہ مجازی مجھے دونوں سے نیاز
"آگ تکبیر کی سینوں میں دبی رکھتے ہیں"
کبھی رکھتے ہی نہیں اور کبھی رکھتے ہیں

عطر میں ریشمی رومال بسایا ہم نے ساتھ لائے تھے مصلّہ وہ بچھایا ہم نے
دور سے چہرہ وزیروں کو دکھایا ہم نے ہر بڑے شخص کو سینے سے لگایا ہم نے
"پھر بھی ہم سے یہ گلہ ہے کہ وفادار نہیں"
کون کہتا ہے کہ ہم لائق دربار نہیں

ذکر خطبے میں وزیروں کا جو پایا ہم نے آسمانوں کو زمینوں سے ملایا ہم نے
کعبہ دل کو صنم خانہ بنایا ہم نے سامری کی طرح بچھڑوں کو سجایا ہم نے
خوگر پیکر محسوس ہے انسان کی نظر
"مان لیتا کوئی ان دیکھے خدا کو کیوں کر"

یو۔ این۔ او۔

یو۔ این۔ او کے پیٹ میں سارے جہاں کا درد ہے
وعدہ فردا پہ ٹرخانے کے فن میں فرد ہے

گرچہ پٹواتا فلسطین میں خود اپنی نرد ہے
ایسی قوموں سے خفا ہے جنکی رنگت زرد ہے

کراچی

جعفری نے کراچی کا نقشہ بھی اس کے حقیقی خدوخال میں پیش کیا ہے۔ یہ خدوخال اگر مضحکہ خیز ہیں تو اس میں جعفری کا کیا قصور۔ صرف دو تین بند دیکھئے :-

اے کراچی کھٹمل اور کھجلی کے دیرینہ وطن
سب کو یہ دو نعمتیں ملتی ہیں تجھ سے تحفتن

اور شہیدِ ناز ہو جاتے ہیں گل گوں پیرہن
کب تلک ہم سے تغافل کب تلک بیگانہ پن

سرد مہری اور گرمی کا تری کیا آسرا
سندھ صوبے کی وزارت کی طرح موسم ترا

تیرے بازاروں کی رونق اور شہروں میں کہاں
حسن سے شرما کے بجھ جاتی ہیں اکثر بجلیاں

پر دلِ وحشی کو مل سکتی نہیں پھر بھی اماں
آکے لُٹ جاتا ہے بازاروں میں "بھولا پہلواں"

پھر نہ دنگل کام آتے ہیں نہ کوئی داؤ پیچ
ساری دنیا ہے مریضِ عشق کی آنکھوں میں ہیچ

ہیں ترے نقار خانے میں بہت سی بولیاں
ایسی چپ بیٹھی ہے تنہا طوطئ شیریں بیاں

یعنی وہ اردو جو ہجرت کرکے آئی تھی یہاں
جنگ آمادہ ہیں اس بیگم سے گھر کی باندیاں

اس کی قدر و منزلت سے دل ترا بیگانہ ہے
گیسوئے اردو ابھی منت پذیرِ شانہ ہے

بھنگیوں کی ہڑتال پر ایک منظر دیکھئے :۔

بھنگیوں کی آج کل ہڑتال ہے — کھتر و مہتر کا پتلا حال ہے
گردشِ دوراں نے ثابت کر دیا — رفع حاجت بھی بڑا جنجال ہے
ضبط کی حد پر کھڑے ہیں شیخ جی — سانس کھینچے ہیں مگر منہ لال ہے
پیٹ پکڑے پھر رہے ہیں سیٹھ جی — جیسے دھوتی بن بہت سا مال ہے
آ گیا رو کے سے رک سکتا نہیں — اپنا اپنا نامۂ اعمال ہے

ہر گلی کوچے کی اپنی جھیل ہے
ہر جگہ دہلی میں نینی تال ہے

اب کلرک کے کردار کا مطالعہ کیجئے :۔

خالق نے جب ازل میں بنایا کلرک کو — لوح و قلم کا جلوہ دکھایا کلرک کو
کرسی پہ پھر اٹھا یا بٹھایا کلرک کو — افسر کے ساتھ پن سے لگایا کلرک کو

مٹی گدھے کی ڈال کے اس کی سرشت میں
داخل مشقتوں کو کیا سرنوشت میں

چپراسی خلد میں جو بلا لے گیا اسے — حوروں نے کچھ مذاق کیا کچھ ملک ہنسے
حیران تھے کلرک کہ کیسے برے پھنسے — ہاتف نے دی صدا کہ یہ کچھ دن یہیں بسے

آدم کا رف ڈرافٹ ہے کب تک ہنسو گے تم
ابرو وہ ہو کے آیا تو سجدہ کرو گے تم

جنت کو گرچہ ناز تھا اپنے مکین پر — تھا ان کی زندگی کا سہارا روٹین پر
ٹی اے وصول کرنے کو اترا زمین پر — لفظ کلرک لکھا تھا لوح جبین پر

ابلیس راستے میں ملا کچھ پڑھا دیا
اترا فلک سے تھرڈ میں انٹر لکھا دیا

ایبسٹریکٹ آرٹ

ایبسٹریکٹ آرٹ کی دیکھی تھی نمائش میں نے
کی تھی از راہِ مروّت بھی ستائش میں نے

آج تک دونوں گناہوں کی سزا پاتا ہوں
لوگ کہتے ہیں کہ کیا دیکھا تو شرماتا ہوں

صرف کہہ سکتا ہوں اتنا ہی وہ تصویریں تھیں
یار کی زلف کو سلجھانے کی تدبیریں تھیں

ایک تصویر کو دیکھا جو کمال فن تھی
بھینس کے جسم پر اک اونٹ کی سی گردن تھی

ناک وہ ناک خطرناک جسے کہتے ہیں
ٹانگ کھینچی تھی کہ مسواک جسے کہتے ہیں

نقش محبوب مصور نے سجا رکھا تھا
مجھ سے پوچھو تو تپائی پہ گھڑا رکھا تھا

یہ سمجھنے کو کہ یہ آرٹ کی کیا منزل ہے
ایک نقّاد سے پوچھا جو بڑا قابل ہے

سبزہ خط میں وہ کہنے لگا رعنائی ہے
میں یہی سمجھا کہ ناقص مری بینائی ہے

بولی تصویر جو میں نے اسے الٹا پلٹا
"میں وہ جامہ ہوں کہ جس کا نہیں الٹا سیدھا"

اس کو نقّاد تو اک چشمۂ حیواں سمجھا
میں اسے حضرتِ مجنوں کا گریباں سمجھا
دیر تک بحث رہی مجھ میں اور اس میں جاری
تب یہ ثابت ہوا ہوتی ہے یہ اک بیماری

ایک تصویر کو دیکھا کہ یہ کیا رکھا ہے
ورقِ صاف پہ رنگوں کو گرا رکھا ہے
ٹیڑھی ترچھی سی لکیریں تھیں وہاں جلوہ فگن
جیسے ٹوٹے ہوئے آئینے پہ سورج کی کرن
بولا نقّاد جو یہ آرٹ ہے تجریدی ہے
آرٹ کا آرٹ ہے تنقیدی کی تنقیدی ہے
تخفا کیبو بزم میں کاغذ پہ جو آتا تھا نظر
مجھ کو اینٹیں نظر آتی تھیں اسے حسنِ بشر
بولا نقّاد نظر آتے یہی کچھ ہم تم
خلد میں حضرتِ آدم جو نہ کھاتے گندم
ایبسٹریکٹ آرٹ بہر طور نمایاں نکلا
"قیس تصویر کے پردے میں بھی عُریاں نکلا"
وہ خد و خال کہ ثانی نہیں جن کا کوئی آج
بات یہ بھی ہے کہ ملتا نہیں رنگوں کا مزاج
اس کو کیبو بزم کا آزار کہا کرتے ہیں
اس کے خالق جو ہیں بیمار رہا کرتے ہیں

ایک تصویر جو دیکھی تو یہ صورت نکلی
جس کو سمجھا تھا اننّاس وہ عورت نکلی

ایبسٹریکٹ آرٹ کی اس چیز پہ دیکھی ہے اساس
"تن کی عُریانی سے بہتر نہیں دنیا میں لباس"

اس نمائش میں جو اطفال چلے آتے تھے
ڈر کے ماؤں کے کلیجوں سے لپٹ جاتے تھے

ایبسٹریکٹ آرٹ کا ایک یہ بھی نمونا دیکھا
فریم کاغذ پہ تھا کاغذ جو تھا سونا دیکھا

وہ ہمیں کیسے نظر آئے جو مقسوم نہیں
"لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر ہمیں معلوم نہیں"

ڈر سے نقادوں کے اس آرٹ کو یوں کہتے ہیں ہم
"شاہد ہستی مطلق کی کمر ہے عالم"

الغرض جائزہ لے کر یہ کہا ہے انصاف
آج تک کر نہ سکا اپنی خطا خود میں معاف

میں نے یہ کام کیا سخت سزا پانے کا
یہ نمائش نہ تھی اک خواب تھا دیوانے کا

کیسی تصویر بنائی مرے بہکانے کو
اب تو دیوانے بھی آنے لگے سمجھانے کو

واہی

آپ ۱۹۱۴ء میں ایک بستی کچھوا ضلع سارن (بہار) میں پیدا ہوئے۔ اسکول اور کالج کی تعلیم پٹنہ میں ہی ہوئی۔ کمرشیل کالج کلکتہ سے کامرس کا ڈپلوما لینے کے بعد ۱۹۲۷ء میں بہار لیجسلیچر میں اردو رپورٹر کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔ اِن دنوں بہار لیجس لیچر کے کونسل ڈپارٹمنٹ میں ہندی رپورٹر ہیں۔ ان کی ایک کتاب ہندی رسم الخط میں "اردو شاعری اور بہار" بہار راشٹر بھاشا پریشد کے زیرِ اہتمام ۱۹۵۷ء میں شائع ہوکر مقبول ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ اردو زبان میں پانچ کتابیں اشارہ حصہ اول، اشارہ حصہ دوم، نقش جمیل، فکر جمیل اور واہیات مرتب کر کے شائع کر چکے ہیں۔

سنجیدہ نظمیں برابر لکھتے رہتے ہیں جو ملک کے مختلف رسائل میں "رضا نقوی" کے نام سے شائع ہوتی رہی ہیں۔ ۱۹۵۹ء سے مزاحیہ نظمیں سہیل عظیم آبادی کی فرمائش پر جوان دنوں ساتھی اخبار کے ایڈیٹر تھے لکھنے لگے۔ ان نظموں کی مقبولیت نے ان کی سنجیدہ شاعری کو کافی دھکّے دیئے۔ لیکن اس پسپائی کے باوجود اب تک دونوں طرح کی نظمیں برابر لکھتے رہتے ہیں۔ اور ایک مزاح نگار شاعر کی حیثیت سے بہت مقبول ہیں۔

(جوش ملیح آبادی کی نظم پروگرام سے متاثر ہو کر)

واہی کا پروگرام

واہی کو اگر آپ کبھی ڈھونڈنا چاہیں
وہ پچھلے پہر خوابِ پریشاں میں ملے گا

اور صبح کو وہ شہر کے سرکاری مطب میں
شیشی لئے انبوہِ مریضاں میں ملے گا

اور دن کو وہ سرکار کے دفتر کا اسامی
کھویا ہوا فائل کے بیاباں میں ملے گا

اور ڈیڑھ بجے لنچ کی جب ہوتی ہے فرصت
وہ رہگذرِ چاٹ فروشاں میں ملے گا

اور شام کو وہ والدِ اطفالِ گرسنہ
جھولا لئے مل چند کی دوکاں میں ملے گا

اور رات کو وہ دن بھر کا تھکا ماندہ بیچارہ
مردے کی طرح کلبۂ احزاں میں ملے گا

افسر کا پروگرام

افسر کو اگر آپ کبھی ڈھونڈنا چاہیں
وہ پچھلے پہر خواب کے ٹاپو میں ملے گا

اور صبح کو وہ بہرِ ہوا خوری سڑک پر
چلتا ہوا بُل ڈوگ کے پہلو میں ملے گا

اور دن کو وہ کرسیٔ رعونت پہ بصد شان
فائل پہ جھکا ورزشِ ابرو میں ملے گا

اور شام کو وہ صاحبِ انگریز خصائل
کلفر میں رچی پبلک میں پالازو میں ملے گا

اور رات کو وہ شہر کے مشہور کلب میں
پیمائشِ طولِ قد و گیسو میں ملے گا

شاعر کا پروگرام

شاعر کو اگر آپ کبھی ڈھونڈنا چاہیں
وہ پچھلے پہر فکر کے دلدل میں ملے گا
اور صبح کو آئینہ لئے رو برو سامنے اپنے
اشعارِ تغزل کے ریہرسل میں ملے گا
دن کو وہ جگر گوشۂ بیکاری و افلاس
بستر پہ خیالات کے جنگل میں ملے گا
اور شام کو حلقے میں مریدانِ سخن کے
بیٹھا ہوا رحمانیہ ہوٹل میں ملے گا
اور شب کو سرِ بزمِ سخن صدر کے نزدیک
گالوں کو پھُلائے صفِ اوّل میں ملے گا

مُلّا کا پروگرام

مُلّا کو اگر آپ کبھی ڈھونڈنا چاہیں
وہ پچھلے پہر نفخ کی حالت میں ملے گا
اور صبح کو وہ بندۂ مجبورِ مراسم
سُکڑا ہوا محرابِ عبادت میں ملے گا
بعد اس کے وہ ہوٹل میں خدا دین ہیا گئے
ناسازیٔ معدہ کی شکایت میں ملے گا
اور دن کو چھڑی ہاتھ میں لیکر سرِ مکتب
مصروف وہ توسیعِ جہالت میں ملے گا
اور شام کو جنّات کی مسجد میں کنوئیں پر
تسخیرِ اجنّہ کی ریاضت میں ملے گا
اور محفلِ میلاد ہو یا بزمِ عروسی
ہر رات وہ بریانی کی دعوت میں ملے گا

ایڈیٹر کا پروگرام

اور آپ ایڈیٹر کو اگر ڈھونڈنا چاہیں
وہ پچھلے پہر خانۂ عزلت میں ملے گا
اور صبح کو وہ شہر کا مشہور صحافی
اخبار فروشوں کی جماعت میں ملے گا

اور دن کو وہ بیڑی کا دھواں منہ سے اُڑاتا
مصروف مضامین کی ادارت میں ملے گا

اور شام کو کاتب جو رہے گا کبھی غائب
بے چارہ جُٹا شغلِ کتابت میں ملے گا

اور رات کو پتھر پہ جو جم جائے گی کاپی
تا دیر پریس مین کی خدمت میں ملے گا

وکیل کا پروگرام

اور آپ پلیڈر کو اگر ڈھونڈنا چاہیں
وہ شب کو پنل کو ڈاُلٹنے میں ملے گا

اور صبح کو مرغیٔ وکالت کا وہ مُرغا
انڈے کی تمنا لئے ڈربے میں ملے گا

اور دن کو کچہری میں وہ اجلاس سے پہلے
پا کر نئے مختاروں کے اڈے میں ملے گا

اور ان کی خوشامد سے جو مل جائے گی فرصت
کنجوس مؤکل سے تقاضے میں ملے گا

مل جائے گی جب فیس تو پشواز پہن کر
اجلاس پہ حکام کے مجرے میں ملے گا

اور شام کو آتے ہی کچہری سے وہ جھٹ پٹ
تھالی لئے گھستا ہوا چوکے میں ملے گا

لیڈر کا پروگرام

لیڈر کو اگر آپ کبھی ڈھونڈنا چاہیں
وہ پچھلے پہر حجرۂ دلبر میں ملے گا

اور صبح کو وہ بندۂ اغراض و مقاصد
سَر خم کئے دربارِ منسٹر میں ملے گا

اور دن کو وہ جنتا کی چراگاہ کا بھینسا
چرتا ہوا پرمٹ کسی دفتر میں ملے گا

اور شام کو احباب کے پیسوں کی بدولت
ہوٹل میں کہیں یا کسی پکچر میں ملے گا

اور رات کو ہاتھوں میں لئے بھات کی تھالی
بیوی سے جھگڑتا ہوا وہ گھر میں ملے گا

پُروفیسر کا پُروگرام

کالج کے مدرس سے. جو ہو آپ کو ملنا — وہ پچھلے پہر اپنے نشیمن میں ملے گا

اور صبح کو وہ چند کتابوں کا مؤلف — ناشر سے تقاضائے کمیشن میں ملے گا

اور دن کو وہ کالج میں پڑھانے سے زیادہ — مشاطگیٔ زلفِ الیکشن میں ملے گا

کھولے گا سیاست کی گرہ چشم زدن میں — لیکن دمِ لکچر بڑی الجھن میں ملے گا

غالب کے کسی شعر کا مطلب نہ سمجھ کر — پیشِ طلبا قلب کی دھڑکن میں ملے گا

اُلجھے گا جو اقبال کے گیسوئے خودی میں — تجزیۂ فن کاریٔ ملٹن میں ملے گا

لکچر بھی جو دے گا تو وہ میٹر سے زیادہ — اُلجھا ہوا اسٹائل و ڈکشن میں ملے گا

تحقیق کا سودا کبھی ہوگا تو سرِ شام — پڑھتا ہوا کتبہ کسی مدفن میں ملے گا

اور رات کو بچوں کو کسی بات پہ دھپ کر
مکھی کی طرح بیوی سے بھن بھن میں ملے گا

نقاد کا پروگرام

نقّاد سے ملنا ہے خطرناک کہ ہر دم — وہ حالتِ تبخیرِ تخیل میں ملے گا

دن رات وہ اک خاص اکڑفوں کی ادا سے — ذہنیتِ معکوس کے فرغل میں ملے گا

بس ایک ہی محور پہ وہ ناچے گا ہمیشہ — جب دیکھئے گردابِ تقابل میں ملے گا

کیفیتِ قبض اس کی طبیعت میں رہے گی — ذہن اس کا مضافاتِ تعطل میں ملے گا

لیلیٔ سخن پاس بھٹکنے جو نہ دے گی — الجھا ہوا تنقید کے کاکل میں ملے گا

کوّوں کے سخن پر وہ تقاریظ لکھے گا — اور مضحکۂ نغمۂ بلبل میں ملے گا

یا رات کو بستر پہ وہ بیٹھا ہوا اکڑوں
پنسل لئے تنقیصِ تغزل میں ملے گا

فلسفی کا پروگرام

اور فلسفیِ وقت کے اوقات ہیں بہتر
ہر دم وہ طلسماتِ توہم میں ملے گا

تالابِ تجسس پہ لئے فکر کی بنسی
وہ گاہ شکارِ مہ و انجم میں ملے گا

اور گاہ وہ آنکھوں کو کئے بند سڑک پر
خواب اور حقیقت کے تصادم میں ملے گا

گو رات کو جسم اس کا چٹائی پہ رہے گا
لیکن وہ ستاروں سے تکلم میں ملے گا

کھو جائے گی جب عقل تو بھولے گا خدا کو
آ جائے گا جب ہوش تو ہم تم میں ملے گا

لیڈری کا نسخہ

وہ لوگ آج کل جنھیں فکرِ معاش ہے
آسودگیٔ زیست کی جن کو تلاش ہے

اس کے عوض کہ جا کے کہیں نوکری کریں
واہی کا مشورہ ہے کہ وہ لیڈری کریں

معجون لیڈری کا بڑا کامیاب ہے
نسخہ یہ کسبِ زر کے لئے لاجواب ہے

انمول ہے یہ جنس تجارت کے واسطے
ترکیب لکھ رہا ہوں سہولت کے واسطے

ایمان اور ضمیر کو پہلے کھرل کریں
اور اس کے بعد خون حمیت میں حل کریں

تخمِ ریا کو عقل کے کانٹے پہ تول لیں
سازش کا زہر شہدِ فصاحت میں گھول لیں

بادامِ خلق و پستۂ تہذیب پھینٹ لیں
دونوں کو خوب سِل پہ شقاوت کے پیس لیں

پھر اس میں سفید جھوٹ کا پانی ملائیں پھر
حرص و ہوس کی آنچ پہ سب کو پکائیں پھر

جوشاندہ جب ابال پہ آئے اتار لیں
اور اس کو پھر دماغ کی بوتل میں گار لیں

قندِ سیاہ فرقہ پرستی ملائیں پھر　　اور کوششِ ضعیف کو اپنی کھلائیں پھر
بیمار کو غذائے مقوّی بھی چاہیے　　تھوڑی سی مرغ روح کی یخنی بھی چاہیے
انڈے بھی کچھ حسد کے ہوں تخمِ نودی کے ساتھ　　دونوں کو کھائیں بغض و عداوت کی گھی کے ساتھ
دیکھیں دوا کا معجزہ فضلِ خدا سے پھر　　بیمار نا امید نہ ہوگا شفا سے پھر
صحت کا خوں رگوں میں اچھلنے لگے گا پھر　　عزمِ ضعیف اٹھ کے ٹہلنے لگے گا پھر
ٹھوکر سے اپنی فتنۂ محشر جگائے گا　　اور ماں پر عذاب خدا بن کے چھائے گا
تخم ہوس سماج کی کھیتی میں بوئے گا　　طوفان بن کے قوم کا بیڑا ڈبوئے گا
پھر تو قدم کو چومے گا اقبال بار بار　　قربان اس پہ ہوں گے مہ و سال بار بار

دولت کنیز بن کے خواصی میں آئے گی
لچھمی خود اس کے ماتھے پہ چندن لگائے گی

لیلائے کربش

آئی ہے مرے شہر میں ایک شوخ حسینہ　　سرشار جوانی ہے کہ ساون کا مہینہ
رعنائی کے تیور ہیں کہ طوفان کا قرینہ

اک محشرِ جذبات ہے ظالم کی جوانی　　مستانہ ادائیں ہیں کہ دریا کی روانی
ہر منہ میں بھر آتا ہے جسے دیکھ کے پانی

شوخی ہے کہ برسات کی گھنگھور گھٹائیں　　یا بزمِ خرابات کی مخمور ہوائیں
یا وادیٔ کشمیر کی مسحور فضائیں

ہر شخص کو جامِ مئے دیدار پلا کر　　ہر دل میں چراغ اپنی تمنّا کا جلا کر
ہر روح میں وارفتگیٔ شوق بڑھا کر

یوں چھیڑ دیا اس نے محبت کا ترانہ　　اک آن میں تسخیر ہوا سارا زمانہ
عشّاق بھلا بیٹھے زلیخا کا فسانہ

ویسے تو پھنسانے میں وہ مشاق بڑی ہے — ہر شخص پہ ہر دل پہ نظر اس کی گڑی ہے
جی جان سے لیکن وہ دفاتر پہ پڑی ہے

سرکار کے دفتر کا اسسٹنٹ بچارا — ٹکرا گیا اس شوخ کی نظروں سے قضارا
اور فرض کی بازی میں بری طرح سے ہارا

فائز ہیں مگر عہدۂ عالی پہ جو افسر — ظالم کی محبت میں ہوئے آپے سے باہر
حال ان کے دلِ زار کا ہر دل سے ہے ابتر

اس دشمنِ ایماں نے کسی کو بھی نہ چھوڑا — جو اس کے مخالف تھے غرور ان کا بھی توڑا
دل اپنی طرف قوم کے لیڈر کا بھی موڑا

جو دیش کے سیوک تھے اہنسا کے پجاری — خود ان سے حسینہ نے کہا "میں ہوں تمہاری"
اور ان پہ بھی الفت کا جنوں ہو گیا طاری

اب دیش کی سیوا کی بھلا کیا ہے ضرورت — اب وقت کہاں ہے جو کریں قوم کی خدمت
اب وہ ہیں اور اس شوخ کا آغوشِ محبت

مشاعرہ اور کامریڈ

کل شب کو انجمن میں ہوا ایک مشاعرا — میں بھی تھا سامعین کی صف میں کھڑا ہوا
ہر مکتبِ خیال کے تھے لوگ مجتمع — ڈائس پہ شاعروں کی تھی اک سطحِ مرتفع
تک بند و تک فروش بھی تھے بندی بھی تھے — پیرِ مغانِ میکدۂ شاعری بھی تھے
اک سمت شاعرانِ ترقی پسند تھے — کرسی پہ اپنے زعم میں سب سے بلند تھے
زاغ و زغن جو پہلے غزل اپنی پڑھ چکے — اور نقد و تبصرہ کی کسوٹی پہ چڑھ چکے
استادِ فن بھی آ گئے مائک کے سامنے — تا حدِّ فہم داد انھیں دی عوام نے

سب کی زباں پہ ذوقِ سخن کا خراج تھا
لیکن صفِ یمیں میں خموشی کا راج تھا

خاموش شاعرانِ ترقی پسند تھے
لب ہائے ناز قفلِ تکبر سے بند تھے

کچھ ان میں نتھنے چڑھائے ہوئے اپنی تیوریاں
سگریٹ پی کے چھوڑ رہا تھا کوئی دھواں

نیچی نظر میں طنز کے نشتر تھے تیز تیز
احساسِ برتری کی متانت تھی خندہ ریز

کرسی پہ ہر ادیب تھا اک پیکرِ خیال
یونانیوں کی سنگ تراشی کی اک مثال

اتنے میں صدرِ بزم یہ بولے کھکھار کے
اب آ رہے ہیں شاعرِ فردا جوار کے

ما گا پہ آئیں حضرتِ شامرِ بیخ ہیں کہاں
اتنے میں اُٹھ کھڑا اک منحنی جوان

مجمع پہ ڈالتا ہوا ترچھی سی اک نظر
مائک کو ایک ہاتھ سے مضبوط تھام کر

زلفوں کی گرد جھاڑ کے اور کھول کر کتاب
اک نظم کی شروع بہ عنوانِ انقلاب

مطلع یہ تھا کہ گاؤ زمیں کو پچھاڑ دیں
بپا ہیں جو ہم تو خیمۂ افلاک پھاڑ دیں

سنتے ہی اس کے بزم میں اک غلغلہ ہوا
ہر شاعرِ ترقی پسند اُٹھ کھڑا ہوا

وہ تالیاں بجیں کہ رُخِ وقت مڑ گیا
ان تالیوں میں طائرِ مضموں بھی اڑ گیا

شہ پر سمیٹے بلبلِ سدرہ نے سہم کے
ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اربابِ فہم کے

میں دل میں سوچنے لگا اللہ رے اتحاد
ہونٹوں سے ایک ساتھ نکلتی ہے سب کے داد

کہتے ہیں ہم خیالی و ہم مشربی اسے
کہیئے اک ارتقائے جماعت گری اسے

یہ کیا کہ شیعہ سُنّی سے ہوتا ہے ہم سخن
یہ کیا کہ سنّی شیعوں کو دیتا ہے دادِ فن

یہ کیا کہ اک ملیچھ کو ہندو حسیں کہے
محمود اور شانتا کو مہ جبیں کہے

یہ حسنِ خلق ضعفِ جماعت کی ہے دلیل
شامت کی ہے دلیل حماقت کی ہے دلیل

واہی کی التجا ہے یہ ہر فرقہ بند سے
بے عقل شاعرانِ ترقی پسند سے

ریل کا سفر

درپیش اچانک جو ہوئی ایک ضرورت
واہی سے ہوئی ریل پہ چڑھنے کی حماقت

آدھمکی ذرا وقت سے پہلے ہی جو گاڑی
واہی نے گھڑی دیکھی تو لاحق ہوئی حیرت

حیرت تھی کہ تعجیل کی کیا وجہ ہے آخر
تاخیر تو ہے ریل کی دیرینہ روایت

القصہ ٹکٹ منزلِ مقصود کا لیکر
اسباب لئے دوڑ کے پہونچا وہ بہ عجلت

آگے سے بھی پیچھے سے بھی کھاتا ہوا دھکے
داخل ہوا اک چھوٹے سے ڈبے میں بہ دقت

ڈبہ تھا کہ اک گنجِ شہیداں کا نمونہ
تھوڑی سی جگہ تنگ تر از گوشۂ تربت

تربت میں مگر پاؤں تو پھیلاتے ہیں مُردے
زندوں کو نہیں ریل میں اسکی بھی سہولت

اسباب پہ بیٹھا تھا کوئی ٹانگ اڑائے
کھڑکی پہ کھڑا تھا کوئی دیوار کی صورت

اس بھیڑ میں گنجائشِ الفاظ کہاں تھی
الفاظ بھی ہونٹوں سے نکلتے تھے بہ دقت

تھا دم بخود اک گوشہ میں سمٹا ہوا واہی
کم بخت کو تھی سانس کے لینے کی ضرورت

اور سانس کے لینے کا نہ تھا کوئی بھی امکاں
تھی بند ہوا او کسیجن کی تھی یہ قلت

تھے ایک بزرگ اسکے مقابل میں جو بیٹھے
دیکھی نہ گئی ان سے جو واہی کی یہ حالت

فرمانے لگے آپ کہاں جاؤگے بھیّا
برداشت بھی کر پاؤگے رستے کی صعوبت

یہ ریل نہیں، حضرتِ سودا کی ہے گاڑھی
دو روز میں طے کرتی ہے اک دن کی مسافت

کل اسکو پہونچنا تھا جہاں آج ہی پہونچی
چوبیس پہر لیٹ ہے، اللہ رے غیرت

میں اپنی تباہی کا بیاں کیا کروں بھیّا
پٹنے میں تھی کل میرے مقدمے کی سماعت

پٹنہ ہے مگر آج بھی دِلّی کی طرح دور
روتی ہے مری شامتِ اعمال کو قسمت

یہ سنتے ہی کان اسکے کھڑے ہوگئے فوراً
کی عرض کہ یہ آپ نے کیا کہدیا حضرت

میں نے تو یہ سمجھا تھا کہ ہے وقت پہ آئی | ہے آٹھ پہر لیٹ؟ قیامت ہے قیامت
بولے وہ بزرگ آپ بڑے سادہ ہیں بھیّا | ہم لوگ کسی کام میں کرتے نہیں عجلت
معلوم نہیں آپ کو یہ نکتۂ تاریخ؟ | جو قوم کی خصلت ہے وہی ریل کی خصلت
وہ ریل کی رفتار ہو یا وقت کی رفتار | اس ملک میں دونوں کو تساہل کی ہے عادت

پابندیٔ اوقات میں ہے شانِ غلامی
آزاد ہے جب ملک تو کیا اسکی ضرورت

لال فیتہ

ملک میں سانپ کی قسموں کا نہیں کوئی شمار | رینگنے والا ہے کوئی تو کوئی ہے پردار
مثلِ افعی ہے سیاست کا گلو بند کوئی | بن کے ناگن کوئی تہذیب کی گردن کا ہار
کوبرا یوں تو ہے ہر سانپ سے زیادہ موذی | کاٹے سے جس کی ہے انسان کا بچنا دشوار
ہم نے اک اور نئے سانپ کو دیکھا ہے مگر | زہر کی جس کے ہر اک بوند ہلاکت بہ کنار
دفتری آب و ہوا میں جو پلا کرتا ہے | جس کو جو دودھ پلاتی ہے ہماری سرکار
کاٹ اس سانپ کی ہے زہر ہلاہل سے بھی تیز | اس کا سونگھا ہوا بچتا نہیں کوئی زنہار

اس کا خم زلفِ حسیناں سے زیادہ پُرپیچ
اس کی دم ابروئے جاناں سے زیادہ خم دار

لال فیتہ ہے وہ معشوقِ ستم گر وا ہی | فیض سے جس کے ہر آفس ہے نوابی دربار
کتنے احکام ہوئے اس کے خم و پیچ میں قید | کتنی اسکیمیں ہوئیں اسکے تغافل پہ نثار
لال فیتے کا ہوا بندِ کفن جس کو نصیب | اسکی قسمت میں ہے آفس کی درازوں کا مزار
کسی درخواست کا جبتک کہ نہ ہو لے چہلم | فاتحہ خواں نہیں ہوتا قلم خوش رفتار
حکم پنشن کا دفاتر سے ہے چلتا اس وقت | جب پہونچ جاتے ہیں تا ملک عدم پنشن خوار

لال فیتے ہیں دفاتر کی دماغی الجھن / جس کے اک پیچ میں ہیں سو فلسفۂ لیل و نہار
لال فیتے ہیں کلرکوں کی طبیعت کی گرہ / ناخنِ سعی سے بھی جو نہیں کھلتی زنہار
لال فیتے کے تبسم میں تمنّا کا لہو / لال فیتے کے شکنجے میں امیدوں کا فشار
لال فیتے نہیں لیتے ہیں غریبوں کا سلام / لال فیتے نہیں سنتے ہیں یتیموں کی پکار

لال فیتے کو پہنایا گیا اُجلا جوڑا
پھر بھی ہے رنگ طبیعت کا ابھی تک خونخوار

محقق

یہ جو اک حضرت چلے آتے ہیں گورستان سے / یہ نہ سمجھیں آپ، ہیں بیزار اپنی جان سے
آپ کو یوں ہی ہے آثارِ قدیمہ سے لگاؤ / جس طرح چونا ڈلی کتھے کو نسبت پان سے
آپکو قبروں سے الفت عشق ویرانے سے ہے / آپ گھبراتے ہیں جیتے جاگتے انسان سے
کوئی کتنا ہی بڑا ہو فلسفی شاعر ادیب / عمر بھر اس سے رہا کرتے ہیں آپ انجان سے
ہاں مگر جیسے ہی پا جاتا ہے بیچارہ وفات / آپ اسکو چاہنے لگتے ہیں جی سے جان سے
سونگھتے ہیں دیر تک مرحوم کی خاکِ لحد / پھر یہ فرماتے ہیں اٹھ کر عالمانہ شان سے
مرنے والا دفن ہے گو سرزمینِ ہند میں / آئے تھے غسّال کابل سے کفن جاپان سے
طول و عرضِ قبر سے یہ صاف چلتا ہے پتہ / گورکن آئے تھے اطرافِ بلوچستان سے

یہ تھا اک رُخ صاحبِ تحقیق کی تصویر کا
دوسرا رخ بھی بیاں کرتا ہوں سنیئے دھیان سے

ہیں بہ زعم خود محقق آپ ہندوستان کے / آپ نے نقطے گنے ہیں میرؔ کے دیوان کے
شہر میں اپنے کتابوں کا جو قبرستان ہے / گورکن ہیں آپ اسی مشہور قبرستان کے
کاتتے ہیں سوت کو تحقیق کے اتنا مہین / آپ کے آگے جولاہے مانتے ہیں ایران کے

زیرِ تحقیق آپ کے رہتے ہیں یہ سب مسئلے
کس قدر بچے پلے تھے گھر میں مومن خان کے

پانچ بجکر پانچ پر یا پانچ بجکر سات پر
داغ نے توڑا تھا دم زانو پہ منی جان کے

رند نے اک بیوفا کے عشق میں کھائے تھے جو
وہ چھری کے زخم تھے یا گھاؤ تھے کرپان کے

دھن ہے یہ ثابت کریں دلی تھا ملٹن کا وطن
اور سودا کے چچا بوچڑ تھے انگلستان کے

الغرض رہتی ہے روز و شب یہی بس ایک فکر
کوئی گلدستہ اتاریں طاق سے نسیان کے

آپ کو ہے والہانہ عشق مخطوطات سے
جیسے سناٹے کو الفت ہو اندھیری رات سے

کرم خوردہ اور بوسیدہ کتابوں کے ورق
ڈھونڈ کر لاتے ہیں آپ اِس شہر اُس دیہات سے

لیکے ان اوراقِ پارینہ کو یوں آتے ہیں خوش
لوٹتے ہوں جس طرح نوشہ میاں بارات سے

پھر مہینوں تک عرق ریزی کیا کرتے ہیں آپ
جوڑتے ہیں سلسلہ اس ڈال کا اُس پات سے

سرحدِ وہم و گماں کو چھوڑ کر میلوں پرے
کھیلتا ہے ذہن دور از عقل امکانات سے

اس پہ طرہ یہ کہ رکھتے ہیں کھلے بندوں جناب
دل میں بغضِ للّٰہی اوروں کی تصنیفات سے

گر کسی نے لکھ دیا یہ، میر کے دو ہاتھ تھے
آپ اس کو رد کریں گے اپنی تحقیقات سے

آپ کی تحقیق یہ ہوگی کہ سودا تھا غریب
اور اسے ثابت کریں گے اسکی کلیات سے

شاعرِ بسیار گو

شاعرِ بسیار گو سے ہے یہ میری التماس
آپ یوں للہ سامع کو نہ کیجئے بدحواس

آپ کے اشعار ہیں یا ٹڈیوں کی فوج ہے
اب بلائے ناگہانی موج اندر موج ہے

مختصر سی رسمِ ختنہ اور اس پر تیس شعر
عقد کے دو بول کی تقریب اور چالیس شعر

اس طرف کوئی مرا اور نطق گو ہر بار ہے
لاش بھی اٹھی نہیں اور نظم اک تیار ہے

شعر کی مجلس میں پہنچے اور فضا تھرا اُٹھی ابتری ماحول پر چھائی ہوا تھرا اُٹھی

میں نے مانا شاعری کا آپ کو عرفان ہے آپ کی فکرِ رسا پر چون کی دوکان ہے

جسمیں مستی بھی ہے، کاجل بھی ہے، اور صابون بھی دانت کا منجن بھی ہے گڑیا بھی ہے، بیلون بھی

آپ ڈھیلی کر کے رکھ دیتے ہیں نس نس شعر کی اف یہ چوغزلہ اور اس پہ ہر غزل دس شعر کی

آپ کو جتنے قوافی مل سکے فرہنگ میں ان کو ٹھونسا لا کے غزلوں کی قبائے تنگ میں

اور پھر سودا ہوا یہ آپ کے سر پر سوار اب اٹھو چل کر نکالیں سننے والوں کا فشار

آپ شاید یہ سمجھتے ہیں کہ سامع کا دماغ کاسہ فولاد ہے یا سنگ خارا کا ایاغ

جس پہ تیزابِ سخن کا کچھ اثر ہوتا نہیں جس پہ شعروں کا ہتھوڑا کارگر ہوتا نہیں

آپ کی بسیار گوئی کا تماشہ دیکھ کر دم بخود ہیں صاحبانِ ذوق و اربابِ نظر

آپ کے سر پر مسلط جذبہ تحسین ہے
اور اِدھر سب کی زباں پر سورۂ یٰسین ہے

گویّا شاعر

ان سے ملئے آپ ہیں وہ شاعرِ رنگیں نوا جن سے بزمِ شعر کی مرطوب رہتی ہے ہوا

بھیرویں کی دُھن میں جس دم دادرا گاتے ہیں آپ بن کے ساون کی گھٹا محفل پہ چھا جاتے ہیں آپ

آپ پڑھتے ہیں غزل جب لے کے ہلکی گٹکری آپ پہ قربان ہو جاتی ہے روحِ شاعری

آپ کی آوازیوں لبریز ہے تاثیر سے گونجتی رہتی ہے محفل نعرۂ تکبیر سے

آپکی رنگین نوائی کا ہے یہ ادنےٰ کمال شعرِ بے معنی بھی بن جاتا ہے اک سحرِ حلال

سر جھکائے سازگُل رہتے ہیں گو اہلِ نظر جھومتا رہتا ہے مجمع آپ کی ہر تان پر

فلم کے گانوں کی دھن میں جب سناتے ہیں کلام انجن پر ٹوٹ پڑتا ہے سڑک کا اژدحام

آپ کے شعروں میں گو آہنگ کا فقدان ہے آپ کا گانا مگر بزمِ سخن کی جان ہے

آپ کی نغمہ سرائی کی خبر ہے دور تک
آپ کا شہرہ ہے دلّی سے مظفر پور تک

فرق یہ ہے آپ میں اور پیشہ ور قوّال میں
قیس کا طالب ہے وہ اور آپ خوش ہر حال میں

گنگنا کر آپ جب کرتے ہیں صاف اپنا گلا
بزم قوّالی کا آ جاتا ہے ہلکا سا مزا

مصرعِ اول کو دو دو بار دہرانے کے بعد
انگلیوں سے تال سر کا بھاؤ بتلانے کے بعد

لوچ پیدا کر کے قدموں میں تھرک جاتے ہیں آپ
کچھ پھڑک جاتی ہے محفل کچھ پھڑک جاتے ہیں آپ

آپ سے داہی کا ہے یہ دست بستہ مشورا
آپ کو فطرت نے بخشا ہے مغنّی کا گلا

آپ کی شفقت کا ہے محتاج رقّاصی کا فن
کیوں نہ بزم رقص میں تبدیل ہو بزم سخن

کس قدر بے چین ہیں یہ پاؤں گھنگھرو کیلئے
گردشیں محدود کیوں ہوں چشم و ابرو کیلئے

لطف آ جائے جو سازندے بھی ہوں کچھ ساتھ ساتھ
اس طرف پیروں میں جنبش اس طرف طبلے پہ ہاتھ

پھیل جائے چار جانب پھر تو شہرا آپ کا
اور ہر تقریب شادی میں ہو مجرا آپ کا

بانیانِ مشاعرہ سے

اے منتظم بزم سخن بانیٔ صحبت
کچھ تجھ سے مقامی شعراء کو ہے شکایت

بہتر ہے فریقین میں ہو جائے صفائی
بہتر ہے کہ باقی نہ رہے دل میں کدورت

یہ بات مسلّم کہ تجھے دردِ سخن ہے
اور یہ بھی بجا تجھ کو میسر ہے فراغت

اوقات گزاری کے لئے تیری نظر میں
بہتر مے و مینا سے ہے اشعار کی لذت

پرہیز اگر رقص و غنا سے ہے بظاہر
کچھ مصلحتِ وقت ہے کچھ پاس شریعت

پھر اس کے علاوہ یہ کھلی بات ہے اب تو
بزم شعراء کرتی ہے دونوں کی نیابت

القصہ ترا ذوق جو اکساتا ہے تجھ کو
مائل بہ سخن ہوتی ہے جب تیری طبیعت

کرتا ہے بپا اپنے یہاں مجلس شعری
پیش شعراء بھیج کے پروانۂ دعوت

گھر پر ترے جٹ جاتے ہیں دس بیس خوش آہنگ
موقع ہو تو واہی کی بھی ہو جاتی ہے شرکت

ہوتی ہے تمام آخرِ شب تک کہیں جا کر
جمتی ہے سرِ شام سے اکثر جو یہ صحبت

جی کھول کے اشعار سناتے ہیں سخن ور
اور داد کی تقسیم بھی ہوتی ہے بہ کثرت

لیکن کبھی اس بات پہ بھی غور کیا ہے
تو ان کی کیا کرتا ہے کس طرح ضیافت

پنواڑی کی دوکان کی دو ایک گلوری
یا چائے کی اک آدھ پیالی بہ کراہت

چھ گھنٹے جو محبوس رہیں بزم میں تیری
کیا ان کے تحمل کی یہی ہوتی ہے قیمت

کیا تجھ کو گماں ہے کہ ہیں شاعر ولی اللہ
کھانے کی ضرورت ہے نہ پینے کی ضرورت

کیا تجھ کو گماں ہے کہ انھیں ضعفِ جگر ہے
بیچاروں کو ہے بھوک نہ لگنے کی شکایت

کیا تجھ کو گماں ہے کہ وہ ہیں قحط کے مارے
اور قحط کے ماروں کو تو فاقوں کی ہے عادت

مطبخ جو ترا ہو دلِ واہی کی طرح سرد
ہوٹل کو تو کاشانۂ احسان سے ہے قربت

واہی کی ہے یہ نظم وکالت شعراء کی
واللہ کو خود اس کو نہیں کوئی شکایت

سیّد ضمیر جعفری

ان کا اصل نام سیّد ضمیر حسین شاہ ہے۔ ادب کے میدان میں قدم رکھا تو اسکول اور کالج میں ضمیر حسین دردؔ رہا۔ اور اس کے بعد آج تک سیّد ضمیر جعفری ہیں۔ کل کا خبر خدا جانے۔

جہلم شہر سے شمال مغرب کی طرف کوئی بارہ چودہ میل دور ایک چھوٹی سی وادی ہے۔ اس خطے میں دریائے جہلم جب پہاڑوں سے نکلتا ہے تو اس وادی میں داخل ہوتا ہے۔ اس وادی میں چک عبدالخالق نام کا ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ جہاں آپ جنوری ۱۹۱۸ء میں ایک متوسط زمیندار خاندان میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سید حیدر شاہ ایک صوفی منش انسان تھے۔ ان کے نانا پیر سید محمد شاہ پنجابی زبان کے ایک مقبول صوفی شاعر گزرے ہیں۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مڈل اسکول میں پائی۔ پھر مختلف اسکولوں اور کالجوں سے ہوتے ہوئے اسلامیہ کالج لاہور میں پہونچے۔ جہاں سے پنجاب یونیورسٹی سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔

تعلیم ختم کرنے کے بعد کچھ مدت لاہور میں اخبار نویسی کرتے رہے۔ مولانا چراغ حسن حسرت مرحوم کے شہرہ آفاق فکاہی ہفت روزہ شیرازہ میں ان کے معاون رہے۔ پھر دہلی میں حکومت ہند کے ایک دفتر سے منسلک ہو گئے۔ دوسری جنگ عالمگیر اس درمیان

میں چھپ چکی تھی۔ چنانچہ اپنے علاقے اور خاندان کی عسکری روایات کے مطابق فوج میں افسری کمیشن پاکر سمندر پار چلے گئے اور ملک ملک گھومتے رہے۔ زیادہ وقت جنوب مشرقی ایشیا بالخصوص ملایا میں گزرا۔ آج کل پاکستان کے محکمہ ترقی دیہات میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

سنجیدہ منظومات کے دو مجموعے "جزیروں کے گیت" اور "لہو ترنگ" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ نثر میں بھی دو کتابیں "جنگ کے رنگ" جو دوسری جنگ عظیم کی یادداشتوں پر مشتمل ہے اور "اڑتے ہوئے خاکے" (فکاہی مضامین) طبع ہو چکی ہیں۔

مجھے ذوقِ تماشا لے گیا تصویر خانوں میں

مرے پیشِ نظر ہے ایک سستے ریٹ کا سِنما
یہی لاہور کے "مستانِ مستی گیٹ" کا سِنما

وہ شور اُٹھتا ہے اونچی سیٹیوں کا فحش گانوں کا
کہ جیسے کوئی ہنگامہ الیکشن کے زمانوں کا

اُدھر پردے سے جیسے ہی کوئی عورت دکھائی دی
کہ بچوں نے اِدھر آغوشِ مادر کی دہائی دی

جو پکچر میں ذرا سا بھی "وصال یار" ہو جائے
تو اہلِ دل کو پوری زندگی دشوار ہو جائے

اُدھر جب "نرگسوں اور گرگسوں" میں سامنا ہوگا
اِدھر عشاقِ دلبر دست میں محشر بپا ہوگا

کبھی رقصِ مسرت میں، کبھی جوشِ رقابت میں
براہِ راست سب شامل ہیں ہیرو کی محبت میں

یہاں جب فلم اکثر اتفاقاً ٹوٹ جاتی ہے
تو اہلِ ذوق کی نبضِ تحمل چھوٹ جاتی ہے

فضا میں گونج اٹھتی ہے کئی اقسام کی گالی
کبھی اِس نام کی گالی، کبھی اُس نام کی گالی

وہ دیکھو ایک اونچے پیڑ پر گانے لگا ہیرو
تڑپ کر خود زمانے بھر کو تڑپانے لگا ہیرو

اکیلے ہاتھ سے دس بیس تلواریں چلاتا ہے
جہاں چڑھنا بھی مشکل ہو وہاں سے کود جاتا ہے

یہ جب نکلے گا موٹر لیکے ٹکر کھا کے آئے گا
بڑی محنت سے کوئی حادثہ فرما کے آئے گا

اگر مفلس ہے خود تو عشق مالا مال لڑکی سے
وگرنہ ڈھونڈ کر قلاش و خستہ حال لڑکی سے

جو چہرہ سامنے آیا پری تمثال ہے گویا
یہ دنیا خوبصورت لڑکیوں کا مال ہے گویا

محبت میں خیال خودکشی پیہم ضروری ہے
کہ مرنا سخت لازم اور جینا کم ضروری ہے

نہ گھبراؤ، نہ گھبراؤ اگر یہ مر بھی جائے گا
تو ہیروئن کی شادی پر یقیناً لوٹ آئے گا

ہیروئن بھی پرانی مہرباں معلوم ہوتی ہے
بسا اوقات تو ہیرو کی ماں معلوم ہوتی ہے

بغیر ساز و نغمہ خودکشی بھی کر نہیں سکتی
کہ جب تک ٹھمریاں ٹھمرا نہ لیگی مر نہیں سکتی

کلیجہ تھام تو مجرے کی محفل جمنے والی ہے
یہ محفل جم گئی صاحب تو پھر کب تھمنے والی ہے

میاں قوال نے لٹ اس طرح لٹکا کے رکھی ہے
کہ جیسے ریس کے گھوڑے نے دم اکڑا کے رکھی
ابھی کیا ہے ابھی اک گیروا سادھو بھی آئے گا
فقط آنے کے کیا معنی وہ گانا بھی سنائے گا
یہ سادھو بات سے حالات کا رخ موڑ دیتا ہے
کہانی کے سب اجزائے پریشان جوڑ دیتا ہے
وہ دیکھو کب ہلے گا کیا کرے گا جانتے ہیں ہم
ہمارے گھر ہی کا تو مال ہے پہچانتے ہیں ہم

ہمارا اور اس سادھو کا یارانہ پرانا ہے
کہ ہر پکچر میں اک مدت سے اس کا آنا جانا ہے

بندر روڈ، کراچی

ہر مکاں، ایوان بر ایوان، بندر روڈ پر
ہر مکاں، جاپان در جاپان بندر روڈ پر
ہر نظر میں زیست کے ارمان بندر روڈ پر
ہر قدم پر موت کے سامان بندر روڈ پر
سرسراتی ساڑھیاں، یہ لہلہاتی داڑھیاں
کفر بندر روڈ پر، ایمان بندر روڈ پر
صدر بھی جولانگاہِ عشق و مستی ہے مگر
عشق و مستی کا بڑا گھمسان بندر روڈ پر
واقعہ اک اک جلیل القدر بندر روڈ کا
حادثہ اک اک عظیم الشان بندر روڈ پر
زلفِ بنگال و رخِ پنجاب ریشِ مردِ حُر
از اٹک تا ساحلِ مکران بندر روڈ پر
چھوڑ کر لاہور کی گلیوں کو آخر آ بسے
سالک[1] و حسرت[2] سے نکتہ دان بندر روڈ پر
زندگی اک روڈ سر بٹ دوڑ مرنے کی طرف
آدمی حیران و سرگردان بندر روڈ پر

شعر انگیزی تھی بندر روڈ کی ورنہ ضمیر
نظم بکھرے فوج کا کپتان بندر روڈ پر

[1] مولانا عبدالمجید سالک [2] مولانا چراغ حسن حسرت

پیدا کرو

شوق سے لختِ جگر نورِ نظر پیدا کرو
ظالمو! تھوڑی سی گندم بھی مگر پیدا کرو

کیا چھچھوندر سے نکالے ہیں یہ بچے شیخ جی
قبلۂ عالم! انہیں بارِ دگر پیدا کرو

کھال چیتے کی بنی ہے شالِ دوشِ حسن پر
تم بھی اپنے منہ پہ کوئی جانور پیدا کرو

"ڈوٹر و لیڈر" نے موٹر ہیں یہ کی تقسیمِ کار
ہم اُدھر پیدا کریں گے، تم اِدھر پیدا کرو

شیخ، ناصح، محتسب، مُلّا، کہو کس کی سنیں
یارو کوئی ایک مردِ معتبر پیدا کرو

میری دشواری کا حل، چارہ گرو! دانش ورو!
جلد تر پیدا کرو اور مختصر پیدا کرو

میری درویشی کے جشنِ تاجپوشی کے لئے
ایک ٹوپی تو ذرا، "ہائی ڈیر" پیدا کرو

تیرے شعرِ تر کو یہ اولادِ آدم کیا کرے!
نے نوازی ہو چکی اب نیشکر پیدا کرو!

بن کھلی، مائی کھلی، مجلس کھلی، کالر کھلا
کھلتے کھلتے ڈیڑھ گھنٹے میں کہیں افسر کھلا

آٹھ دس کی آنکھ پھوٹی، آٹھ دس کا سر کھلا
اے خطیبِ شہر کی تقریر کا جوہر کھلا

سچ ہے مغرب اور مشرق ایک ہو سکتے نہیں
اس طرف بیوی کھلی ہے، اس طرف شوہر کھلا

نیئر کی قسمت میں آتی ہے تو جاتی ہی نہیں
میرے گھر کے بالمقابل "کوٹہ سنٹر" کھلا

کوئی روکے ٹوکے ان کو یہ بھلا کس کی مجال
مولوی گل شیر ہے قصے ہیں، شبیر نہ کھلا

اُن کا دروازہ تھا مجھ سے بھی سوا مشتاقِ دید
میں نے باہر کھولنا چاہا تو وہ اندر کھلا

آدمی احساسِ منصب کے مطابق قید ہے
دیکھ لو ڈپٹی کمشنر بند ہے، ریڈر کھلا

طبعِ شاہانہ ہے میری، وضعِ درویشانہ ہے
آستیں میں بنگلہ پنہاں، ہاتھ میں چھپر کھلا

میں نے غالب کے ادب سے اس میں غوّاصی نہ کی
ورنہ تھا اس بحرِ بے پایاں میں تو "ہیومر" کھلا

جو کمیٹی کا بھی ممبر ہو گیا
وہ بھی تقریباً منسٹر ہو گیا

اک ذرا افسر نے مونچھیں چھوڑ دیں
محکمہ پورا مچھندر ہو گیا

مجھ سے صاحب نے کہا الو ہو تم
ہڑبڑایا میں کہ "یس سر" ہو گیا

عورتیں پردے سے باہر آ گئیں
مولوی "لوٹے" کے اندر ہو گیا

جو مڈل تک پاس کر پایا نہ تھا
دیکھتا کیا ہوں ایڈیٹر ہو گیا

فقر و درویشی کے الٹے زور سے
میں مسلماں سے، قلندر ہو گیا

آپ کچھ شرما کے لیڈر بن گئے
میں ذرا گھبرا کے نوکر ہو گیا

جس کی داڑھی مفلسی میں بڑھ گئی
زینتِ محراب و منبر ہو گیا

میرے شعرِ تر پہ ہنس لینے کے بعد
دیدۂ اہلِ نظر تر ہو گیا

جانِ محفل تھا خدا بخشے ضمیر
اب تو اک مدت سے شوہر ہو گیا

تن آسانی نہیں جاتی، ریاکاری نہیں جاتی
میاں برسوں میں یہ صدیوں کی بیماری نہیں جاتی

یہ نسخہ بھی بہت عمدہ ہوا ہے امنِ عالم کا
لڑائی ہو نہ ہو لڑنے کی تیاری نہیں جاتی

اگرچہ آٹھ دس بچوں نے گھر میں کچھ نہیں چھوڑا
میاں باری کے گھر سے رحمتِ باری نہیں جاتی

سنا ہے قیس پیدل دوڑتا ہے اب بھی صحرا میں
سنا ہے آج تک بھی نجد میں لاری نہیں جاتی

جناب شیخ یوں چلتے ہیں علم و فضل کو لیکر
کسی ٹھیلے سے جیسے کوئی الماری نہیں جاتی

یہ مکتب ہے جنکے کھل جانے سے آنکھیں بند ہو جائیں
یہ دانش ہے جسکے آ جانے سے بیکاری نہیں جاتی

میاں گُلشبیر خاں تم بھی ہوا کے رُخ کو پہچانو
جہاں ساری چلی جاتی ہے پھلکاری نہیں جاتی
ضمیر جعفری صاحب اٹھو کچھ کام فرماؤ
فقط رونے سے میری جان دشواری نہیں جاتی

آدمی

تھا کبھی علم آدمی، دل آدمی، پیار آدمی
آج کل نیک آدمی، قصر آدمی، کار آدمی

کلبلاتی بستیاں مشکل سے دو چار آدمی
کتنا کمیاب آدمی ہے کتنا بسیار آدمی

ہو نہ ہو لیڈر رہے کوئی یا زمیندار آدمی
اس گرانی میں وگرنہ اتنا تیار آدمی

آگے آگے اونٹ پر ہے مشرقِ وسطیٰ سوار
پیچھے پیچھے گلہ دس بکریاں چار آدمی

کتنی تیزی تھی طبیعت میں مگر شادی کے بعد
رفتہ رفتہ ہو گیا کس درجہ ہموار آدمی

پتلی گردن، پتلے ابرو، پتلے لب، پتلی کمر
جتنا بیمار آدمی اتنا طرحدار آدمی

زندگی پیچھے کہیں منہ دیکھتی ہی رہ گئی
کتنا اونچا لے گیا جینے کا معیار آدمی

میری آہٹ پا کے وہ چلّا کے بولے کون ہے
ہڑبڑایا میں کہ میں ہوں میں ہیں سرکار آدمی

پہلے کشتی ڈوب جاتی تھی نظر کے سامنے
اب گرے گا بحرِ اوقیانوس کے پار آدمی

آپ نے جانا نہیں، جانا تو پہچانا نہیں
تھا ضمیر جعفری بھی اک مزیدار آدمی

لو کل مہاجرین پہ تازہ نکھار دیکھ
مونچھوں کے تاؤ دیکھ نظر کی بہار دیکھ

موٹر پہ اڑ رہا ہے وہ تلّا کمہار دیکھ
ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ

اے مرحبا یہ حسنِ ادائے الاٹمنٹ

عورتوں کی اسمبلی

بوا کو تو دیکھو نہ گہنا نہ پاتا فقط اک غرارہ فقط ایک چھاتا
نہیں کچھ بھی نام خدا آتا جاتا بجٹ ہاتھ میں جیسے دھوبن کا کھاتا
ادھر ممبری چھڑ گئی ممبری سے
ادھر طفل رونے لگے گیلری سے

یہ آواز شور و شغب بولتی ہیں یہ انداز غیظ و غضب بولتی ہیں
نہیں بولتی ہیں تو کب بولتی ہیں یہ جب بولتی ہیں تو سب بولتی ہیں
شہادت کی انگشت اقبال پر ہے
کبھی ناک پر ہے کبھی گال پر ہے

سپیچوں میں گوٹے کناری کی باتیں بہو کی کفایت شعاری کی باتیں
پڑوسن کی پرہیزگاری کی باتیں غرض ہر بیاہی کنواری کی باتیں
بلیڈ اور ٹائی پہ کٹ ہو رہی ہے
مگر عطر و ریشم کی ہٹ ہو رہی ہے

راجہ مہدی علیخاں

دور جدید کے جن شعراء نے زندگی اور سماج کے چھپے ہوئے ناسوروں پر تیز نشتر چلانے کا آغاز کیا ان میں راجہ مہدی علی خاں کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ وہ مولانا ظفر علی خاں کے خاندان سے تعلق رکھتے اور پیدائشی شاعر ہیں۔ راجہ مہدی علی خاں ماہنامہ عالمگیر، ہفتہ وار خیام، تہذیب نسواں اور پھول وغیرہ کے اداروں میں کام کرنے کے بعد آل انڈیا ریڈیو میں چلے گئے تھے۔ مضراب ان کی تصنیف ہے۔ جس کی نظموں میں بقول ڈاکٹر وزیر آغا بعض حقائق کو طشت از بام کرکے خواب پرستوں کی ذہنی اڑان کو روکنے کی ایک واضح سعی نظر آتی ہے۔ مثلاً ان کی نظم چور اور خدا، میں اگر دعا کی جذباتیت کو نشانہ طنز بنا دیا گیا ہے تو 'کانے کے آنسو' میں محبت کی سستی جذباتیت کو رسوا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مگر جب وہ ان باتوں سے ذرا ہٹ کر ٹھوس حقائق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو "اجی پہلے آپ" اور 'ملاقاتی' جیسی تخلیقات معرض وجود میں آنے لگی ہیں۔ اور طنز کی نشتریت تیز تر ہو جاتی ہے لیکن اس سلسلے میں راجہ صاحب کی بہترین نظم 'ایک جہلم پر' ہے جس میں انتہائی خوبی اور جرأت سے سماج کی بعض دل چسپ رسوم کے مضحک پہلوؤں کو بے نقاب کیا ہے۔

ایک جہلم پر

بہت خوبصورت بہت نیک تھا وہ — ہزاروں جوانوں میں بس ایک تھا وہ
کسی سے بھی رکھی نہ اس نے عداوت — کہ پیشہ تھا اس نوجواں کا شرافت
ہمارے محلے میں وہ جب بھی آتا — خدا اس کو بخشے ہمیں مل کے جاتا
نہ رو رو کے بے حال ہو اے دلہن تو — نہ کر اس قدر آہ رنج و محن تو
وہ جنت میں خوشیاں منائیگا مت رو — وہ حوروں سے اب دل لگائیگا مت رو
وہ آخر ہمیں بھی تو تھا جاں سے پیارا — مگر دے لیا ہم نے دل کو سہارا

نہ کر بین اتنے نہ رو اتنا پیاری
ہمارے کلیجے پہ چلتی ہے آری

رضیہ ذرا گرم چپاتی تو لانا — ذکیہ ذرا ٹھنڈا پانی تو لانا
بہت خوبصورت بہت نیک تھا وہ — ہزاروں جوانوں میں بس ایک تھا وہ
منگانا ذرا شوربا اور خالہ — بڑھانا ادھر کو ذرا یہ پیالہ
ہمارے محلے میں وہ جب بھی آتا — خدا اس کو بخشے ہمیں مل کے جاتا
پڑا ہے پلاؤ میں گھی ڈالڈے کا — خدا تو ہی حافظ ہے میرے گلے کا
دلہن سے کہو آہ اتنا نہ روئے — بچاری نہ بے کار میں جان کھوئے
اری بوٹیاں تین سالن میں تیرے — یہ چھچھڑا لکھا تھا مقدر میں میرے
بہت خوبصورت بہت نیک تھا وہ — ہزاروں جوانوں میں بس ایک تھا وہ
دلہن گھر میں چورن اگر ہو تو لانا — نہیں تو ذرا کھاری بوتل منگانا

نہ کر بین اتنے نہ رو اتنا پیاری
ہمارے کلیجے پہ چلتی ہے آری

اس سے اور اسی سے

زمیں کے چاند ترا حسن آسمانی ہے ہر ایک جلوہ ترا اک نئی کہانی ہے
زہے نصیب کہ تو ہو مری شریک حیات ہو تیرے جلوؤں سے رخشندہ زندگی کی ر[illegible]
ہے میرے اجڑے ہوئے گھر کو انتظار ترا تو اے بہار اسے آ کے خلد بن[illegible]
گھر آؤں گا جو سر شام ہو کے میں بے حال نہال دل کو کریں گے یہ ترے پھول سے گال
گلے میں ہوں گے ترے ہار میری باہوں کے چمک اٹھیں گے ستارے تری نگاہوں کے
کرے گی زندہ مجھے تیری دلنشیں گفتار مرے چمن میں ہمیشہ رہے گا حسن بہار
کھلے گی دل کی کلی روح شادماں ہو گی بہشت ہو گی اسی گھر میں تو جہاں ہو گی

قدم نما و فرود آ کہ خانہ خانہ تست

خدا کے واسطے کھولو بھی آ کے دروازہ میں کتنی دیر سے باہر کھڑا ہوں چیخ ر[illegible]
اگر علیل نہ ہو آپ کا مزاج شریف تو پنکھا جھلئے ذرا اٹھ کے کیجئے تکلیف
یہ چارپائی مری ٹیڑھی کیوں بچھائی ہے بھلا اِکنّی یہ کیوں فرش پہ گرائی ہے
الٰہی کون یہ پانی کا دے گا اتنا بِل خدا کے واسطے کر نل کو بند اے کاہل
چپاتیاں میرے اللہ سب کی سب کچّی تمام عمر ہی شاید رہو گی تم بچّی
بس اٹھ بھی اب کوئی ایسا برا تو حال نہیں یہ مجھ غریب کا گھر ہے یہ ہسپتال نہیں

دبا دے پیر مرے اٹھ کے اٹھ بھی اٹھ او سست

دو شرابی

پہلا شرابی زمانہ گردش میں جھومتا ہے نشے نگاہوں کو آ رہے ہیں
وہ ہاتھ زندہ رہیں خدایا جو مجھ کو وسکی پلا رہے ہیں

دوسرا شرابی جناب آپ کیا ہوش میں ہیں اگر ہے ایسا تو اور لیجے
شراب خانے میں آئے ہیں تو خودی کو غرق شراب کیجے

پہلا شرابی نشہ بہت ہو گیا ہے صاحب نہ اور دیجے شراب مجھ کو
کہ اک بڑا سانپ لگ رہا ہے یہ لمبا لمبا کباب مجھ کو

دوسرا شرابی کباب تو بہترین ملتے ہیں شام کو میرے گھر کے آگے
اور ایسے خستہ کہ ٹوٹ جائیں اگر نہ لپٹے ہوں ان پہ دھاگے

پہلا شرابی پتہ جناب اپنے گھر کا اس خاکسار کو بھی بتائیے گا

دوسرا شرابی یہ کارڈ میرا ہے بھائی صاحب ضرور تشریف لائیے گا

پہلا شرابی اٹھارہ نمبر نظام منزل یہ میرے گھر کا پتہ ہے صاحب

دوسرا شرابی منگا دوں ٹیکسی بہت نشہ اگر آپ کو ہو گیا ہے صاحب

پہلا شرابی نشے میں کوئی بھی اپنے گھر کا پتہ نہیں بھولتا ہے مسٹر

دوسرا شرابی بہت سی پی لے تو ماں بہن تک کو بالیقیں بھولتا ہے مسٹر

پہلا شرابی میرے مکرم یقین کر لو۔ بہک گئے ہو نشے میں گم ہو

دوسرا شرابی تو گویا فرحت کے نام پر جو مکان ہے اسکے مکین تم ہو

پہلا شرابی قسم خدا کی۔ اٹھارہ نمبر نظام منزل۔ مرا مکان ہے

دوسرا شرابی کرایہ دیتی ہے اس کا فرحت تو کہہ رہا ہے مرا مکان ہے

پہلا شرابی — نشے میں کہتا ہوں صاف تجھ سے بہت ہی فرحت کو پیار مجھ سے

دوسرا شرابی — زبان کو دے لگام ورنہ تو آج کھائے گا مار مجھ سے

پہلا شرابی — جو ہاتھ مجھ پہ کبھی اٹھایا۔ طلاق لے لے گی تجھ سے فرحت

دوسرا شرابی — وہ تجھ کو سینڈل سے پیٹ دیگی کہ عشق کرتی ہے مجھ سے فرحت

پہلا شرابی — اگر تجھی سے وہ عشق کرتی گلے لگاتی نہ وہ مجھے بھی

دوسرا شرابی — ابھی جہنم دیکھاتا ہوں تیرے نشے کو بھی اور تجھے بھی

پہلا شرابی — گلا پکڑ مت ہٹالے اپنے یہ ہاتھ گندے یہ کالے کالے

دوسرا شرابی — تباہ کر دوں گا مار ڈالوں گا ہیں نہ چھوڑوں گا تجھ کو سالے

پہلا شرابی — اٹھارہ نمبر۔ نظام منزل میں بول بیٹا کبھی گھسے گا

دوسرا شرابی — تمہاری ماں کو گلے لگانے تمہارا یہ باپ ابھی گھسے گا

پہلا شرابی — کمینے کتے (پھٹے گریبان) رذیل پاجی (گئی وہ ٹائی)

دوسرا شرابی — سؤر کے بچے (گلاس ٹوٹے) حرامزادے (گری تپائی)

ترڑاپ تھپڑ، کھٹاک گھونسے، دھڑم دھڑم، دھاپ چل رہے ہیں
گلے پھلا کے، دُمیں اٹھا کے، یہ دونوں مُرغے اُچھل رہے ہیں)

تیسرا شرابی — حسین ہے موسم سماں ہے رنگیں لڑو نہیں بھائی باز آؤ
ارے او بیرا یہ کیا ہے گڑبڑ یہ مر نہ جائیں انھیں چھڑاؤ

بیرا — جناب یہ دونوں باپ بیٹے ہیں بھول جاتے ہیں وزپی کے
یہ دونوں رہتے ہیں ایک ہی گھر میں غل مچاتے ہیں وزپی کے

تیسرا شرابی — مگر وہ فرحت کا کیا ہے قصہ جو بن گئی زیبِ داستاں ہے

بیرا — اجی وہ ہے ایک نیک عورت جو اسکی "بیوی" اور اس "کی ماں" ہے

ضرورت رشتہ اور تصویریں

ممی اس سے نہیں توبہ۔ کروں گی قدر خاک اس کی
مجھے لگتا ہے ڈر اس سے بہت لمبی ہے ناک اس کی
ہوئی شادی تو پہلا کام ——— ڈائی وورس مانگونگی
میں اس کی ناک پر کیا اپنا اوورکوٹ ٹانگوں گی

نہیں بابا۔ نہیں بابا

ارے ٹانگیں تو دیکھو "لانگ فیلو" سے بھی لمبا ہے
کہیں گے لوگ اس کا پارٹنر بجلی کا کھمبا ہے
چڑھی سیڑھی لگاکر بھی تو ڈر جاؤں گی میں امی
وہیں سیڑھی سے گر کر کھٹ سے مر جاؤں گی میں امی

پرے پھینکو پرے پھینکو

نہیں اتنا برا لیکن یہ اوورایج لگتا ہے
کتاب عاشقی کا آخری یہ پیج لگتا ہے
نہیں بابا نہیں، لگتا ہے یہ تو ہو بہو ڈیڈی
اسے تو اپنا دل دینے پہ ہو جاؤ گی تم ریڈی

"اری لڑکی۔ اری لڑکی"

یہ اچکن پہنے بیٹھے ہیں غلط بولیں گے انگریزی
ہلاکو جیسی آنکھیں ہیں نگاہیں ان کی چنگیزی

میں کوئی ملک ہوں جو مجھ پہ حملہ کرنے آئے ہو
میاں جاؤ میں اک تلوار ہوں کیوں مرنے آئے ہو
نہیں جچتا۔ نہیں جچتا
بہت خط اس نے بھیجے ایک بھی بھیجا نہ تو لیٹر
میں پہلے ویک اس سے کر چکی ہوں ڈراپ یہ میٹر
میاں تم مشرقی اور مغربی ہے خاندان اپنا
میں باز آئی محبت سے اٹھالو پاندان اپنا
نہیں جچتے نہیں جچتے
ممی غنڈہ ہے یہ اور نام ہے بی۔ اے شریف اس کا
شراب اور بدمعاشی میں نہیں کوئی حریف اس کا
اِدھر یہ ڈال کر ڈورے مجھے اپنا بنالے گا
ہو تم بھی خوبصورت یہ نظر تم پر بھی ڈالے گا
"اری لڑکی۔ اری لڑکی"
نگاہیں نیچی نیچی نام ہے ایم اے لطیف اس کا
خدایا توبہ توبہ جسم ہے کتنا نحیف اس کا
میری نظروں کا پہلا تیر بھی یہ سہہ نہیں سکتا
یہ مر جائے گا بے چارہ یہ زندہ رہ نہیں سکتا
چلو آگے چلو آگے
نظر خونخوار ریچھوں کی طرح وحشی ہیں ہاتھ اس کے
بہت نازک بدن ہوں رہ سکوں گی میں نہ ساتھ اس کے
بہت ہی تنگ کر دے گا یہ ظالم قافیہ میرا

بدل ڈالے گا دو ہی دن میں یہ جغرافیہ میرا

میں باز آئی میں باز آئی

یہ اس کے منہ پہ "مسٹر پھٹے منہ" کس نے ہے لکھ ڈالا
یہ میرا کام تھا لیکن شرارت کر گئی خالہ
ذرا ٹھہرو میں اس کے ساتھ خالہ کو پھنساؤں گی
اسی خالہ کو "بیگم ڈرپھٹے منہ" میں بناؤں گی

"اری لڑکی اری لڑکی"

یہ ایل ایل بی ہے پر اللہ بچائے ان وکیلوں سے
یہ ہر اک بات منوا لے گا قانونی دلیلوں سے
مجھے ڈائی وورس یہ بائی فورس دے سکتا ہے حیلوں سے
میرا گھر لوٹ لے گا قریبوں سے اور اپیلوں سے

نہیں دیکھو پرے پھینکو

یہ شاعر ہے یہ ہر لڑکی کو آہیں بھر کے تکتا ہے
جب اکتا جائے گا کہہ دے گا میڈم تجھ میں "سکتا" ہے
کرے گا شاعری دن بھر نہیں پیسہ کمائے گا
میں جب مانگوں گی کھانا یہ مجھے غزلیں سنائے گا

نہیں بابا، نہیں بابا

یہ پروفیسر ہیں ازبر ان کو دنیا کے ڈرامے ہیں
بس ڈرتی ہوں یہ کیوں ہاتھوں میں آسکر وائلڈ تھامے ہیں
کہیں مجھ سے زیادہ یہ نہ لیں لڑکوں سے دلچسپی
سہاگن ہو کے بھی بیوہ نہ ہو جائے میری ہستی

نہیں امّی نہیں امّی

ارے یہ ڈاکٹر نبضیں حسینوں کی ٹٹولے گا
گنے گا دھڑکنیں دل کی گریباں کو ٹٹولے گا
شریک زندگی بن کر میں جینے کو تو جی لوں گی
جو اس پر شک ہوا میں ٹنکچر آیوڈین پی لوں گی

نہیں بابا نہیں بابا

ممی اب بس کرو بس بس غلط ہیں سب یہ تدبیریں
محبت میں نہ کام آتی ہیں تصویریں نہ تقریریں
جو سچ پوچھو "شراب عشق" سپ کرتی رہی ہوں میں
وہی اچھا ہے جس سے "کورٹشپ" کرتی رہی ہوں میں

ایک اور ضرورت رشتہ اور تصویریں

پولیس کپتان کی پوتی ہے یہ اس سے نہیں امّی
جہاں ڈانٹا پولیس آجائے گی فوراً وہیں امّی
ذرا "فوں فوں" کیا تو اپنے ڈیڈی کو بتادے گی
یہ خود باہر رہے گی اور مجھے اندر کرادے گی

نہیں امّی نہیں امّی

ممی یہ وہ ہے جو پٹنے میں ہاکی میچ کھیلی تھی
خوشی سے شیخ کی موٹر میں اس نے لفٹ لے لی تھی
وہ اس گوری پہ کالا ہاتھ اپنا دھر چکا ہو گا
وہ موقع پا کے موٹر میں اسے کس کر چکا ہو گا

نہیں امّی نہیں امّی

ممی کیا یہ وہی ہے جس کی تم ہو عاشق و شیدا
یہ ہندی ہو کے کیوں انگلینڈ میں جاکر ہوئی پیدا
سوئیٹزرلینڈ میں ہے باپ امریکہ میں ماں اُن کی
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں اس کی
نہیں امّی نہیں امّی

عدالت حسن کی ہے بن کے میجسٹریٹ بیٹھی ہیں
یہ شادی کے لئے "ملزم" کو دینے ڈیٹ بیٹھی ہیں
چھوا ان کو تو بولیں گی "رذالت کر رہے ہو تم
ارے ہٹ جاؤ توہین عدالت کر رہے ہو تم"
نہیں امّی نہیں امّی

بھویں تنتی ہیں کتنا ساتھ ہے اُترن کے بیٹھی ہیں
کلام داغ شاید پڑھ کے یہ بن ٹھن کے بیٹھی ہیں
کہیں گی میرے کتّے کے لئے بھی پارٹنر لاؤ
کسی السیشین کُتیا سے آنکھیں اس کی لڑواؤ
نہیں امّی نہیں امّی

یہ دوڑی جا رہی ہے جیسے یہ ہو ریس کی گھوڑی
نہ میں نے عشق کے بنگلے سے اس کی باگ اگر موڑی
کسی جاکی کو کندھوں پر بٹھا کر بھاگ جائے گی
بہاریں لوٹ آئیں گی مگر یہ پھر نہ آئے گی
نہیں امّی نہیں امّی

سُنا ہے فلم میں بھی یہ حسینہ کام کرتی ہے
نہ جانے ایک دن میں کتنے دل نیلام کرتی ہے
جو ہیرو مِل گیا کوئی مجھے ڈلین بنا دے گی
یہ دو ہی چار سینوں میں مجھے گھر سے بھگا دیگی
نہیں امّی نہیں امّی

ارے اس کو تو اس دن پارٹی میں ہم نے دیکھا تھا
کسی لڑکے نے اس پر دور سے اک پھول پھینکا تھا
یہی تھے ٹاپس کانوں میں یہی ٹشو کی ساری تھی
نظر سب سے بچا کر اس نے مجھ کو آنکھ ماری تھی
نہیں امّی نہیں امّی

ہے ریکٹ ہاتھ میں کیا بیڈمنٹن اس نے سیکھی ہے
تتیّا مرچ کی مانند کتنی تیکھی تیکھی ہے
اسی ریکٹ سے ایک دن میرا قصہ پاک کر دے گی
یہ میرے عشق کو دو دن میں شٹل کاک کر دیگی
نہیں امّی نہیں امّی

دکن کی جادوگرنی آئی دامِ زلف کو کھولے
کہے قینچی کو "کینچی" اور قسم کو یہ "خصم" بولے
قسم کھانے کے دھوکے میں "خصم" شاید یہ کھا جائے
مری امّی جوانی میں نہ مجھ کو موت آ جائے
نہیں امّی نہیں امّی

سنا ہے فن موسیقی میں ماہر ہے یہ نیک ابلا؛
کہے گی مجھ سے "میں گاؤں گی تم چھیڑو ذرا طبلا"
میرے گھر کی چھتیں اڑ جائیں گی بس اسکی تانوں سے
نہ سارنگی جدا تو کر سکے گی اس کی رانوں سے
نہیں امی نہیں امی

غزالی آنکھ چہرہ پھول شرمیلی نظر اس کی
حسین گالوں پہ دو تِل ہیں اور غائب کمر اس کی
ممی یہ سرو قد لڑکی نہیں میرے نصیبوں میں
یہ بٹ جائے گی فوراً شاعروں میں اور ادیبوں میں
نہیں امّی نہیں امّی

کھڑی ہے ریگ ساحل پر امیرالبحر کی پوتی
صراحی دار گردن میں ہیں کچھ مرجان کچھ موتی
میرے دل کے سفینے کو چٹانوں سے نہ ٹکرا دے
کسی ملّاح سے مجھ کو سمندر میں نہ پھنکوا دے
نہیں امّی نہیں امّی

یہ نیلی نیلی آنکھیں ہونٹ پتلے ہو بہو ہو تم
اسے تک کر میرے ڈیڈی کا دل بھی ہو نہ جائے گم
سمجھ کر تم ہو ڈیڈی چوم لیں گے اس کو دھوکے سے
نہیں امید مجھ کو رک سکیں گے میرے روکے سے
نہیں امّی نہیں امّی

ممی اب تو سمندر ہی ہیں پھینک آؤ یہ تصویریں
نہیں ڈالو میرے قدموں میں تم شادی کی زنجیریں
جو سچ پوچھو یہ سب شادی نہ کرنے کے بہانے ہیں
مچلتا تیر ہوں سب لڑکیاں میرے نشانے ہیں
مجھے دنیا کی ہر لڑکی حسیں معلوم ہوتی ہے
ہر اک صورت مجھے سحر آفریں معلوم ہوتی ہے
اگر ان لڑکیوں میں ایک سے شادی کروں گا میں
یقیں ہے مجھ کو باقی کے لئے آہیں بھروں گا میں
کہو اب تم ہی امی میں کروں گا کس طرح شادی
میں ڈیڈی کی طرح ہرگز قناعت کا نہیں عادی

بیوی کی سہیلیاں

آئی جو ایک اور بھی آتی چلی گئیں
چھوٹے سے ایک گھر میں سماتی چلی گئیں
بچوں کی فوج لیکے ہوئیں گھر پہ حملہ زن
ہم "دشمنوں" کے ہوش اڑاتی چلی گئیں
غنچہ دہن اُگلتے رہے دودھ بار بار
یہ بار بار دودھ پلاتی چلی گئیں
ننھوں نے ڈرائنگ روم میں دریا بہا دیئے
دریاؤں میں یہ بند لگاتی چلی گئیں
بچوں نے چھیڑے ناک سے نغمے سڑ سڑ
ناکیں پکڑ کے "چھوں" یہ کراتی چلی گئیں
دیوار پہ جہاں بھی سفیدی نظر پڑی
کتھے کے پھول اس پہ بناتی چلی گئیں
اوراق ہر کتاب کے الٹے لگا کے تھوک
پیکوں کی جھڑیں ان پہ لگاتی چلی گئیں
کھینچے انھوں نے آکے مرے ریڈیو کے کان
چاروں طرف سے اس کو بجاتی چلی گئیں

کھانے میں نقص انھوں نے نکالے ہزار رہا ہر ناپسند چیز کو کھاتی چلی گئیں

بولی جو ایک "کائیں" تو سب بولیں "کائیں کائیں" پھر "کائیں کائیں کائیں" سناتی چلی گئیں

اس گھر میں آ کے کھلنے لگے سب گھروں کے راز پردے پڑے ہوئے تھے اٹھاتی چلی گئیں

ہر ایک کا تھا یاد انھیں شجرۂ نسب ہے کون کس کا باپ بتاتی چلی گئیں

ہمسایوں کے سر کی حجامت کے بعد بھی قینچی زبان کی یہ چلاتی چلی گئیں

ہر سال ان کی عمر گھٹی چار یا پانچ سال ہر سال "عمر غیر" بڑھاتی چلی گئیں

دلہن کی طرح گھر تھا ہمارا سجا ہوا بیوہ کی طرح اس کو مٹاتی چلی گئیں

رو رو کے آج مانگ رہا ہوں یہی دعا

اس گھر میں یہ بلائیں نہ پھر آئیں اے خدا

میاں کے دوست

آئے میاں کے دوست تو آتے چلے گئے چھوٹے سے ایک گھر میں سماتے چلے گ

وہ قہقہے لگے کہ چھتیں گھر کی اڑ گئیں بنیاد سارے گھر کی ہلاتے چلے گ

بکواس ان کی سن کے شیاطین رو پڑے رہ یا بہ ایک سب کو رلاتے چلے گ

نوکر نے آ کے چائے کے دریا بہا دیئے دریا سمندروں میں سماتے چلے

الماریوں میں سہم گئے بسکٹوں کے ٹن چن چن کے ایک ایک کو کھاتے چلے

کھانے کی چیزیں نادر و نایاب ہو گئیں دلّی کا قتل عام مچاتے چلے

شیروں کی طرح ٹوٹ پڑے آ کے میز پر جو چیز بھی ملی وہ چباتے چلے

جیسے پولیس مین پکڑتا ہے چور کو ہر شے پکڑ کے پیٹ میں لاتے چلے

انجن کی طرح منہ سے اگلتے رہے دھواں اور سگرٹوں کی راکھ گراتے چلے

ہر سمت پھینک پھینک کے ماچس کی تیلیاں
کوڑے کا فرش گھر میں بچھاتے چلے گئے
کمرے میں گھومتے ہوئے کیچڑ بھرے وہ بوٹ
قالین کے نصیب جگاتے چلے گئے
دیواروں سے ٹکے رہے چپڑے ہوئے وہ سر
ہر نقش ماسوا کو مٹاتے چلے گئے
آوازیں "آخ تھو" کی بھی ہوتی رہیں بلند
سوئے ہوئے گلوں کو جگاتے چلے گئے
کوئی کتاب اپنے ٹھکانے نہ رہ سکی
ہندی کو فارسی میں ملاتے چلے گئے
اخباروں کی وہ ہتک عزت ہوئی کہ آہ
اب ان سے وہ نگاہ کے ناتے چلے گئے

دیواریں وہ نہیں رہیں وہ در نہیں رہا
جس گھر پہ مجھ کو ناز تھا وہ گھر نہیں رہا

وفا کی دیویاں

دوست
چھوڑ اے دوست کہ جلدی کہیں جانا ہے مجھے
اپنی "اجڑی ہوئی دنیا" کو بسانا ہے مجھے

بید کے سائے میں نگہت میری رخشندہ جبین
مرمریں جسم لئے حور کے مانند حسین
ہو گی بے تاب گھڑی دیر نہ ہو جائے کہیں
اور فرقت میں وہ بے ہوش نہ ہو جائے کہیں
گر گئی کھا کے جو غش اس کو اٹھانا ہے مجھے
اسے باہوں کا حسین ہار پہنانا ہے مجھے
تیرے چہرے پہ ہیں کیوں رنج والم کے آثار
آم کے باغ میں ثروت میری خورشید جمال

ریشمی برقعے میں میرے لئے ہوگی بے حال
وہ چمکتی ہوئی آنکھیں وہ بہکتی ہوئی چال
میری آغوش میں گر جائے گی وہ ہوکے نڈھال
مژدۂ شام وصال اس کو سنانا ہے مجھے
نصف شب کو اسے کل گھر پہ بلانا ہے مجھے
تیرے اوسان خطا کیوں ہوئے جاتے ہیں یار
سیب کے پیڑ کے نیچے میری پیاری گلنار
بے قراری کو مری آج تو دے دے گی قرار
وہیں سب کچھ مری الفت پہ وہ کردے گی نثار
سیب کے پیڑ تلے روئے گی وہ زار و قطار
شبنمی گھاس سے ہرنی کو اٹھانا ہے مجھے
اپنی الفت کا یقیں اس کو دلانا ہے مجھے
آج کیوں لگتا ہے تو جیسے کوئی ہو بیمار؟
پیاری چڑیاں ہیں یہ سب گیت میرے گاتی ہیں
اپنے "پنجرے" میں تڑپتی ہیں یہ گھبراتی ہیں
عشق کے بن میں یہ "چہرچہک" کے چلی جاتی ہیں
ایک ہی گھر سے سنا ہے کہ یہ آتی ہیں
آج اس گھر کا پتہ پوچھ کے آنا ہے مجھے
وہ ہیں تیار انھیں گھر سے بھگانا ہے مجھے
تو انھیں دیکھے تو ہو جائے گا جینا دشوار
ارے دیوانہ ہے کیا ہوش میں آ ہوش میں

ارے میں خوب سمجھتا ہوں نہیں مجھ کو بنا
میں ذرا نبض تو دیکھوں ارے لا ہاتھ تو لا
اے خدا کیا میں کروں یہ تو گیا یہ تو گیا
ہے کوئی گھر میں ارے جلدی سے باہر آؤ
ڈاکٹر لاؤ ارے جلدی سے پانی لاؤ

بوڑھا ملازم
آپ اُٹھئے یہاں کچھ پردہ نشیں آتی ہیں
بیبیاں سامنے غیروں کے نہیں آتی ہیں

دوست
ڈاکٹر لینے میں جاتا ہوں بلا لوں ان کو
مرد گر کوئی نہیں تم ہی سنبھالو ان کو

بوڑھا ملازم
ساری طاقت میری صدمے سے ہوئی جاتی ہے سلب
نبض ساکت ہے اِدھر اور اُدھر حرکت قلب
اری نکہت، اری گلنار، اری ثروت آؤ
آگئی وقت سے پہلے ہی قیامت آؤ

نکہت
ہائے کیا ہو گیا یہ اے میرے بھیا تجھ کو
کیوں تڑپنے کے لئے چھوڑ گیا تو مجھ کو
باپ بن کر مجھے پروان چڑھایا تو نے
علم و اخلاق کے زیور سے سجایا تو نے
چھپ گئے آنکھ سے کیوں آنکھ کے تارے بھیا
کون سی ہم سے خطا ہو گئی پیارے بھیا

ثروت
ہائے ہم کیسے جئیں کیسا یہ طوفان مچا
کیوں تڑپنے کے لئے چھوڑ گئے ہم کو چچا

کون ظالم تھا نظر کھا گئی جس کی تم کو
قہر ہے قہر ہے موت آ گئی کس کی تم کو
زندہ تم رہتے جہاں میں ہمیں موت آ جاتی
تیرہ بختی نہ ہماری یہ قیامت ڈھاتی

گلنار
لٹ گیا میرا سہاگ، اے میرے پیارے سرتاج
کیا خطا تھی میری کیوں مجھ کو دغا دے گئے آج
کون ہنس ہنس کے کہے گا مجھے اب جانِ وفا
کس سے باندھوں گی میری جان میں پیمانِ وفا
پہلے پہناتی تھی میں ہار تجھے باہوں کے
آج پہناتی ہوں میں ہار تجھے آہوں کے
اپنی دنیا میں نہ کوئی بھی رہا تیرے بعد
اب نہیں آ جے گا جینے میں مزا تیرے بعد

دوست
"حسن" پردے کی کشاکش سے چھٹا تیرے بعد
بارے آرام سے ہیں "اہل وفا" تیرے بعد
اے میرے دوست نہ جنت میں پریشان ہونا
سب کی قسمت میں تھا عاشق کا گریباں ہونا
میرے گھر آیا ہے "سیلاب بلا" تیرے بعد
بارے آرام سے ہیں "اہل وفا" تیرے بعد
خون تھا دل خاک میں احوال بتاں پر یعنی
میں بھی دے جاتا حسینوں کو دغا کیا معنی

میں نے کی "تعزیت مہر و وفا" تیرے بعد
بارے آرام سے ہیں "اہل وفا" تیرے بعد
جن کے صدمے سے کبھی چہرہ تیرا زرد ہوا
ضعف سے گریہ مبدّل بہ دم سرد ہوا
مجھ کو دکھلاتی ہیں وہ نازو ادا تیرے بعد
بارے آرام ہیں "اہل وفا" تیرے بعد
کبھی بھولے سے نہ تینوں نے تیرا نام لیا
دو میرے ہاتھ تھے تینوں نے جنھیں تھام لیا
مجھ سے ہوتی نہیں اک پل کو جدا تیرے بعد
بارے آرام سے ہیں "اہل وفا" تیرے بعد
روتے روتے غم فرقت میں فنا ہو نہ سکیں
شوخ تھیں ہرنیاں پابند وفا ہو نہ سکیں
چہلیں کرنے لگیں پہلے سے سوا تیرے بعد
بارے آرام سے ہیں "اہل وفا" تیرے بعد
گرچہ صدمہ ہے تیری موت کا تازہ تازہ
گھومتی پھرتی ہیں وہ منہ پہ لگا کے غازہ
شب کے ناخن ہوئے پابند حنا تیرے بعد
بارے آرام سے ہے "اہل وفا" تیرے بعد
سوچتا ہوں کہ انھیں چھوڑ کے بھاگوں میں دمشق
کون ہوتا ہے حریف مئے مرد افگن عشق
ہے مکرر میرے ہونٹوں پہ صلا تیرے بعد

شہباز

نام سلطان احمد۔ امروہہ کے ایک شریف معزز اور علمی خاندان کے فرد ہیں۔ تاریخ
ولادت ۲۲ر جنوری ۱۹۱۰ء بروز یکشنبہ ۱۹۲۸ء میں میٹرک اور ۳۳ء میں یوپی اور
پنجاب سے فارسی اور اردو کے چار امتحانات پاس کئے۔ پنجاب سے منشی اور ادیب
عالم کے امتحانات میں فرسٹ پوزیشن حاصل کی۔ ۱۹۳۴ء سے ۵۰ء تک ہندو ہائی
اسکول انٹر کالج امروہہ میں اردو ٹیچر کے فرائض انجام دیتے رہے۔ بصارت خراب ہو جانے
کی وجہ سے اس خدمت سے سبکدوش ہونا پڑا۔ اور اس کے بعد سے آج تک ایک مقامی
اسلامی ادارے میں منشی و کامل الٰہ آباد اور جامعہ اور علی گڑھ کے درجات کی تعلیم دیتے ہیں
شاعری کا شوق بچپن سے تھا اور دس سال کی عمر میں شعر کہنے لگے۔ امروہہ کے مشہور شاعر
حضرت مولانا میر افق کاظمی جانشین مولانا غریب سہارنپوری سے تلمذ حاصل کر کے مسلم
تخلص اختیار کیا بہت سی غزلیں اور نظمیں لکھیں جو مقامی مشاعروں میں پڑھی بھی گئیں
اور اکثر رسائل میں شائع بھی ہوئیں۔ اس ابتدائی دور کے بعد تقریباً پندرہ سال تک
شاعری ترک کر دی اور اسٹیج سے بالکل غائب رہے۔ لیکن اچانک ۵۰ء میں قیام بمبئی
کے زمانے میں شاعری کا خاموش آتش فشاں بڑے زور سے پھٹا لیکن اس مرتبہ طبیعت نے
نیا موڑ لیا۔ اور سنجیدہ شاعری کے بجائے مزاحیہ رنگ اختیار کر کے شہباز تخلص رکھا۔
آپ کا مزاحیہ رنگِ سخن کسی کی تقلید کا نتیجہ نہیں بلکہ وہ ان کا اپنا نیا رنگ ہے۔ آپ
نے کبھی کسی مزاحیہ نگار شاعر کا کلام بجز ان اشعار کے جو نصابِ تعلیم کی کتابوں میں یا

رسائل میں نظر سے گذرے بالاستیعاب مطالعہ نہیں کیا۔ طنز و مزاح میں آپ نے جو
انداز اختیار کیا ہے اس کو خود ایک قطعہ میں اس طرح بیان کیا ہے۔ ؎

عیاں ہے سازِ ظرافت سے سوزِ دل ؛ برا
نہاں ہے دل کی لگی دل لگی کے پردے میں
یہ قہقہے نہیں شہباز میرے نالے ہیں
بہار ہا ہوں میں آنسو ہنسی کے پردے میں

مفلس کا جو ہمدرد ہو مزدور کا غم خوار
ایسا کوئی برلا کوئی ٹاٹا نہیں ملتا
جوتے تو بہت ملتے ہیں اے حضرتِ شہباز
باٹا کی دوکاں پر مگر آٹا نہیں ملتا

کیا حل ہوا ہے غلّے کی قلت کا مسئلہ
شہباز! آؤ ہائقہ ملاؤ پلاؤ کا
تجویز پاس کر کے زیادہ اُگاؤ کی
بِل پیش کرنے والے ہیں وہ کم جناؤ کا

یادِ ایام کہ ہر بھٹّی پہ بکتی تھی شراب
اور ہم پیتے تھے یارانِ مے آشام کیساتھ
اب تو یہ حال ہے شہباز کہ مدت میں کہیں
کسی دعوت ہی میں مل جاتی ہے حکّام کیساتھ

حضرتِ اکبر سے جاکر کوئی کہدیتا یہ کاش!
جس کو ڈاسن نے بنایا تھا وہ جوتا چل چکا
اب تو رائج ہے کھڑاوں شہر پیلی بھیت کی
یعنی لکڑی چل رہی ہے اور چمڑا چل چکا

سائنسداں اڑا کے جہازوں کو چند میل
مغرور کیا ہے دہر میں برق اور بھاپ پہ
دیکھے ہمارے صوفیِ عالی مقام کو
عرشِ بریں تک اڑتے ہیں ڈھولک کی تھاپ پہ

چلے تو ہیں جنابِ شیخ میدانِ ترقی میں
مگر حضرت کہیں اس راہ میں حد سے نہ بڑھ جائیں
سینما ہال کی سیڑھی پہ پائے ارتقاء رکھکر
مجھے یہ خوف ہے بامِ ثریا پر نہ چڑھ جائیں

معمارِ صنم خانۂ ملّی ہوتا / بڑھیا سی کسی پوسٹ پہ ڈپٹی ہوتا
منصوبے بنانے میں گزر جاتی عمر / اے کاش! اگر میں بھی شیخ چلّی ہوتا

جبّہ در بر ہوں نہ دستارِ فضیلت برسر / دور کی بھی تو نہیں علم سے نسبت مجھ [illegible]
پھر بھی کہتے ہیں جو کم بخت مجھے علامہ / کیا سمجھتے ہیں کوئی فاحشہ عورت مجھ [illegible]

دو بیل پھر رہے ہیں جو بھارت میں ہر طرف / کالوں کے حق میں رحمتِ پروردگار ہیں
گوروں کے راج نیتی کا ان کو ملا ہے درس / مرحوم "جان بل" کی یہی یادگار ہیں

پوچھا جو سول کورٹ میں اک دن وزیر شہباز / کہنے لگا اک شخص وکالت کی زباں میں
نادان یہاں حق کی طلب ہے تجھے ناحق / حق کہتے ہیں رشوت کو عدالت کی زباں میں

میرے عہدے کا دامن پاک ہے داغِ معاصی سے / خدا شاہد کہ حبّہ تک نہیں لیتا میں رشوت [illegible]
مگر جب لے کے آجاتے ہیں بنگلے پر کوئی تحفہ / تو دل رکھنا ہی پڑ جاتا ہے مجھ کو اہلِ حاجت [illegible]

میری تنخواہ تو اتنی کبھی نہیں اے شہباز / ساگ بھی مجھ کو میسّر ہو جو چولائی [illegible]
پھر بھی ہر روز اڑاتا ہوں جو میں دودھ دہی / ہے یہ سب فیضِ مری آمدِ بالائی [illegible]

دیکھا جو مجھ کو کورٹ میں کہنے لگے کلرک / یارو شکار آیا ہے اس کو کھسوٹ
جمشید جی یہ بولے کہ موٹا ہے یہ کسان / رشوت میں اس سے بڑھیا سی بیلوں کی جوٹ
فرمایا جیکسن نے کہ جھنجھٹ میں مت پڑو / سیدھی سی بات یہ ہے کہ سو سو کے نوٹ

بولے یہ شیر سنگھ کہ بزدل ہیں آپ لوگ — میری تو رائے یہ ہے کفن بھی کھسوٹ لو
چمن نے کانپ کر کہا یارو کرو نہ شور — جو کچھ بھی تم کو لینا ہے پرسے کی لوٹ لو
نتھو کڑک کے بولے کہ ڈرنے کی ہے بات کیا
اپنا ہی اب تو راج ہے ڈنکے کی چوٹ لو

آتے ہی فصلِ سرما ہر سمت عورتوں نے — سب بند کر دیے ہیں دنیا کے کام دھندے
بنتی ہے ایک سویٹر سیتی ہے اک رضائی — یہ ڈالتی ہے ڈورے وہ ڈالتی ہے پھندے

رہنے کو جب جہاں میں کوئی جگہ نہ پائی — دنیا سے رکھ کے سر پر میں اپنی کھاٹ نکلا
عقبیٰ میں جا کے دیکھا دوزخ تو وہ مکاں بھی — شیطانِ روسیہ کے حق میں الاٹ نکلا

شہباز ملک میں ہیں ایسے بھی ایک نیتا — جو ترک کر کے روٹی سبزی چبا رہے ہیں
پوچھا جو میں نے ان سے اکدن کہ اے مہاتما — کیوں آپ اپنے اوپر یہ قہر ڈھا رہے ہیں
کہنے لگے بگڑ کر بک بک نہ کر زیادہ — اچھا ہمارے من کی ہم گھاس کھا رہے ہیں

جھونپڑی میری ہر چند اے شہباز — ٹوٹی پھوٹی تھی اور پھوٹی تھی
پھر بھی کسٹوڈین سے کیوں بچتی — بھاگ گئے بھوت کی لنگوٹی تھی

لیڈر

قلّۂ کوہِ ہمالہ ہے شبستاں میرا — وسعتِ دشتِ ارم عرصۂ جولاں میرا

فیض ہر مذہب و ملت یہ ہے یکساں میرا　　　کلمہ پڑھتے ہیں ہندو و مسلماں میرا

قوم کی ناؤ کو طوفان میں کھینتا ہوں میں
دیش کا بھگت ہوں میں، ملک کا نیتا ہوں میں

کام ہے میرا فقط اپنی بھلائی کرنا　　　بے کوئی کام کئے خوب کمائی کرنا
قوم کے نام پہ در در کی گدائی کرنا　　　بیر کی طرح مریدوں سے اُگائی کرنا

سرسوں ہر وقت ہتھیلی پہ جما لیتا ہوں
فصل ہو یا نہ ہو چندہ میں اُگا لیتا ہوں

قابلِ دید ہے تن پر مرے کھادی کی بہار　　　چلتا پھرتا ہوا جیسے کوئی کھدر بھنڈار
باڑھ ٹوپی کی وہ بانکی کہ کٹاری بھی نثار　　　بلکہ پانی ہو جسے دیکھ کے تلوار کی دھار

شیر بھی مارے کب اس کی فری رہتے ہیں
اس کو بھارت کی تھری ناٹ تھری کہتے ہیں

شعبدہ بازی میں میرا نہیں ہمسر کوئی　　　مجھ سے دنیا میں مداری نہیں بہتر کوئی
فیل ہوتا نہیں میرا کبھی منتر کوئی　　　میرے منہ آئے گا کیا کھا کے فسوں گر کوئی

ڈگڈگی اپنی میں جس وقت بجا دیتا ہوں
ناچ تگنی کا زمانے کو نچا دیتا ہوں

قوم سے کرتا ہوں جس وقت میں چندے کی اپیل　　　لوگ کر دیتے ہیں میرے لئے مال اپنا سبیل
کرکے ہر قصبہ و ہر شہر سے چندہ تحصیل　　　زرِ خالص سے میں بھر لیتا ہوں اپنی زنبیل

شاد ہو جاتا ہوں یوں نوٹوں کی تھیلی لیکر
جس طرح قیس ہو خوش نامۂ لیلیٰ لے کر

گشت کرتا ہے کسی شہر میں جب میرا جلوس　　　آگے پیچھے مرے ہوتے ہیں ہزاروں ہی نفوس
نعرے جب جوش میں کرتے ہیں وہ مانند خروس　　　رقص یوں کرتا ہوں میں باغ میں جیسے طاؤس

زندہ باد اکی صدا سن کے اکڑ جاتا ہوں
اسپ سرکش کی طرح چوک میں اڑ جاتا ہوں

لمبی چوڑی ہے بہت میرے مناقب کی کتاب — جس کی ہر فصل منور ہے، درخشاں ہر باب
میرے اوصاف و محامد کی نہ حد ہے نہ حساب — میرے اعمال کا وصاف ہے ہر شیخ و شاب
دیوتا کہتا ہے کوئی۔ کوئی اوتار مجھے
دور سے کرتا ہے ہر شخص نمسکار مجھے

قوم کے واسطے میں نے سہے لاکھوں آزار — ہر نفس رنج و مصیبت سے رہا میں دوچار
دیش بھگتی میں ہر اک قسم کی بھگتی بیگار — رقمِ چندہ کے کاندھے پہ اٹھائے انبار
طوق آہن کے گرانبار بھی پہنے میں نے
ہار گوٹے کے طلا، کار بھی پہنے میں نے

گشت کرتا ہوا گاؤں کے گنواروں میں پھرا — خاکروبوں میں، کمہاروں میں، چماروں میں پھرا
پُر فضا شہروں میں، سنسان دیاروں میں پھرا — صرف پیدل ہی نہیں بیٹھ کے کاروں میں پھرا
کچی سڑکوں ہی کے کاٹے نہیں چکر میں نے
کچے ٹیکوں میں بھی دوڑا دیئے موٹر میں نے

کبھی طیاروں میں کی بیٹھ کے میں نے پرواز — پر فشاں چرخِ بریں پر ہوا مثلِ شہبازِ
اوج و رفعت کے دکھائے وہ نرالے انداز — ہوئے حیران ملک دیکھ کے میری تگ و تاز
ساکن ارض تھا لیکن میں فلک سیر بنا
ابنِ آدم سے بیک جست ابوالطیر بنا

دعوتیں کھانے کا قائم کیا میں نے ریکارڈ — کہہ اٹھے ملک کے اکال مجھے آور لارڈ
نہ بچا دیش کا ایسا کوئی سرکل، کوئی وارڈ — مجھ کو دعوت کا جہاں سے نہ ملا ہو کوئی کارڈ

منہ کبھی بزم ضیافت سے نہ موڑا میں نے
شہر تو شہر ہیں قریہ بھی نہ چھوڑا میں نے

شام کے وقت بھی ہنگامِ ڈنر بھی کھایا
لنچ میں پارٹ لیا بلکہ ڈنر بھی کھایا
کیک بھی، ٹوسٹ بھی، بسکٹ بھی بٹر بھی کھایا
میوۂ خشک چکھا، لقمۂ تر بھی کھایا

صرف انڈے ہی نہیں مرغی کے کھائے ہیں نے
بارہا مرغِ مسلّم بھی اڑائے میں نے

دفتروں میں کبھی جا دھمکا میں بن کر بھونچال
کارخانوں میں کبھی میں نے کرائی ہڑتال
کر کے مزدور و پولیس دونوں کو سرگرمِ جدال
ایک ٹکاری میں پھڑوا دیئے لاکھوں کپال

گرم میدان میں جب ڈنڈوں کا بازار ہوا
عرصۂ جنگ سے میں صاف نرٹی پار ہوا

کبھی تصنیف کئے میں نے پولیس پر الزام
نوکری فوج کی کر دی کبھی پبلک پہ حرام
خود مگر کر کے بریگیڈ کے جنرل کو سلام
اپنی اولاد کے لکھوا دیئے رجمنٹ میں نام

لوگ تو سروس ادھر چھوڑ کے نادان بنے
میرے فرزند ادھر میجر و کپتان بنے

جب سودیشی کا کیا ملک میں میں نے پرچار
سر پہلے تو بدیشی کا کیا ہر بازار
اپنے سرمائے سے پھر کھول کے کھدر بھنڈار
چار سو ملک میں پھیلا دیا اپنا بیوپار

آتشِ غم سے ادھر غیروں کے دل جلنے لگے
ٹھاٹھ کے ساتھ ادھر یاروں کے مل چلنے لگے

جیل خانے میں گیا ہو کے میں جس وقت اسیر
تھا مرے ساتھ رضاکاروں کا اک جمِ غفیر
لیکن اس حال میں بھی واہ یہ میری تقدیر
خود جواں بخت بنا چھوڑ کے سب کی تقدیر

یوں مزہ اپنی رفاقت کا چکھایا ان کو
"اے" "کلاس آپ لیا" "سی" "میں پھنسایا ان کو

قید خانہ تھا مرا غیرتِ گلزارِ جناں — عیش و عشرت کے تھے موجود جہاں کل ساماں
تھے پرستار مرے صرف نہ حور و غلماں — پرسشِ حال کو آتا تھا مری خود رضواں
طرفہ انداز سے ہوتی تھی مدارات مری
باعثِ فخر تھی جیلر کو ملاقات مری

بھوک ہڑتال کا جب ڈھونگ رچایا میں نے — اک نئے روپ سے بہروپ دکھایا میں نے
کھانا ہر چند کہ برسوں نہیں کھایا میں نے — اپنے جیون کو مگر صاف بچایا میں نے
سیب و انگور کا رس شام و سحر پیتا رہا
ملک الموت کی آغوش میں بھی جیتا رہا

شاعر اور گنوار

بیاں کرتا ہوں میں آج ایک قصّہ — بہت کچھ جھوٹ کا ہے جس میں حصّہ
نمائش ہو رہی تھی اک نگر میں — بڑی شہرت تھی جس کی ملک بھر میں
سنا جب اہلِ قریہ نے یہ چرچا — کہ نظارہ کے قابل ہے وہ میلا
ہوئی پیدا انھیں بھی یہ تمنّا — کریں چل کر نمائش کا تماشا
چنانچہ ایک دن کچھ گاؤں والے — بڑے بوڑھے نخنے جن میں اور بچّے
پکوڑی مل، کھچیڑو، سیٹھ بھجّو — گھسیٹا، شب براتی، شیخ چھجّو
روانہ جانبِ منزل ہوئے سب — نمائش گاہ میں داخل ہوئے سب
کئے جی کھول کر دن بھر نظارے — ہرن بن کر پھرے ہر سو طرارے

غرض یہ ہے کہ وہ کرتے ہوئے سیر ‏ اُدھر بھی اڑ کے پہنچے صورتِ طیر
جہاں پنڈال تھا بزمِ سخن کا ‏ نمونہ بن رہا تھا جو دلہن کا
نظر آئی جب اس کی زیب و زینت ‏ تو بن کر رہ گئے تصویرِ حیرت
لگے آپس میں پھر کہنے وہ دہقاں ‏ نہ جانے ہے یہ کس بازی کا میداں
ہوا جب حل نہ یہ عقدہ کسی سے ‏ تو پوچھا جا کے یوں اک آدمی سے
"اجی سرکار کیسا ہے یہ بکھّل ‏ نہیں آتا عقل میں اس کا مطبل"

کوئی دنگل یہاں ہوگا کہ ناٹک
یہ کیوں لٹکا رکھے ہیں ڈھیر دیپک"

کہا اس شخص نے ان سے یہ ہنس کر ‏ ابے تم لوگ بھی ہو سب نرے خر
یہ کیا ہے ناٹک و دنگل کی بکواس ‏ یہاں شاعر کریں گے اپنا اجلاس
دکھائیں گے وہ شب کو اپنے جوہر ‏ ابھی تو بن رہے ہیں خیمے کے اندر
وساور سے ہوئے ہیں وہ برآمد ‏ کیا ہے ان کو بھاڑے پر درآمد
کروں کیا اُن کی میں تم سے وضاحت ‏ کہ کس انداز کی ہے وہ جماعت
زمانے سے جدا جوہر ہیں ان کے ‏ نئے ماڈل، نئے میکر ہیں ان کے
گراں ارزے، سبک نرخے، امولے ‏ نئے کہنے، بڑے، چھوٹے، منجھولے
کوئی بدلے ہوئے ہے جوگیا بھیس ‏ سپیئر سے ہے کوئی فیس ٹو فیس
کوئی رنگیں ادا ہے کوئی سادہ ‏ کوئی نر ہے مگر صورت میں مادہ
کوئی ہے دخترِ رز کا پرستار ‏ کوئی ہے جُنّی بیگم کا طلب گار
کسی کے ساتھ شاگردوں کی کثرت ‏ کسی کے پیچھے کوئی حرف غلّت
کوئی خوش گو ہے کوئی خوش گلو ہے ‏ کوئی کچھ بھی نہیں بس خوبرو ہے
مغنّی ہے کوئی، کوئی اداکار ‏ کسی پر ہے فقط شیطان کی مار

کسی کی ضیق سے اکھڑی ہوئی سانس — کسی کا ٹینٹوا جیسے پھٹا بانس

کوئی خود بلبلِ شیریں زباں ہے — کسی کے ساتھ کوئی نغمہ خواں ہے

کسی کو مفت خواہش داد کی ہے — گلا اس کا غزل استاد کی ہے

کوئی ہے فاضلِ پاکیزہ سیرت — کوئی ہے جاہلِ علّامہ صورت

کوئی ہے ماہرِ تقطیعِ اشعار — کوئی سرگم کے بولوں سے خبردار

کوئی طنز و ظرافت میں کھرا ہے — کوئی پھکّڑ ہے، کوئی مسخرا ہے

کوئی طاؤس ہے در اصل طنّاز — کوئی کرگس بنا پھرتا ہے شہباز

غرض یہ ہے کہ اے یارانِ دیہات — یہ ہے اس سلسلے کی آخری بات

روش ان کی زمانے سے جدا ہے
انھیں مخلوقِ نو کہنا بجا ہے

سنی جب گاؤں والوں نے یہ گفتار — بنے حیرت سے وہ سب نقشِ دیوار

کوئی شاعر کو کچھ سمجھا، کوئی کچھ — کسی نے کچھ کہا، بولا کوئی کچھ

ہوا کی دیر تک آپس میں حجت — مگر سمجھے نہ وہ اس کی حقیقت

بڑھی حد سے زیادہ جب یہ تکرار — تو اس سے تنگ آ کر آخرِ کار

گھسیٹا سے لگا کہنے کھچیڑو — کرو بھیا ختم اب یہ گفتگو

کرے جاؤ گے کب لو دانتا کِل کِل — نہ ہوگا پھائدہ کچھ اس سے حاصل

اگر منجور ہو تم کو مری رائے — یہی ہے پھیصلے کا اب اُپائے

چلو دیکھ آئیں ہم کھود چل کے سایر
کہ ہیں آکھر وہ کس بن کے جناور

یہ سنتے ہی ہوئے وہ سب روانہ — جدھر تھا شاعروں کا آشیانہ

درِ خیمہ پہ جب پہنچے تو ٹھٹکے — قدم رکھتے ہوئے اندر کو جھجکے

یہ خطرہ تھا کہ صیدا پنا سمجھ کو | کہیں حملہ نہ کر دیں وہ کسی پر
رہا جب دیر تک قائم یہ نقشا | تو آخر کھینچ کر اپنا لنگوٹا
کھچیڑو نے قدم آگے بڑھایا | درِ خیمہ سے پردے کو اٹھایا
مگر جب اس نے دیکھا یہ نظارا | کہ چند انساں وہاں ہیں جلوہ آرا
تو بن کر حیرت و وحشت کا پتلا | عجب انداز سے گھبرا کے بولا

گھسیٹے یار دھوکا کھا گیا میں
"کسم گنگا کی جو تو آدمی ہیں"

خضر تمیمی

میاں مولا بخش خضر تمیمی چنیوٹ ضلع جھنگ میں ۱۹۰۹ء میں پیدا ہوئے۔ وہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پھر لاہور اسلامیہ کالج سے ایم۔ اے اور لا کالج سے ایل۔ ایل بی کے امتحانات پاس کئے۔ اس کے بعد روزانہ پرچوں میں کام کرتے رہے۔ شیرازہ اور نمکدان سے بھی تعلق رہا۔ اب لاہور میں وکالت کرتے ہیں۔

کچھ روز زمیندار، احرار اور حریت نام کے اردو اخبارات میں کام کیا (۲۹ء تا ۳۱ء) پھر اختر شیرانی مرحوم کے مشہور جریدے خیالستان اور رومان کے ایڈیٹوریل بورڈ کے رکن رہے (تا ۱۹۳۳ء)۔ چنیوٹ سے اپنا اخبار ہفت روزہ 'جہاں نما' نکالا (۳۶ء ۳۷ء) کچھ عرصہ گورنمنٹ کالج دھرمسالہ (کانگڑہ) میں فارسی اور اردو کی تعلیم دی (۳۶ء۔ ۳۷ء) بعد میں مستعفی ہو کر از سر نو وکالت شروع کی۔ لاہور میں ریڈیو سے دیہاتی اور عمومی پروگرام میں ۱۹۳۶ء سے ۱۹۵۶ء تک بھرپور حصہ لیتے رہے۔

۱۹۵۲ء سے ۱۹۵۷ء تک لا کالج لاہور میں لیکچرر رہے۔ اب ہائی کورٹ میں وکالت کرتے ہیں۔

مہنگائی

اے خضر عجب رنگ پہ نیرنگ جہاں ہے
آنکھوں تلے ہر وقت قیامت کا سماں ہے
از بس کہ گرانی کا یہاں سکّہ رواں ہے
سر اپنا بھی اب دوش پہ اک بارِ گراں ہے
جینے کے تصوّر سے بھی ہوتی ہے گرانی
تف عشق پہ اور جائے جہنّم میں جوانی

مزدور جو ہیں ان کے لئے کام ملے ہیں
اور مالِ تجارت کے بہت دام ملے ہیں
صنعت کو بھی کچھ اَوج کے ایام ملے ہیں
دولت کے تو دیدار ہمیں عام ملے ہیں
پردے میں فراغت کے مگر قحط نہاں ہے
با دھوپ کے ہوتے ہوئے بارش کا سماں ہے

اب آئے کہاں اطلس و کمخواب کی چادر
اک چادرِ عصمت ہے کہ ہے آب کی چادر
جی میں ہے پہن لیجئے بس خواب کی چادر
یا شب کو چرا لیجئے مہتاب کی چادر
جیتے ہوں تو ملبوس ہوں عریانیٔ تن سے
مر جائیں تو آزاد رہیں فکرِ کفن سے

چھینی گئی ایسی کہ وہ باہر ہے نہ گھر میں
افسوس کہ اب ہجر ہوا شیر و شکر میں

اس لب پہ شکر قند نہیں آج نظر میں　　شیرینی بھی باقی نہیں اشعارِ خضر میں

کہتا ہے کہ یہ فنِ سخن کھیل نہیں ہے

ترکیبِ زباں ہو کہ یہاں تیل نہیں ہے

ہاتھ کی روانی

یہ ہے آج ہی رات کی داستاں　　کہ مہمان تھے میرے اک مہرباں

غریبانہ کھانوں کو وہ دیکھ کر　　ہوئے صورتِ بازِ کچھ تیز پر

مجھے ٹالنا اس کا دشوار ہے　　کہ درِّ نظر کا یہ اسرار ہے

دکھاؤں میں حضرت کے کھانے کا ڈھنگ　　لکھوں انکے لقمے اڑانے کا رنگ

مگر کس طرح ماجرا یہ لکھوں　　کہوں بھی تو یہ بات کیوں کر کہوں

زباں بند بتیسں دانتوں میں ہے　　کہ کچھ شور کچھ ان کی آنتوں میں ہے

جو تھیں وقتیں کہہ چکا برملا

غرض دیکھیے ہاتھ ان کا چلا

پلیٹوں میں ہل چل مچاتا ہوا　　وہ چمچے سے چمچہ لڑاتا ہوا

پلاؤ میں سالن ملاتا ہوا　　وہ جل تخیل کا عالم رچاتا ہوا

وہ بوٹی پہ چڑھ کر لپٹتا ہوا　　وہ روٹی سے بڑھ کر چمٹتا ہوا

فقط شوربے سے کھسکتا ہوا　　مربّے سے جاکر بچکتا ہوا

گیا دال پر دندناتا ہوا　　وہ مرچوں سے دامن بچاتا ہوا

وہ چمچے سے جلّو بناتا ہوا　　وہ آلو کو اُلّو بناتا ہوا

سوتیوں پہ سو جاں سے مرتا ہوا　　اُدھر لاڈ لڈّو سے کرتا ہوا

پسند اس پسندے کو کرتا ہوا — تو چٹنی پہ چٹخارے بھرتا ہوا
سموسے میں خود کو سموتا ہوا — اُدھر کھوئے کے ہوش کھوتا ہوا
جلیبی پہ یاں پیچ کھاتا ہوا — کٹورے کہیں کھنکھناتا ہوا
یہ برفی کا دل برف کرتا ہوا — یہ زردے کا منہ زرد کرتا ہوا
پلاؤ پہ پِل پِل کے آتا ہوا — تو فرنی پہ پھر پھر کے جاتا ہوا
نوالے سے کشتی بناتا ہوا — تو حلوے کے گولے اڑاتا ہوا
وہ کھُلتا ہوا اور جھڑتا ہوا — وہ ہلتا ہوا اور مڑتا ہوا
وہ جبڑوں میں بوٹی مسلتا ہوا — اسے بن چبائے نگلتا ہوا
وہ کلّوں میں ٹیلے بناتا ہوا — اور آنکھوں کو پیچھے چھپاتا ہوا
لبوں پر زباں کو پھراتا ہوا — لپٹتے ہوئے پھیل جاتا ہوا
سسکتا سمٹتا سرکتا ہوا — لپکتا لہکتا لٹکتا ہوا
بگڑ کر وہ کف منہ پہ لاتا ہوا — وہ غازی ہے یوں کھانا کھاتا ہوا
سمجھ کر مرے گھر کو جائے وغا — نہ ہلدر نہ ٹلدر نہ جنبد زجا
غرض اس طرح ہیں مرے مہرباں — بس اب دیکھ لیں شاعرِ نکتہ داں

وہ سودے و اکبر کا آ[illegible] لُڈور
یہاں خضر کی بے زبانی کا زور

سارنگی اور طبلا

دنیا بھر کے بے فکروں نے کل بزمِ سرود سجائی تھی
کیا دل کو مسلتا تھا طبلا کیا سارنگی گھبرائی تھی

بسمل کی رگِ جاں بنتی تھیں طاؤس کی تاریں لرزش سے
چائے کا پیالہ دور میں تھا حُقّے نے دھوم مچائی تھی

رندوں نے جھنڈے گاڑے تھے زہاد نے ڈیرے ڈالے تھے
اس دیر و حرم کی محفل میں موسیقی گانے آئی تھی

یاں اشکوں سے پُر سارنگی واں پیچ و تاب میں تھا طبلا
گز بھر کی زباں یاں چلتی تھی واں ہاتھوں کی بن آئی تھی

واں تھاپ کے ابر گرجتے تھے نغموں کی پھواریں پڑتی تھیں
یاں ہر دل پر موسیقی کے کُہرے نے قنات لگائی تھی

اڑتی تھیں فضا بھر میں تانیں تھی چال صبا کی مستانہ
تقدیر سے بیچ میں دونوں کے جا بیٹھا شاعرِ دیوانہ

سارنگی بولی طبلے سے تم یوں ہی شور مچاتے ہو
اے منہ پھٹ طبلے دیوانے کیوں کان ہمارے کھاتے ہو

آواز تمہاری کوے سی اور شکل چھلاوے سی تیری
ان میٹھی میٹھی تانوں کے تم رنگ میں بھنگ ملاتے ہو

لعنت ہے تمہارے جینے پر آرام نہیں عزت بھی نہیں
میں غیروں میں جا پھلتی ہوں تم سر اپنا پٹواتے ہو

ہے خام ابھی تک عشق ترا کچھ صبر نہیں کچھ تاب نہیں
یاں تان اڑی اک میٹھی سی واں تھام کے دل رہ جاتے ہو

میں راجدلاری البیلی ناری ہوں پر بکم پجارن ہوں
تم مُنڈی کاٹے مرنک ہو ہر جا پر دھکّے کھاتے ہو

تہذیب تمہیں منظور نہیں اور عقل کہیں دستور نہیں
تم بھیم کی تانوں میں باہر کیوں آپ سے ہو جاتے ہو
نازوں سے پلی شہزادی ہوں میں ناری محلوں والی ہوں
تم حبسِ دوام کے قیدی ہو صندوقوں میں ڈٹ جاتے ہو
جب سارنگی نے طبلے سے یوں خشم آمیز کلام کیا
کچھ دیر تو وہ خاموش رہا پھر بھابھی جان کو سلام کیا

یوں کہنے لگا سارنگی سے جلتی پر تیل گراتی ہو
ہم رنج و الم کے مارے ہیں تم آ کر اور ستاتی ہو
عشاق سے منہ پھیرا کیوں پھر تم نے ہمیں آ گھیرا کیوں
رہنے دو اسے چپ مجبوراً کیوں میری زباں کھلواتی ہو
میں زنجیار کا شہزادہ میدان میں آ کر ضیغم سا
جب ایک دہاڑ لگاتا ہوں تم پردوں میں ڈر جاتی ہو
پیمانِ وفا جس سے باندھوں میں پاس اسی کے رہتا ہوں
تم ہرجائی ہو ہر اک کے پہلو میں دل بہلاتی ہو
کچھ لطف ہے سینہ کوبی میں سر پھوڑنے میں مستانوں کو
بی! یہ تو عشق کے زیور ہیں تم یونہیں ہم کو بناتی ہو
عزت یہ ہماری حرفِ زنی اللہ غنی اللہ غنی
وہ وقت بڑی بی بھول گئیں جب کان اپنے کھچواتی ہو
میں تیری شمیمِ نغمہ کو مانندِ نسیم اڑاتا ہوں
یہ میری تھاپ کی برکت ہے دل بزم میں مسلے جاتی ہو

جب لڑکے مل کر گاتے ہیں عرفان کی تانیں اڑاتے ہیں
ہاتھوں سے میز بجاتے ہیں تم یاد کب ان کو آتی ہو

ہے ملکۂ موسیقی سے مجھے نزدیک تریں تجھ سے رشتہ
ہم راہ پہ تجھ کو لاتے ہیں جب کے میں بھٹک سی جاتی ہو

میں عارضِ عشق کی تابش سے دل محفل میں گرماتا ہوں
طاؤس طنبورے کو تجھ کو دن میں تارے دکھلاتا ہوں

یہ سن کر شمس الدین ڈرے تلوار مبادا چل جائے
یاں طبلا تڑ پتا رہ جائے سارنگی روتی رہ جائے

چمکار کے سارنگی سے کہا تم سیدھی سادی بھولی ہو
زیبا نہیں گر یوں منہ تیرے انجانوں کی سی بولی ہو

طبلے کے وکیلِ مطلق نے واں ہاتھ سے اس کو سمجھایا
اچھا نہیں خون کی لہروں سے گر محفل بھر میں ہولی ہو

تم زنجبار کے شہزادے سارنگی سارنگی ٹھہری
پھبتی ہی نہیں شہزادوں کے گر ایسی بولی ٹھولی ہو

خاموش ہوئی بی سارنگی اور طبلا بھی تم بکم تھا
یوں جیسے کسی نے زباں اپنی کوثر کے آب سے دھولی ہو

القصہ گچھڑ دوست ملے نے جھگڑا تھا نے شکوا تھا
نے تن تنا تن تن تن تن کتی نے تاکڑ تاکڑ دھیّا تھا

دلاور فگار

آپ کا وطن بدایوں ہے۔ والد کا نام شاکر حسین۔ خاندان صدیقی، مذہب اسلام۔ عمر تقریباً چالیس سال۔ ہائی اسکول ۱۹۴۲ء میں پاس کیا۔ انٹر ۱۹۴۶ء میں۔ بی۔ اے ۱۹۵۱ء میں۔ ایم۔ اے ۱۹۵۳ء، ہندی ہائی اسکول ۱۹۵۷ء میں۔

اسلامیہ کالج بدایوں میں ملازم تھے۔ شاعری کا آغاز ۱۵ سال قبل ہوا تھا۔ شاگرد کوئی نہیں۔ سنجیدہ اور مزاحیہ دونوں طرح کا کلام کہا ہے۔ کئی سنجیدہ نظمیں بھی ان کا نتیجۂ فکر ہیں۔

طنز و مزاح میں اکبر، جعفری، اور رئیس سے متاثر ہیں۔ غزلیات میں جگر، فانی، غالب، اور میر ان کے محبوب شعراء ہیں۔ ترقی پسندی اور رجعت پسندی میں شدت پسندی کے خلاف اور اعتدال کے قائل ہیں۔ ان کا مزاح ابتذال سے دور اور بہت پاکیزہ ہے۔ کلام میں علم کے ساتھ ساتھ مزاح کی دلآویز چاشنی ان کا جوہر خاص ہے۔ نئے لکھنے والوں میں انھوں نے اپنی ایک خاص اور ممتاز جگہ بنالی ہے۔ تھوڑی مدت ہوئی کہ پاکستان چلے گئے ہیں۔

ماتمِ حق اردو

اے غالبِ مرحوم یہ تو نے بھی سنا ہے اردو پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے
بزمِ ادب و علم میں ہنگامہ بپا ہے اردو جسے کہتے ہیں گرفتارِ بلا ہے

کم بخت کے سر پر ملک الموت کھڑا ہے

اے خاصۂ خاصانِ ادب وقت دعا ہے

جس باغ کو خود تیری توجہ نے سنوارا جس باغ کو چکبست نے شاداب بنایا
جس باغ میں تھے نغمہ سرا جرأت و انشا جس باغ میں بولا تھا کبھی طوطیٔ سودا

اس باغِ فصاحت میں گدھا رینگ رہا ہے

اے خاصۂ خاصانِ ادب وقت دعا ہے

دنیا نے اگرچہ اسے پیچھے کو دھکیلا ہر ظلم و ستم اردوئے جانباز نے جھیلا
رکتا نہیں اب اس سے ترقی کا یہ میلا بڑھتا نہیں آگے کو یہ ٹٹو ہوا ٹھیلا

منزل کے قریب آکے دھرا ٹوٹ گیا ہے

اے خاصۂ خاصانِ ادب وقت دعا ہے

شاعر ہو کہ ہوں اس کے حوالی و موالی ہیں علم و لیاقت میں سبھی افضل و عالی
اربابِ ادب سے کوئی ہوٹل نہیں خالی ہر چوک پہ مل جائیں گے سرسید و حالی

جس پر بھی نظر ڈالیے شمس العلما ہے

اے خاصۂ خاصانِ ادب وقت دعا ہے

وہ شعر ہے شہکاری جو ہو غیر شعوری
شاعر کے لئے فکر و نظر غیر ضروری
شاعر ہے وہی جو کہے ظاہر کو ظہوری
تعلیم کی کیا قید ادھوری ہو کہ پوری

کہنے کے لئے دُم میں تخلّص تو لگا ہے
اے خاصۂ خاصان ادب وقت دعا ہے

اب جنگ ادب صلح کی بانی نہیں ہوتی
اس جنگ میں اب شعلہ بیانی نہیں ہوتی
الفاظ سے کم دل کی گرانی نہیں ہوتی
ہاتھوں کی لڑائی بجز بانی نہیں ہوتی

اب معرکۂ شعر میں لٹھ گھوم رہا ہے
اے خاصۂ خاصانِ ادب وقت دعا ہے

اب شعر ہے ایسا کوئی مصرع نہیں موزوں
کچھ اس کو سمجھ پائیں تو بقراط و فلاطوں
کچھ قصۂ وامق ہو کچھ قصہ مجنوں
تشریح کرے اس کی کوئی یوں تو کوئی یوں

صرف ایک ہی مطلب ہو تو پھر شعر ہی کیا ہے
اے خاصۂ خاصانِ ادب وقت دعا ہے

شاعر غزل موڈ میں گا دے تو بہت خوب
ہلکا سا کوئی گیت سنا دے تو بہت خوب
انداز گویتے سے ملا دے تو بہت خوب
تھوڑی سی کمر یا بھی ہلا دے تو بہت خوب

اب داد کا معیار اگر ہے تو گلا ہے
اے خاصۂ خاصانِ ادب وقت دعا ہے

مفعول و مفاعیل سے شاعر نہیں بنتا
بلّے نہ ہوں مضبوط تو تنبو نہیں تنتا
اب شعر بھی چھلنی میں تمیز کی ہے چھنتا
یہ سوچ کے اب داد سخن دیتی ہے جنتا

آواز تو اچھی ہے اگر شعر بُرا ہے
اے خاصۂ خاصانِ ادب وقت دعا ہے

تعبیر کی گردن میں ہیں تخریب کے پھندے — اردو کی ترقی کے لئے ہوتے ہیں چندے
کھا جاتے ہیں ان کو بھی کچھ اللہ کے بندے — اللہ بچائے یہ ادب خور درندے

کتّوں کو سرِ راہِ ادب چھوڑ دیا ہے
اے خاصۂ خاصانِ ادب وقت دعا ہے

تعلیم مشترک

ہم بارہویں کلاس میں جب اسٹوڈنٹ تھے — گھنٹہ تھا ایک روز کسی لکچرار کا
وہ نوٹس بولتے تھے مگر ایک طالبہ — افسانہ لکھ رہی تھیں دلِ بیقرار کا

وہ تو شاعر ہے

ہمارے والدِ مرحوم نے یہ فرمایا — ہمارے ایک ہی فرزند ہے جو تاجر ہے
کسی نے ٹوکا کہ "حضرت کا دوسرا بیٹا" — بڑے ہی طنز سے بولے کہ وہ تو شاعر ہے

تخلیق

اللہ میاں نے فورڈ کو تاجر بنا دیا — نہرو کو پالیٹکس کا ماہر بنا دیا
ہر شخص کو بنایا وہ جو کچھ بن سکا — جو کچھ نہ بن سکا اسے شاعر بنا دیا

کاتبو

کاتبو ہاں یونہی اصلاح کرو شعروں پر — یہ خطا وہ ہے کہ جس پر کوئی تعزیر نہیں
جانے کس کس کے کئے ہم کو بھگتنے ہونگے — خیریت ہو گئی تم کاتب تقدیر نہیں

کوئی شاعر مر گیا

شاعروں نے رات بھر بستی میں واویلا کیا
داد کی آواز سے سارا محلہ ڈر گیا
اک ضعیفہ اپنے لڑکے سے یہ بولی اگلے روز
رات کیسا شور تھا کیا کوئی شاعر مر گیا

پارسل ٹرین

پارسل جب وقت پر آیا تو سب حیران تھے
آج یہ بالکل ہی اِن ٹائم تھا اپٹوڈیٹ تھا
بعد ازاں تحقیق پر یہ رازِ سربستہ کھلا
پچھلے دن کا پارسل چوبیس گھنٹے لیٹ تھا

اک سامعین

شاعروں کا ایک عظیم الشان جلسہ تھا نگاز
حاضرین بزم تھے اس بزم میں گنتی کے تین
اور ان تینوں کی تفصیلات بھی سن لیجئے
اک جناب صدر اک سکریٹری اک سامعین

شاعر مرحوم

ایک شاعر فوج میں رنگروٹ ہو جانے کے بعد
زندگی میں شاعر مرحوم ہو کر رہ گئے
اب نہ مطلع ہے نہ مقطع اب نہ فعلن ہے نہ فعل
صرف دایاں گھوم بایاں گھوم ہو کر رہ گئے

وامق و فرھاد

اس سنیما کی بدولت ہند و پاکستان میں
کتنے قیس و وامق و فرھاد پیدا ہو گئے
ایک پنڈت جی کی نرگس پر طبیعت آ گئی
ایک مولانا مدھو بالا پہ شیدا ہو گئے

بسم اللہ

کل اک بزرگ نے تقریر میں یہ فرمایا
کہ ہے ثواب میں داخل طوائفوں سے بیاہ
تو اک ظریف نے کیا برمحل جواب دیا
خیال نیک ہے بندہ نواز بسم اللہ

بدایوں کے شاعر

وہ چیزیں کہیں جن کو یو، پی کا تحفہ
یہی چار چیزیں ہیں کمیاب و نادر
سندیلے کے لڈو علی گڑھ کے تالے
بریلی کا سُرمہ بدایوں کے شاعر

فیملی پلاننگ

اے مرے ان ہارن بیٹے اے مرے ٹوبی پسر
کون کہتا ہے کہ تجھ کو حق پیدائش نہیں
لیکن اتنی عرض ہے کچھ روز مجھ پر رحم کر
اس مہینے کے بجٹ میں کوئی گنجائش نہیں

صراحی دار گردن

اے فقیہانِ وطن تم کو اجازت ہے کہ تم
ذوق مئے نوشی بڑھے جس سے وہ ہر شے توڑ دو
پھوڑ دو ان مست آنکھوں کے سرور انگیز جام
ان حسینوں کی صراحی دار گردن توڑ دو

ملّت بیضا

طالبان علم کی ناراض کو کیا کہئے فگار
عدن کہتے ہیں عدن کو روم کو پڑھتے ہیں وم
ایک علامہ نے اظہار لیاقت یوں کیا
ملّتِ بیضا کے معنی لکھدیئے انڈے کی قوم

آب و ہوا

اسٹرائک پر ہیں جس دن سے بہشتی حضرات
لطف مرنے کا نہ جینے کا مزہ باقی ہے
شہر کی آب و ہوا کیا ہے "نہ پوچھ اے ہمدم"
آب تو بند ہوا صرف ہوا باقی ہے

ہز ماسٹرس وائس

آپ شاعر نہیں مگر پھر بھی
آپ کے شعر کتنے نائس ہیں
کوک بھر دی گئی تو بج نکلے
آپ ہز ماسٹرس وائس ہیں

گل افشانی

ایک عالم نے کچھ اس طرح گل افشانی کی
مجھ کو اک رغبت فطری ہے زباں دانی سے
فارسی پر تو ہے دراصل میں مجھ کو قدرت
ہاں سمجھ لیتا ہوں اردو بھی بہ آسانی سے

باب رحمت

لکھنؤ والوں کی خواہش تھی دُھلے گرد و غبار
اور ہوا ایسا کہ پورا لکھنؤ ہی دُھل گیا
بسکہ تھا آہ رسا میں غیر معمولی اثر
باب رحمت کچھ ضرورت سے زیادہ کھل گیا

برتھ کنٹرول

لیٹے ہوئے تھے ریل کے ڈبے میں اک بزرگ
گویا کہ پوری برتھ وہی لے چکے تھے مول
ٹوکا کسی نے ان کو تو کہنے لگے جناب
نہرو کا حکم ہے کہ کرو برتھ کنٹرول

شہید عاشق

جیوشی ہو گئی اک عاشق ناشاد کی
پٹتے پٹتے حق کو پیارا ہو گیا وہ نامراد

خری ہچکی جب آئی اس شہید عشق کو
اس نے اک نعرہ لگایا: اے محبت زندہ باد

غم کرسی

ابو ہو کہ افسر ہو عاشق ہو کہ ممبر ہو
ہر شخص یہ کہتا ہے "احوال چہ می پرسی"

ابو کو غم دفتر افسر کو غم رشوت
عاشق کو غم جاناں" ممبر کو غم کرسی"

مردہ

کیا بتاؤں حضرت استاد بزم شعر میں
آخر شب کس طرح داد زباں دینے لگے

وہ سکوت شب میں انکے شعر پڑھنے کی صدا
جیسے قبرستان میں مردہ اذاں دینے لگے

بہو

سنا ہے ساس کو آج اک بہو نے پیٹ دیا
تو اس خبر پہ یہ ہنگامہ چار سو کیسا ہے

میاں سے لڑنے جھگڑنے کے ہم نہیں قائل
جو ساس ہی کو نہ ٹھونکے تو پھر بہو کیا ہے

رضاکار

ایک علامہ سے کل میری ملاقات ہوئی
تھا بڑا ناز جنھیں اپنی زباں دانی پر

میں نے پوچھا کہ "رضا کار" کے معنی کیا ہیں
عجب انداز سے بولے کہ "رضا کی موٹر"

بھاشن

گرانی مفلسی بے روزگاری قحط بیماری — یہ فتنے کیا ہماری موت کا کاشن نہیں دیتے
مگر یہ خوش بیان لبلبڈر یہ ناکارہ سیاست داں — فقط بھاشن دیئے جاتے ہیں راشن نہیں دیتے

ماسٹر صاحب

ماسٹر صاحب کا حلیہ ان کی حالت الاماں
یہ مجسم حشر سرتاپا قیامت الاماں
بال الجھے زرد چہرہ گال مرجھائے ہوئے
پندرہ دن ہوگئے داڑھی کو بنوائے ہوئے
ٹکڑے ٹکڑے جیب داماں پارہ پارہ پیرہن
بوٹ تسموں سے خفا ہیں شیروانی سے بٹن
آپ کے پاس ایک ہی جوڑا ہے خاکی سوٹ کا
اور وہ بھی غالباً ورثہ کسی رنگروٹ کا
اُس طرف بیگم خفا گھر سے کہاں جاتے ہیں آپ
اِس طرف صاحب کی ڈانٹیں لیٹ کیوں آتے ہیں آپ
صرف کھانا کیا کوئی شے وقت پر ملتی نہیں
پہلے انھیں تاریخ پندرہ سے ادھر ملتی نہیں
جیسے ذرہ گاڑی بڑھی کیچے میں پہیا اڑ گیا
پہلے اگر مل بھی گئی ڈی۔ اے میں گھپلا پڑ گیا

ماسٹر صاحب خود اپنی جان سے بے زار ہیں
فنڈ مل جائے تو مرنے کے لئے تیار ہیں
وہ تو کہئے وکیشن مل گیا تھا جون سے
ورنہ بیٹا ٹھور مر جاتے فساد خون سے
لوگ کہتے ہیں کہ یہ نقلی گریجویٹ ہیں
بات صرف اتنی ہے یہ بی. اے پرائیویٹ ہیں
کر دیا ہے ان کے پیشہ نے انھیں خبط الحواس
شب کو بھی یہ بڑ بڑاتے ہیں کہ سٹ ڈاون کلاس
ان کو کیا پرواہ جو شاگردوں کا ڈبہ گول ہے
ماسٹر صاحب کی نیّا خود ہی ڈانوا ڈول ہے
باوجود مفلسی دل مطمئن لب خندہ زن
ہر ادا میں لکھنویت ہر نظر میں بانکپن
مفلسی بھی ہے نظر میں اور اپنی لاج بھی
ظاہری نواب ہیں یہ واقعی محتاج بھی
یہ کریں یاد خدا اتنی انھیں فرصت نہیں
ماسٹر صاحب کو ٹیوشن چاہیئے جنّت نہیں
ہر روش پر ہر قدم پر ماسٹر صاحب سلامؑ
ماسٹر صاحب ہیں گویا دورِ حاضر کے امام
اس قدر لڑکوں پہ بھی محروم وارث آپ ہیں
آپ بے اولاد ہو کر سینکڑوں کے باپ ہیں
ماسٹر کی زندگی ہے اچھا خاصا اک جہاد
پے کمیشن زندہ باد اے پے کمیشن زندہ باد

شاعرِ اعظم

کل اک ادیب و شاعر و ناقد ملے ہمیں
کہنے لگے کہ آؤ ذرا بحث ہی کریں

کرنے لگے یہ بحث کہ اب ہند و پاک میں
وہ کون ہے کہ شاعرِ اعظم کہیں جسے

میں نے کہا جگرؔ تو کہا ڈیڈ ہو چکے
میں نے کہا کہ جوشؔ کہا قدر کھو چکے

میں نے کہا کہ ساحرؔ و مجروحؔ و جاں نثارؔ
بولے کہ شاعروں میں نہ کیجے انھیں شمار

میں نے کہا ادب پہ ہے احسان نشورؔ کا
بولے کہ ان سے میرا بھی رشتہ ہے دور کا

میں نے کہا شکیلؔ تو بولے ادب فروش
میں نے کہا قتیلؔ تو بولے کہ بس خموش

میں نے کہا کچھ اور تو بولے کہ چپ رہو
میں چپ رہا تو کہنے لگے اور کچھ کہو

میں نے کہا فراقؔ کی عظمت پہ تبصرہ
بولے فراق شاعرِ اعظم ارادورہ

میں نے کہا کلام روشؔ لاجواب ہے
کہنے لگے کہ ان کا ترنم خراب ہے

میں نے کہا ترنم انور پسند ہے
کہنے لگے کہ ان کا وطن دیوبند ہے

میں نے کہا خمار کا بھی معتقد ہوں میں
داڑھی پہ ہاتھ پھیر کے کہنے لگے کہ "ایں"

میں نے کہا سحر بھی ہیں خوش فکر و خوش مزاج
بولے کہ ہاں مزاح کا مت کیجئے امتزاج

میں نے کہا ساغر و آزاد بولے نو
پوچھا کہ عرش. بولے کوئی اور نام لو

میں نے کہا کہ فیض کہا فن میں کچا ہے
میں نے کہا کہ شاد تو بولے کہ بچا ہے

میں نے کہا فنا بھی بہت خوش کلام ہیں
بولے کہ واہ نظم میں کچھ سست گام ہیں

میں نے کہا کہ نظم میں وامق بلند ہیں
کہنے لگے کہ وہ تو ترقی پسند ہیں

میں نے کہا کہ شاد تو بولے کہ کون شاد
میں نے کہا کہ یاد تو بولے کہ کس کی یاد

میں نے کہا قمر کا تغزل ہے دلنشیں
کہنے لگے کہ ان میں تو کچھ جان ہی نہیں

میں نے کہا عدم کے یہاں اک تلاش ہے
بولے کہ شاعری اسے وجہ معاش ہے

میں نے کہا حفیظ تو بولے کہ خود پسند
میں نے کہا رئیس تو بولے کہ "قطعہ بند"
میں نے کہا نیاز تو بولے کہ عیب بیں
میں نے کہا سرور تو بولے کہ نکتہ چیں
میں نے کہا ندیم تو بولے کہ گندگی
میں نے کہا سلام تو بولے کہ بندگی
میں نے کہا اثر تو کہا آوٹ آف ڈیٹ
میں نے کہا کہ نوح تو بولے کہ تھرڈ ریٹ
میں نے کہا کہ یہ جو ہیں محشر عنائتی
کہنے لگے کہ آپ ہیں ان کے حمائتی
میں نے کہا کہ یہ جو ہیں گلزار دہلوی
بولے کہ برہمن کو بھی ہے شوق شاعری
میں نے کہا کہ انور و نجم بھی خوب ہیں
بولے میری نظر میں تو سب کے عیوب ہیں
میں نے کہا کہ روحی و مخفی نگاہ و ناز
بولے کہ میرے گھر میں بھی ہے اک ادب نواز
میں نے کہا کہ یہ جو دلاور فگار ہیں
بولے کہ وہ تو طنز و ظرافت نگار ہیں
میں نے کہا کہ طنز میں اک بات بھی تو ہے
بولے کہ اس کے ساتھ خرافات بھی تو ہے

میں نے کہا کہ آپ کے دعوے ہیں بے دلیل
کہنے لگے کہ آپ سخنور ہیں یا وکیل

میں نے کہا کہ فرقت و شہباز کا کلام
کہنے لگے کہ طنز نگاروں کا کیا کلام

میں نے کہا تو شاعرِ اعظم کوئی نہیں
کہنے لگے کہ یہ بھی کوئی لازمی نہیں

میں نے کہا تو کس کو میں شاعر بڑا کہوں
کہنے لگے کہ میں بھی اسی کشمکش میں ہوں

پایانِ کار ختم ہوا جب یہ تجزیہ
میں نے کہا "حضور" تو بولے کہ "شکریہ"

شکوہ

(پانچ مہینے تک کالج میں تنخواہ نہ ملنے پر ایک پرنسپل سے ایک ممبر آف اسٹاف کی فریاد جس کی طریفانہ ہے)

کیوں گنہگار بنوں، فرض فراموش رہوں
کیوں نہ تنخواہ طلب کر کے سبکدوش رہوں

طعنے بنیوں کے سنوں اور ہمہ تن گوش رہوں
ہم نوا، میں کوئی بدھو ہوں کہ خاموش رہوں

جرأت آموز مری تابِ سخن ہے مجھ کو
شکوہ تنخواہ کا خاکم بدہن ہے مجھ کو

ہے بجا صدقہ و خیرات میں مشہور ہیں ہم
حق محنت نہ ملے جس کو وہ مزدور ہیں ہم

فقر و فاقہ کی قسم سرمد و منصور ہیں ہم
ہو گئے پانچ مہینے کہ بدستور ہیں ہم

حاکما، شکوہ ارباب وفا بھی سن لے
خوگرِ مدح سے تھوڑا سا گلا بھی سن لے

یوں تو مدت سے ہے کالج میں تری ذات قدیم
شرط انصاف ہے اے والدِ اولادِ یتیم
ہم نے بویا ہے ترے کھیت میں تخم تعلیم
ہم نے پیدا کئے ہر دور میں بقراط حکیم
ہم کو جمعیت خاطر یہ پریشانی تھی
ورنہ کھانے کو تو مسجد میں بھی آسانی تھی

ہم تو جیتے ہیں فقط علم کی خدمت کیلئے
اور مرتے ہیں تو تہذیب کی عظمت کیلئے
ٹیوشنیں کرتے ہیں کچھ وہ بھی ضرورت کیلئے
ورنہ کیا اور ذرائع نہیں دولت کیلئے
قوم اپنی جو زر و مال جہاں پر مرتی
تیری سروس کے عوض پیری مریدی کرتی

ٹل نہیں سکتے اگر درجہ میں اڑ جاتے ہیں
پاؤں لڑکوں کے بھی درجہ سے اکھڑ جاتے ہیں
غیر حاضر ہوا کوئی تو بگڑ جاتے ہیں
دوست کیا چیز ہیں شاگرد سے لڑ جاتے ہیں
نقش تعلیم کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے
بوڑھے طوطوں کو سبق یاد کرایا ہم نے

تو ہی کہہ دے کہ کیا پوسٹ رجسٹر کس نے
امتحانوں میں بنا کر دیئے پیپر کس نے
دیئے شاگردوں کو انصاف سے نمبر کس نے
معرکہ انوِجی لیشن کا کیا سر کس نے

پھر بھی ہم سے یہ گلا ہے کہ وفادار نہیں
ہم وفادار تو ہیں، مرنے کو تیار نہیں

طالب علم ہیں ٹیچر سحر و شام پھرے — مے تعلیم کو لے کر صفتِ جام پھرے
سکستھ ہیں نائنتھ ہیں لیکر ترا پیغام پھرے — پہونچے جس درجہ میں اس درجہ سے ناکام پھرے
روم تو روم ہیں میداں بھی نہ چھوڑے ہم نے
فیلڈ میں چھوڑ دیئے علم کے گھوڑے ہم نے

آگیا عین پڑھاتی میں اگر پے کا خیال — ماسٹر بھول گیا، ماضی و مستقبل و حال
رہ گیا بورڈ پہ لکھا ہوا آدھا ہی سوال — آ گئے یاد گرامر کے عوض اہل و عیال
گیٹے و شیلی و خیام و ولی ایک ہوئے
بھوک دربار میں پہونچے تو سبھی ایک ہوئے

محکمے اور بھی ہیں ان میں جواں سال بھی ہیں — ان میں زنخے بھی ہیں ہیجڑے بھی ہیں قوال بھی ہیں
ان میں ننگے بھی ہیں بھوکے بھی ہیں کنگال بھی ہیں — ان میں [illegible] بھی ہیں اندھے بھی ہیں دجال بھی ہیں
طالب علم کو ہم نے دیا پیغام ترا
قوت بازو سے ٹیچر نے کیا کام ترا

یہ شکایت نہیں، ہیں ان کے خزانے معمور — نہیں تختی پہ جنہیں نام بھی لکھنے کا شعور
قہر تو یہ ہے کلرکوں کو ملیں حور و قصور — اور ہم بی ٹی و سی ٹی کو فقط وعدۂ حور

رحمتیں عام ہیں ہر کہتر و مہتر کے لئے
ڈیڑھ سو دن کا مہینہ ہے تو ٹیچر کے لئے

کوئی ڈی اے میں مساوات کا قائل نہ رہا انکریمنٹ بھی تنخواہ میں شامل نہ رہا
ایریئر وہ نہ رہا پے نہ رہی، بل نہ رہا جس میں تھے فنڈ کے کاغذ وہی فائل نہ رہا
ہم کہ میدانِ عمل کے عملی غازی ہیں
ہیں تو کالج میں ملازم مگر اعزازی ہیں

لڑکے درجوں میں یہ کہتے ہیں کہ استاد گئے ہے خوشی ان کو کہ قاتل گئے جلاد گئے
وقت شاگردوں کا جو کرتے تھے برباد گئے اب نہ آئیں گے کہ سوئے عدم آباد گئے
طعنہ زن لڑکے ہیں احساس تجھے ہے کہ نہیں
اپنے اسٹاف کا کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں

کوئی دہلی گیا کالج سے تو کوئی مدراس کوئی کہتا ہے کہ اب بندہ تو لے گا بن باس
کوئی ناٹک میں ملازم ہوا با حسرت و یاس لے اڑی سب کو غرض موج ہوائے افلاس
ایک دلاور ہے کہ ہے محو ترنم اب تک
اس کے پوٹے میں ہے دانے کا تلاطم اب تک
جاگ اٹھے کاش اسی بلبل کی نوا سے کالج رفتہ یہ اصلاح ہو تدبیر دوا سے کالج
ہو شفایاب پھر الطاف خدا سے کالج رہے محفوظ غم و رنج و بلا سے کالج
ہے ہنسی لب پہ تو کیا دل تو ہے رنجیدہ مرا
لے ظریفانہ سہی، نغمہ ہے سنجیدہ مرا

زندانی مشاعرہ[1]

ہوئی تھی جیل میں اک محفل سخن جس میں
ادیب و اہل سخن بے شمار پہنچے تھے
اسیر حجرۂ زنداں سے داد لینے کو
اسیر حلقۂ گیسوئے یار پہنچے تھے

غمِ شاعری[2]

بغیر داد سخن زندہ رہ نہیں سکتے
یہ لوگ جن کو غم شاعری نے مارا ہے
مشاعرے سے غرض ہے وہ جیل ہی میں سہی
مشاعرے کے لئے جیل بھی گوارا ہے

ولے

وہ لوٹ آئے پہنچ کر قریب ماہ و نجوم
ہوا تمام گگارن کا آسمانی گشت
جو ان کو لوٹتے دیکھا تو چاند نے یہ کہا
"رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت"

عُرس

تعجب کیا جو بزم شعر میں دلدادگانِ فن
کلام عالمانہ پیش فرمانے بھی آتے ہیں
سبھی بزم سخن میں شعر پڑھنے کو نہیں آتے
یہاں کچھ "پیر" اپنا عرس کروانے بھی آتے ہیں"

نقّاد

سوچتے تھے جانشین غالب و سودا بنیں
خوشہ چینِ شبلی و آزاد بن کر رہ گئے
شاعری کرنے کا ارماں تو ہمیں بھی تھا مگر
شاعری آئی نہیں، نقّاد بن کر رہ گئے

---

[1]، [2] : مقامی سینٹرل جیل میں ایک مشاعرہ منعقد کیا تھا دونوں قطعات اسی سے متعلق ہیں۔ (نگار)

عشق کا پرچہ

پنجاب بورڈ کے ایک سینٹر نے اپنے پرچہ میں ایک رومانی سوال پوچھا تھا اسی پرچہ سے متاثر ہو کر یہ پرچہ سیٹ کیا گیا ہے۔

محو حیرت ہوں کہ وہ سینٹر تھا کتنا خوش خیال
عشق کے بارے میں پوچھا جس نے پرچہ میں سوال

ایسے ہی سینٹر اگر کچھ اور پیدا ہو گئے
بھائیوں کو دیکھنا بہنوں پہ شیدا ہو گئے

عام ہو گی عاشقی کالج کے عرض و طول میں
لیلیٰ و مجنوں نظر آئیں گے ہر اسکول میں

عشق کے آداب لڑکوں کو سکھائے جائیں گے
غیر عاشق جو ہیں وہ عاشق بنائے جائیں گے

عاشقوں کو علم میں پرفیکٹ سمجھا جائے گا
عشق اک کمپلسری سبجیکٹ سمجھا جائے گا

امتحاں ہو گا تو پوچھے جائیں گے ایسے سوال
اپنی محبوبہ کے بارے میں کچھ اظہار خیال

انڈیا کا ایک نقشہ اپنی کاپی پر بناؤ
اور پھر اس میں حدود کوچۂ جاناں دکھاؤ

کچھ مثالیں دے کے سمجھاؤ یہ قول مستند
عشق اول در دل معشوق پیدا می شود

ایک تحقیقی مقالہ لکھ کے سمجھاؤ یہ بات
شاخ آہو پر ہی کیوں رہتی ہے عاشق کی برات

عشق اک سائنس ہے یا آرٹ سمجھا کر لکھو
یا یہ دونوں عشق کا ہیں پارٹ سمجھا کر لکھو

اپنے اندازہ سے طول شام تنہائی بتاؤ
صرف تخمیناً شب ہجراں کی لمبائی بتاؤ

چھوٹے چھوٹے نوٹس لکھو ذیل کے ٹاپکس پر
شام غم، شام جدائی، درد دل، درد جگر

آج اپنے ملک میں عاشق ہیں کتنے فیصدی
منتہی ان میں ہیں کتنے اور کتنے مبتدی

وصل کی درخواست پر کس کی سفارش چاہیئے
عشق کے پودے کو کتنے انچ بارش چاہیئے

کون سے آلے سے دیکھیں حسن جاناں یہ لکھو
حسن کی مقدار جو نلپے وہ پیمانہ لکھو

مادر لیلیٰ نے تو لیلیٰ نہ بیاہی قیس کو
تم اگر لیلیٰ کی ماں ہوتے تو کیا کرتے لکھو

ایک عاشق تین دن میں چلتا ہے انیس میل
تین عاشق کتنے دن میں جائیںگے اڑتیس میل

آپ کر سکتے ہیں ان میں سے کوئی بارہ سوال
بدخطی کے پانچ نمبر ہیں رہے یہ بھی خیال

انٹرویو بورڈ کے سوالات

فلسفہ کیا ہے ہم کو سمجھاؤ
سائیکل ٹیوب کا محیط بتاؤ

عمر کیا ہے دلائی لامہ کی
کتنی چوڑی تھی چھاتی گامہ کی

کیا تھا شیکسپیئر کی ساس کا نام
کس محلے میں کرتی تھی وہ قیام

کتنے راتوں کو کیوں نہیں سوتے
سینگ گدھوں کے کیوں نہیں ہوتے

بھینس کب اپنی دم ہلاتی ہے
روز یہ کتنی گھاس کھاتی ہے

کتنی پائی تھی میرؔ نے تعلیم
کولرج کو پسند کیوں تھی افیم

پالے کو کیوں ہے اضطراب بتاؤ
کس کی ایجاد ہے کباب بتاؤ

اچھے کیوں ہیں کبیر کے دوہے
ساری دنیا میں کتنے ہیں چوہے

یہ اہنسا کا مسئلہ کیا ہے
قطب مینار کتنا اونچا ہے

کون یہ فیلسوف نیوٹن تھا
مڈل میں اس کا کیا ڈویژن تھا

کتنے افسانے موپاساں نے لکھے
گول کل کتنے دھیان چند نے کئے

ہم نے کیا آج جی میں ٹھانی ہے
فاسٹ بولر کی کیا نشانی ہے

کون یہ سیلوٹے[1] ڈور ڈالی ہے
کتنی گہری گلی کی نالی ہے

برچھ وہاں کس نے گرایا ہے
ہم نے مٹھی میں کیا چھپایا ہے

[1] نامور سرالیسٹ فنکار

غالبؔ سے معذرت کے ساتھ

کوئی سنتا ہی نہیں ان کی صدا میرے بعد
ہائے کیا وقت اندھیروں پہ پڑا میرے بعد

وقت سے پہلے ہی اب اس کی سحر ہوتی ہے
ہوئی منسوخ شبِ غم کی سزا میرے بعد

غیر کو اس نے شبِ وصل میں ڈانٹا دو بار
مل گیا مجھ کو وفاؤں کا صلا میرے بعد

کوئی جاتا نہیں بچوں کی قطاریں لے کر
ہسپتالوں میں وہ چرچا نہ رہا میرے بعد

ویٹ لفٹر کوئی مجھ سا نہ ہوا جو پیدا
کون اٹھائے گا ترے ناز بتا میرے بعد

"خوں ہو دل خاک میں احوال بتاں پر یعنی"
کس کا یہ جا کے دبائیں گے گلا میرے بعد

اپنی محرومیٔ قسمت پہ ہنسی آتی ہے
دودھ بازار میں خالص بھی بکا میرے بعد

میرے ماتم میں نہیں اپنی رقم کے غم میں
شہر کا بنیا سیہ پوش ہوا میرے بعد

ان کی تفریح کا سامان طرب تھا میں ہی
ڈاکٹر لوگ ہیں جینے سے خفا میرے بعد

رسم افلاس کی تہذیب تھی مجھ سے قائم
اٹھ گئی دہر سے جینے کی ادا میرے بعد

ڈر یہ نہیں کہ ہجر میں جینا محال ہے
ڈر ہے کہ خاکسار کثیر العیال ہے

چھ سات سیر کھا کے یہ کہتا ہے مولوی
"عالم تمام حلقۂ دام خیال ہے"

اب وہ شب فراق کی نیندیں کہاں نصیب
اے دل شبِ وصال میں سونا محال ہے

کُتّوں کا اک ہجوم جلو میں ہے رات دن
پتلا دیارِ حسن میں عاشق کا حال ہے

سمجھا کے مجھ کو "عشق خلل ہے دماغ کا"
ناصح نے ان سے شادی کی میرا خیال ہے

کہہ دو یہ اپنی ماں سے کرے فن کا احترام
کھانسی یہ کیا ہر جس میں کرشمہ ہے نہ تال ہے

یہ عہد بر شگال کرایہ کا یہ مکاں
یعنی ہر ایک کمرے میں چھوٹا سا تال ہے

کھیلا کئے بہ تاش میں رو یا کیا لہو
چارہ گروں کے فیض سے جینا محال ہے
دربانوں سے ایک بیڑی یہ کہہ کر وصول کی
اس معرضِ مثال میں تو بے مثال ہے

تعزیت

منہ میں سگرٹ لئے باجاہ وحشم آئے ہیں
تعزیت کے لئے ارباب کرم آئے ہیں

موت کے ذکر پہ جو بیٹھے ہیں اب سر دھن کر
ابھی آئے ہیں بہ شمشاد کے گلنے سن کر

دل میں یہ خوف کہیں آؤٹ نہ ہو جائے حنیف
لب پہ مرحوم کے اوصاف کی بھونڈی تعریف

یہ جو اک کونے میں بادیدۂ تر ہے بیٹھا
زیرِ لب اس کے ہے طوفانِ تبسم برپا

کوئی کہتا ہے کہ مرحوم تھا بھولا بھالا
کوئی کہتا ہے کہ آفت کا تھا وہ پرکالا

کوئی مرحوم کی بیوی پہ نظر رکھتا ہے
دل دیوانہ و صد چاک جگر رکھتا ہے

کوئی مرحوم کی مونچھوں کی مدح کرتا ہے
آملٹ کھا کے کوئی آہ ادھر بھرتا ہے

تعزیت کے لئے کچھ لوگ جو بیٹھے ہیں وہاں
ان کو مرحوم کے مرنے کا نہ تھا وہم و گماں

بے کلی ان کی کوئی دیکھے تو ہو گا معلوم
یہ وہی لوگ ہیں مقروض ہے جن کا مرحوم

عورتیں آئی ہیں پیراہن رنگین پہنے
مورچھل ہاتھ میں ماتھے پہ سجائے گہنے

ساتھ اطفال کا اک لشکر جرار لئے
بیٹھی مرحوم کی بیوی پہ ہیں یلغار کئے

موتی ننھے کے سوئٹر میں پروتی ہے کوئی
اپنی نانی کی ادھر یاد میں روتی ہے کوئی

فن کی پابند ہیں اس وقت بھی یہ نیک خصال
یعنی روتی ہیں تو سرتال کا رکھتی ہیں خیال

ہائے مرحوم غنیمت تھا بہت دم تیرا
دیکھ کس ٹھاٹھ سے کرتے ہیں ماتم تیرا!

او دیس سے آنے والے بتا

(اختر شیرانی سے معذرت کے ساتھ)

"او دیس سے آنے والے بتا — کس حال میں ہیں یاران وطن
آوارہ غربت کو بھی سنا — کس حال میں ہیں کنعان وطن
وہ باغ وطن فردوس وطن — وہ سرو وطن ریحان وطن"
او دیس سے آنے والے بتا

کیا اب بھی وہاں کا ہر شاعر — تنقید کا مارا ہے کہ نہیں
افلاس کی آنکھوں کا تارا — وہ راج دلارا ہے کہ نہیں
اور اہلِ دل کی نظروں میں — وہ اک گھسیارا ہے کہ نہیں
او دیس سے آنے والے بتا

کیا اب بھی وہاں ہر گنجا سر — اسکالر سمجھا جاتا ہے
کیا اب بھی وہاں کا ہر ایم۔ اے — غالب پر کچھ فرماتا ہے
اور جہل کی ظلمت میں کھو کر — اقبال سے بھی ٹکراتا ہے
او دیس سے آنے والے بتا

کیا اب بھی وہاں کے سب شوہر — راتوں کو چھپ کر روتے ہیں
کیا اب بھی وہ قسمت کے مارے — دفتر میں اکثر سوتے ہیں
طعنوں کا نشانہ بنتے ہیں — جب کبھی وہ گھر پر ہوتے ہیں
او دیس سے آنے والے بتا

کیا اب بھی اندھیری راتوں میں
سڑکوں پہ تعارف سے پہلے
بے شرم مٹاپا ہوتا ہے

کلچر کی تجارت ہوتی ہے
آپس میں محبت ہوتی ہے
شرمیلی نزاکت ہوتی ہے
او دیس سے آنے والے بتا

کیا شام کو اب بھی جاتے ہیں
بیوی کے کپڑے دھوتے ہیں
اور پیار سے آکر جھانکتا ہے

احباب کنارِ دریا پر
شاداب کنارِ دریا پر
مہتاب کنارِ دریا پر"
اور دیس سے آنے والے بتا

سنتا ہوں وہاں کے لوگوں نے
بے فکری کے عالم میں یونہیں
کیا بیمہ ایجنٹوں کے ڈر سے

باغوں میں ٹہلنا چھوڑ دیا
سڑکوں پہ مچلنا چھوڑ دیا
گھر سے بھی نکلنا چھوڑ دیا
او دیس سے آنے والے بتا

کیا قوم کے غم میں اب بھی وہاں
کیا اب بھی وہ فرصت کے شاکی
جو کاروں میں گھوما کرتے تھے

وہ جلسے اکثر ہوتے ہیں
موجود ڈنر پر ہوتے ہیں
کیا اب بھی وہ لیڈر ہوتے ہیں
او دیس سے آنے والے بتا

کیا اب بھی وہاں پہلے کی طرح
اور جھوٹ کہاں سے کیا جائیں
وہ شرم سے پانی پانی ہے

ہیچ لاٹھی ٹیک کے چلتا ہے
بجلی کی سی سرعت لایا ہے
سر فخر سے اس کا اونچا ہے
او دیس سے آنے والے بتا

آخر میں یہ حسرت ہے کہ بتا — ریحانہ کے کتنے بچے ہیں
ریحانہ کے وہ کس حال میں ہیں — کیا اب بھی وہ پنشن پاتے ہیں
کچھ بال تو تھے جیب میں تھا وہاں — کیا اب وہ مکمل گنجے ہیں
او دیس سے آنے والے بتا

آدمی

جس کی لغت میں آج نہیں ہے کلرک ہے — کل آد جس کا مسلکِ دین ہے کلرک ہے
ہر دم جو یونہی چیں بجبیں ہے کلرک ہے — روٹین کا جو مردِ امین ہے کلرک ہے
پر حسنِ اتفاق سے یہ بھی ہے آدمی

چہرے پہ ان کے بکی ہوئی ایک رات ہے — ان کے لئے یہ حاصلِ کل کائنات ہے
اس سے زیادہ لطف کی یہ واردات ہے — اے دل مگر یہ کان میں کہنے کی بات ہے
داڑھی بڑھا رہے ہیں سو ہیں وہ بھی آدمی

شہر نجوم ان کی ہی تفریح گاہ ہے — مہتاب کی پری پہ بھی ان کی نگاہ ہے
مفلس ہیں اور چاند ستاروں کی چاہ ہے — کس درجہ خستہ حال ہیں حالت گواہ ہے
شاعر ہیں ان سے ملئے کہ ہیں وہ بھی آدمی

ان کو نہ لفٹ شعر کی دیوی نے دی کبھی — ملنے گئے جو یہ تو وہ پردے میں جا چھپی
اللہ رے ان کی دستِ درازی کی برہمی — ساڑی ادب کی سات جگہ سے ہی پھاڑ دی
نقاد ان کو کہتے ہیں یہ بھی ہیں آدمی

حافظ ولایت اللہ صاحب

حافظ ولایت اللہ صاحب مرحوم بڑے عالی خاندان اور بڑے خوش فکر شاعر تھے انکا مجموعہ سوز و گداز چھپ چکا ہے جس پر نواب سراج الدین خاں سائل دہلوی نے تقریظ لکھی ہے۔ طالب علمی کے زمانہ میں حافظ صاحب نے بڑا کمال دکھایا تھا اور بی اے تک وہ ہر امتحان میں اول رہے تھے۔ علم و ادب سے تعلق رکھنے والے کا یہ امتیاز خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ وہ ریاضی میں بھی بڑے ماہر اور مشہور ریاضی داں سر ضیاء الدین کے ہم پلہ تھے۔ انھوں نے ناگپور میں اقامت اختیار کر لی تھی اور وہ مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ ریاست بستر کے دیوان اور ناظم اعلیٰ بھی رہے۔ آخر میں ڈپٹی کمشنر کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے۔ اصلاحی اور سوشل کاموں میں بہت حصہ لیتے تھے اور یونیورسٹی کی اکادمک کونسل کے رکن بھی رہے۔ سنہ ۱۹۱۲ء میں انھیں خان بہادر کا خطاب ملا اور سنہ ۱۹۱۷ء میں قیصر ہند میڈل۔ انھوں نے اپنے تین فرزندوں کو ٹرنٹی کالج میں تعلیم دلائی۔ ان کے بڑے صاجزادے اکرام اللہ صاحب آئی سی ایس تھے۔ ان کے دوسرے صاجزادے مسٹر احمد اللہ صاحب بیرسٹر۔ انڈین ٹیرف بورڈ کے سکریٹری رہے۔ ان کے سب سے چھوٹے صاجزادے مسٹر ہدایت اللہ آج کل سپریم کورٹ ہندوستان کے چیف جسٹس ہیں اور عارضی طور پر صدر جمہوریہ ہند بھی رہے ہیں۔

حافظ صاحب کا کلام پختہ ہے۔ وہ اصلاحی اور تہذیبی باتوں میں کچھ اس طرح مزاح گھول دیتے ہیں کہ تبلیغ کا شبہ نہیں رہتا۔

نومبر سنہ ۱۹۴۹ء میں انتقال فرمایا۔

حقیقت حال

مزہ اک بار مل جائے جسے انگور کے رس کا
غضب ہے پھر نہیں ہوتا کبھی وہ آدمی بس کا

بھرا ہے آج کل سیّال مقناطیس بوتل میں
کشش کا خاص اک جوہر ہے ہر شیشہ میں فوکس کا

عجب حالت ہوئی ہے آجکل تہذیب مشرق کی
خدا ہی اب نگہباں ہے ہماری قوم بیکس کا

لونڈر کی ہوا ایسی سمائی سر میں لوگوں کے
کہ فتنہ ہوتا ہے برپا کہیں ہو عطر گر خس کا

ہوئیں دربار قاضی میں بھی داخل میز اور کرسی
نہ مسند زیر پا ہے اور نہ وہ تکیہ ہے اطلس کا

مسدس خستہ حالی کا جناب شیخ پڑھتے تھے
نہیں ہے آج ان کو ہوش و دستار مقدس کا

برہمن کی طبیعت سیر یورپ کو تڑپتی ہے
نہیں ہے یاد متھرا کی نہ چرچا ہے بنارس کا

بہت ہیں لیڈروں کی ملک میں پرجوش تقریریں
مگر بڑھتا ہوا ہے ٹھاٹھ اصلی سے بھی بوگس[۱] کا

قلابازی دکھائی لیڈروں نے بزم قومی میں
تماشہ ہے سیاسی رائے میں ہر وقت سرکس کا

نہیں ہے اب ضرورت قیس کو صحرا نوردی کی
کہ لیلیٰ کی طرف سے کارڈ آتا ہے کرسمس کا

در انصاف ایسا ہو گیا ہے گم عدالت میں
کہ اس کا ڈھونڈھ لینا کارنامہ ہے کولمبس کا

زمانہ کی ہوئی تبدیل حالت ایسی اے حافظ
بیاں اس کا نہیں ہے کام اک مجھ جیسے ناکس کا

۱ مصنوعی

مارچ ۳۹ء

دورِ جدید

نہیں ہے شوق باقی شیخ کو نانِ تنوری کا
مزا بھولا برہمن بھی کچوری اور پوری کا

ہیں ٹیلیفون میں سرگوشیاں لیلیٰ و مجنوں کی
خوشا قسمت جدائی میں نہیں ہے رنج دوری کا

نظر انداز کر دیتا ہے انساں معنوی خوبی
فریب سخت ہوتا ہے بتوں کے حسن صوری کا

...فاخانوں میں مدوائف کا جسدم چل گیا جادو
نہیں رہتا ہے قائم فرق آدھی اور پوری کا

...پ فرقت میں ہر تریاق اک زہر ہلاہل ہے
اثر برعکس ہے بیمار پر شربت بزوری کا

...بھی ماحول پر بھی چاہیئے اپنے نظر کرنا
زمانہ اب نہیں ہے ہند میں صدر الصدوری کا

رہائی شیخ کی اب غیر ممکن ہے عدالت سے
گنہگاری کا فتویٰ ہوگیا ارباب جمہوری کا

توقع تھی عبث مہر و وفا کی حور دنیا سے
نتیجہ شیخ نے پایا ہے اپنی ناصبوری کا

فروری ۱۹۳۳ء

رفتار ترقی دینی و دنیوی

حکم ہو قرآن کا. فرمان ہو انجیل کا
آجکل سب کے لئے وقت آگیا تعطیل کا

ہو گئے دنیا سے واقف دین سے ہیں بے خبر
آج کل حاصل یہ ہے تعلیم کی تکمیل کا

گو بہت ہی نوجواں کی دستگاہ علم و فن
ہر طرف عالم میں شہرہ ہے بہت تحصیل کا

ہے یقیں سائنس کے اوزار نکلیں گے فقط
جائزہ لے گر کوئی ایمان کی زنبیل کا

مے کدہ میں نقد پر پڑتی ہے رندوں کی نظر
مسجدوں میں روپیہ غائب ہوا تحویل کا

رند نے ناصح کو احمق کہہ دیا تو کیا ہوا
وہ بھی صیغہ ہے بظاہر افضل التفضیل کا

تفرقے کرتے ہیں پیدا ہر طرف علمائے سوء
نور ہے جن کے دلوں میں عرش کی قندیل کا

بیشتر ان کا عمل ہے دوران کے قول سے
درمیاں دونوں کے اکثر فرق ہے اک میل کا

آئے ہیں تبلیغ کو تکفیر سے فرصت نہیں
یہ نمونہ ہے خدا کے حکم کی تعمیل کا

نومبر ۱۹۳۶ء

نرسنگ ہوم

مریض عشق اگر اسپتال جا پہونچا
شفا کے بدلے مرض میں وہاں اضافہ ہوا

مریض کے لئے دل بستگی ہے ہر جانب
جو آنکھ کھول کے دیکھا تو ہے عجیب فضا

سرہانے جلوہ فگن ایک نرگس بیمار
پلائی ناز و ادا سے کسی نے اس کو دوا

سہارا دے کے بٹھاتا ہے کوئی بستر پر
تو اس کے قلب میں ہوتا ہے اختلاج سوا

مریض کو جو پلائے کوئی محبت سے
دوائے تلخ میں ملتا ہے خوشگوار مزا

غضب ہے چشم فسوں ساز آپریشن میں
جگر بھی چاک کرو تو بھی ہو نہ درد ذرا

شمیم گیسوئے مشکیں کلوروفارم[1] ہوئی
نگاہ ناز نے نشتر کا کام خوب کیا

یہی سبب ہے کہ آتے تھے جو عیادت کو
مریض بننے کی کرتے تھے وہ خدا سے دعا

یہ قول سچ ہے کہ خدمت بناتی ہے مخدوم
مریض بھی ہے وہاں دل سے والہ و شیدا

بفرط شوق ہوا یہ بھی خود ز خود رفتہ
کیا یہ عہد کہ وہ گھر نہ جائے گا تنہا

غرض علاج کا ہے حسن انتظام عجیب
کہ تندرست ہوا اور مرض بھی ساتھ آیا

[1] بیہوش کر دینے والی دوا

جولائی ۳۳ء

حالات حاضرہ

بیبیوں کا حجاب ہے غائب
ان کے منہ سے نقاب ہے غائب

غور سے شیخ و شاب کو دیکھو
خوفِ روزِ حساب ہے غائب

رہ گئیں دیکھنے کی بس آنکھیں
نظرِ انتخاب ہے غائب

گر ہو واعظ کی روز مہمانی
پھر عذاب و ثواب ہے غائب

ہے سہارا خضاب کا ان کو
گرچہ عمر شباب ہے غائب

دورِ رنگیں میں زاہد بے کس
ابر میں آفتاب ہے غائب

لیڈروں کی زبان پر ہے درد
قلب سے اضطراب ہے غائب

ان کی اسکیم ایک خیمہ ہے
جس کی ہر اک طناب ہے غائب

چلتے ہیں سارے کام چندوں سے
صرف ان کا حساب ہے غائب

لسٹ چندوں کی چند روزہ ہے
بعد میں وہ کتاب ہے غائب

نقد تحویل کے امین بنے
اب جو پوچھو جواب ہے غائب

سخت مشکل حساب میں یہ ہے
کہ وہاں بے حساب ہے غائب

قوم ہے تشنہ کام و لب بستہ
اب دہن میں لعاب ہے غائب

بند ہے میکدہ میں مے نوشی
گھر میں سب اجتناب ہے غائب

ضبط کی تھی بھری ہوئی بوتل
لیکن اس کی شراب ہے غائب

خدمت قوم ہے فریب سراب
پاس جاؤ تو آب ہے غائب

زندہ باد انقلاب کی ہے پکار
قلب سے انقلاب ہے غائب

تذکیر و تانیث بزبان اردو

بہت پر لطف گو اردو زباں ہے
مذکر اور مونث کی ہے دقت

پریشاں کن ہے یہ تذکیر و تانیث
اگر ہر چیز کی دیکھو حقیقت

مصائب جمع کا صیغہ مذکر
مونث ہے مگر واحد مصیبت

غضب ہے خوف و خطرہ ہے مذکر
مونث ہے شجاعت اور ہمت

بہت ہیبت فگن ہے تیغ براں
ہوئی تانیث لیکن اس کی قسمت

حجاب و پردہ گھونگھٹ اور برقع
مذکر ہے یہ کل سامانِ عورت

مونث ہے جنابِ شیخ کی ریش
ہو کچھ بھی اس کی مقدار و طوالت

مذکر ہو گیا گیسوئے جاناں
ہوئی اس کی طوالت کی یہ عزت

دوپٹہ عورتوں کا ہے مذکر
مونث کیوں ہے دستارِ فضیلت

فراق و وصل ہیں دونوں مذکر
مونث ہے مگر واعظ کی صحبت

ضروری تھا ہو چہرہ کی صفائی
عبث ہے نوجوانوں سے شکایت

ہوئیں جب مونچھ اور داڑھی مونث
تو پھر کرنا پڑا دونوں کو رخصت

اپریل ۳۷ء

سیاسی ترقی

باقی رہا نہ دل میں ذرا خطرۂ گزند
بے خوف ساتھ ساتھ ہیں اب گرگ و گوسپند

لکچر پلیٹ فارم سے آتش فشاں ہیں روز
ہر شخص ملک و قوم کا بنتا ہے دردمند

مہمیز واہ واکی لگاتے ہیں حاضرین
ہے تیز تر صبا سے بھی گفتار کا سمند

جو رائے کے دھنی ہیں وہ رہتے ہیں دم بخود
سب سے زیادہ بانگ تہی مغز ہے بلند

معیارِ عقل چار طرف ہے بقدرِ جوش
جو دور بیں ہیں رکھتے ہیں اپنی زبان بند

تحریر میں بھی فاسفرس کی نہاں ہے موج
نقطہ ہے ایک ایک مضامین کا سپند

عاقل کا حال یہ ہے کہ اک چپ ہزار چپ
ہر بات اس کی ہوتی ہے اس کے لئے کمند

حق بات کہہ رہا ہوں مگر دل میں خوف ہے
وہ تلخ ہی رہے گی ملاؤں ہزار قند

ہے کیا عجب مجھے بھی سزائے سخن ملے
اکثر سنی ہیں ایک کے بدلے ہزار چند

وہ دن نہیں رہے کہ نصیحت کی قدر تھی
سنتے تھے لوگ جا کے بزرگوں سے وعظ و پند

بے کار مشورہ ہے ضروری نہیں صلاح
ہے اپنی اپنی رائے میں ہر ایک خود پسند

خوش قسمتی سے شیخ ہیں گر معتدل مزاج
بیوی کا ہے خیال ادھر انتہا پسند

آزار ہیں تمام رسوم و قیود سے
بڑھ کر ہیں والدین سے فرزند ارجمند

فرزانگی یہی ہے کہ چپ دیکھتے رہو
جتنے ہیں ہوشمند ہے ان کی زبان بند

مارچ ۳۳ء

ٹکس

اس ستم ایجاد کی بیداد ہے بیداد پر
روز آتی ہیں بلائیں اس دل ناشاد پر

بے زری نے کر دیا ہے ہر طرح بے بس ہمیں
چارہ جوئی کے لئے بھی ٹکس ہے فریاد پر

آشیاں پر ہو گیا محصول قائم باغ میں
ہیں ادھر پابندیاں لائسنس کی صیاد پہ

ہے یقیں بنتا نہ شیریں کے لئے وہ کوہکن
ہوتی قائم سخت رائیلٹی[1] اگر فرہاد پر

بن رہا ہے شادیوں پر فیس کا قانون آج
آگے چل کر ٹکس ہوگا ایک دن اولاد پر

یہ بھی سنتے ہیں کہ ڈیوٹی[2] ہو گی قائم بعد مرگ
آفریں ہے کونسل کی فکر اور ایجاد پر

پاس ہوں یا فیل ہوں اس سے نہیں کوئی غرض
فیس ہے لڑکوں پہ انکم ٹکس ہے استاد پر

غیر ممکن ہے کہ ٹکسوں سے رہائی ہو نصیب
ہے تحیر سب کو ان کے وزن اور تعداد پر

ہے مقرر جس طرح اک روز مرنے کے لئے
ہے ادائی ٹکس کی بھی لازمی میعاد پر

جنوری ۳۴ء

[1] محصول معدنیات [2] محصول

خدمت گزاری

ہند میں بھی ہے ہوائے پیرس
کوئی مسٹر ہے یہاں اور کوئی مس

ہیٹ کے سایہ میں ہے ریش طویل
کہیں دھوتی پہ چڑھی ہے برجیس

رخ لیلیٰ پہ ہے پوڈر کی بہار
کیوں نہ بیمار ہو چشمِ نرگس

گیند دیتا ہے اٹھا کر مجنوں
کھیلنے جاتی ہے لیلیٰ ٹینس

خوب آباد ہے ٹاکیز کا ہال
وعظ ویران ہے سونی مجلس

مٹ گیا خادم و مخدوم کا فرق
دے گا آقا کو ملازم نوٹس

نظر آیا نہ انھیں دزدِ حنا
رازِ دل ڈھونڈتی ہے خفیہ پولیس

کورٹ میں بڑھتی ہے پیشی ہر روز
جج کا جاری ہے ڈنر پر جسٹس

جھوٹے دعوے کی ہوئی ہے ڈگری
دین حق کورٹ کرے گی ڈسمس

کیس کا فیصلہ برسوں کا ہے کام
کبھی ناغہ نہیں ہوتا ٹینس

جاں نثاری کی نہیں قدر کوئی
دیکھی جاتی ہے ڈنر کی سروس

مال والوں ہی کو پایا دل تنگ
جو ہے زردار وہی ہے مفلس

خادم قوم ہیں کہنے کو بہت
شاذ ہے ملک میں پبلک سروس

جولائی ۱۹۴۶ء

زمانہ کی چند نیرنگیاں

ڈر ڈر کے شیخ پڑھتے ہیں لاحول آج کل
شیطاں کے پاس رہتا ہے پستول آج کل

خفیہ پولس کے لوگ ہیں ہر وقت گرد و پیش
خالی نہیں ہے خطرہ سے ماحول آج کل

شیطاں کے پاس توپ ہے اب اور مشین گن
کافی نہیں ہے شیخ یہ لاحول آج کل

مے نوش چین سے ہیں پریشاں ہیں مے فروش
ڈالے ہیں کانگرس نے نئے ڈول آج کل

موٹر بھگائے پھرتے ہیں لیلیٰ کے واسطے
مجنوں کو ہے ضرورت پٹرول آج کل

دنیا تباہ حالتِ دیں ہے تباہ تر
ہے فعل ہی درست نہ ہے قول آج کل

رفتار یہ زمانہ کی لے جائے گی کہاں
حافظ کے دل میں ہوتا ہے یہ ہول آج کل

ستمبر ۱۹۴۲ء

جلسۂ رقص بامدادِ خیرات

رقص ہے اس شوخ کا خیرات کی امداد میں
لوگ اس حیلہ سے آئیں گے بڑی تعداد میں

لیڈیانِ ماہ وش تقسیم کرتی ہیں ٹکٹ
شوقِ شرکت جوش میں ہے حلقۂ زہاد میں

آج سفاکی بھی ہے اسٹیج سے اک کارِ خیر
مرہمِ نیکی نہاں ہے نشترِ فصاد میں

گل فروشی کے لئے نکلے جو باہر سنگدل
دل ہوئے ہیں آب نرمی آگئی فولاد میں

کس مپرسی میں حقیقی غمزدہ ہے راہ پر
یا الٰہی صبر دے اس کے دلِ ناشاد میں

دیکھتا ہے روز بلبل کو گرفتارِ قفس
رحم کا جذبہ نہیں ہوتا دلِ صیاد میں

زیرِ گردوں اب نہیں غم کی صدائے بازگشت
کچھ اثر باقی نہیں رنجور کی فریاد میں

فروری ۱۹۴۳ء

فرقت کاکوروی

غلام احمد فرقت کاکوروی ایم۔ اے بھی اس دور کے تحریف نگاروں کی صف میں شامل ہیں۔ تاریخ اور اردو میں ایم۔ اے ہیں۔ آپ کی مندرجہ ذیل کتابیں شائع ہو چکی ہیں:۔

۱۔ مداوا
۲۔ ناروا (ترقی پسند مصنفین کے خاکے)
۳۔ صید و ہدف (مزاحیہ مضامین کا مجموعہ)
۴۔ اردو ادب میں طنز و مزاح (تاریخ اور تمام مزاح نگاروں پر تبصرہ)
۵۔ مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں (مزاحیہ مضامین کا مجموعہ)
۶۔ کفِ گل فروش

مداوا اور ناروا میں آپ نے جدید شاعری کا خاکہ اڑایا ہے اور ترقی پسند شاعروں کے کلام کی پیروڈی کی ہے۔

تاریخ پیدائش:۔ ۱۹۱۰ء

پتہ:۔ ۱۷۰۵ بھوجلہ پہاڑی دہلی ۶

فیملی پلاننگ

ہم نشیں مت پوچھ شادی کا سماں
آہ - اے ہندوستاں جنّت نشاں
اس جگہ گر آج شادی کیجیے
دوسرے ہی دن سے اولادوں کے ویگن لیجیے
اور اس ویگن میں پھر
بچّوں کا شور
ہم سب کا زور
کچھ آپ کا، کچھ آپ کا، کچھ آپ کا
اور پھر اس زور میں، اس شور میں
کان میں ماں باپ دے لیں انگلیاں
بھول جائیں پی کہاں
اور گھبرا کر کہیں
یہ کیا ہوا؟
اور اس پر سب کہیں — اچّھا ہوا
دیش کی زینت بڑھی
عزت بڑھی
شہرت بڑھی
جو کیا

اچھا کیا
جو کچھ ہوا
اچھا ہوا
اور پھر — ہر فرد کی یہ مانگ ہو
آسماں بچوں کا ہو
سارا جہاں — بچوں کا ہو
چاندنی بچوں کی ہو
اور چاند ہو بچہ بدوش
تاکہ ہر شے دیش کی
آئے نظر بچہ فروش
ہر دم یہی اک فکر ہو
اولاد ہی کا ذکر ہو
ہر سمت چاہے کال ہو
سارا جہاں پامال ہو
بدحال ہو — بے حال ہو
کنگال ہو

بچوں سے مالامال ہو
گھر میں اگر کھانا نہیں
پانی نہیں، دانا نہیں
دولت نہیں ثروت نہیں
چاہے کوئی ناشاد ہو

آباد ہو، برباد ہو
پر گود میں اولاد ہو

گھر میں اگر چلمن نہیں
روزن نہیں، آنگن نہیں
اک شمع تک روشن نہیں
آٹا نہیں، راشن نہیں
پر سوچ تو اے ہم نشیں
بچّہ نہیں تو کچھ نہیں

ایک دن سفر کو ہم چلے
اور ریل میں ہم گھس گئے
بچّوں سے ہم منہ موڑ کر
سارے کلنڈر چھوڑ کر
کچھ اِس طرف، کچھ اُس طرف
اور گھیر لیں سیٹیں تمام
رکھا مگر یہ اہتمام
سارے مسافر ہوں کھڑے
ہر سمت ہوں بچّے پڑے
اک شور و ہنگامہ رہے
گردش میں پیمانہ رہے
کوئی جئے چاہے مرے
اپنا سفر اچھا کٹے

بچوں کی پیدائش میں ہم
چھپن ہیں کی آلائش میں ہم
وقفہ کبھی دیتے نہیں
دنیا سے ہم ہیٹے نہیں
لڑکی ملے لڑکا ملے
لولا ملے، لنگڑا ملے
پوتی ملے، پوتا ملے
سیدھا ملے، ٹیڑھا ملے
ہر سال کچھ ملتا ملے

اور پھول اک کھلتا رہے

جب جانکی کا گھر بسا
اور بارہواں بچہ ہوا
بولے یہ سن کر جانکی
سب دین ہے بھگوان کی
بابا نے پوچھا ــــ کیا ہوا؟
بولے کہ پھر لڑکا ہوا
بولے چلو ــ اچھا ہوا
اولاد کا کوٹا بڑھا
بولیں کہ یہ کیا کھائے گا
اس کے لئے کیا آئے گا
کیوں کر یہ پالا جائے گا

بولے۔ یوں ہی چل جائے گا
اس کا ابھی سے ذکر کیا
اس کی ابھی سے فکر کیا
ہم سب فقیروں کو یہاں
اتنی بھلا فرصت کہاں
اولاد بھی پیدا کریں
اور بیٹھ کر سوچا کریں
یہ سب کہاں سے کھائیں گے
پیسے کہاں سے آئیں گے
کپڑے کہاں سے لائیں گے
یہ کام ہے سرکار کا
اس سے ہمیں کیا واسطا

ہاں گر حکومت یہ کہے
بچے نہ اب پیدا کرو
کوئی نیا دھندا کرو
اس بات پر اس سے کہو
فوراً وزارت توڑ دو
ہم کو ہمیں پر چھوڑ دو
بچّوں کی رکھوالی کرو
ہم سب کی نقّالی کرو

یہ کام ہے اولاد کا
ماں باپ کا
یہ اپنا اپنا کار ہے
آزادیٔ اظہار ہے
سرکار پر کیا بار ہے
ہر فرد ذمہ دار ہے
اولاد کا
افتاد کا
غلّہ نہ ہو
پیسہ نہ ہو
کپڑا نہ ہو
لتّا نہ ہو
چڑیا کا اک بچّہ تو ہو
وہ جن کا بہتر حال ہے
ان کا بھی یہ احوال ہے
جب سائیکل پر چل دیئے
کل فیملی اپنی لئے
دو ٹوکری میں ہیں نہاں
دو کا ہے ڈنڈے پر مکاں
شانوں کو دو پکڑے ہوئے
گردن میں دو جکڑے ہوئے

ہے کیریر پر مال لدی
لڑکی ہے کھونٹی ہے بندھی
سائیکل نے فراٹے بھرے
لڑکوں نے خرّاٹے بھرے
پھر زن زنا زن زن زن، زن زن زنا زن رن زنن

بعد کی باتیں

تعلیم کی تمام تو کالج سے یوں چھٹے
جیسے کہ کوئی سانڈ کو کھونٹے سے کھول دے
بے کار تھے ضرور پہ باکار بھی رہے
اک دو پہ مسکرائے تو دو چار پر ہنسے
کچھ دن تو عاشقانہ خطوں میں گزر گئے
دو سال خیریت بھرے پتوں میں گزر گئے
جو حسنِ اتفاق سے کچھ ملتفت ہوئیں
ان کے یہاں بھی تعطیلیاں فرمائشوں کی تھیں
ہم مفلسی بدوش اُدھر سے ضدیں بڑھیں
اپنی طرف سے ہاں تھی، اُدھر تھی نہیں نہیں
ایک ایک کر کے روز یونہی دن کٹا کیے
اور ہم خیالِ یار میں زلفیں بٹا کیے
برتے پہ گرچہ باپ کے تھے مفت پل رہے
پر مفلسانِ دہر میں بھی بے بدل رہے

یعنی ہم اپنے عشق میں بالکل اٹل رہے
ہردم رہا خیال کہ دل در بغل رہے

ہم نے اٹھائے ہجر میں یوں وصل کے مزے
فوٹو ہم ان کا سینے سے لپٹا کے پڑ رہے

ملنگے کے سوٹ ڈاٹ کے ان سے بھی ہم ملے
لیکن جب اصل روپ میں اک دن نظر پڑے
تہمد میں ہم کو دیکھ کے پہلے تو وہ ہنسے
پھر منہ بنا کے دیر تلک گھورتے رہے

بولے یہ شکل خون کے آنسو رلائے گی
یہ جیتی مکھی ہم سے تو کھائی نہ جائے گی

اک روز ایک خط جو کسی دل جلی کا تھا
کیا جانے کیسے باوا کے وہ ہاتھ لگ گیا
پیری پہ واں گھمنڈ ادھر عشق کا نشا
القصہ حسن و عشق پہ اک کوہ پھٹ پڑا

یہ بات مار پیٹ کی منزل سے جا لگی
"اِس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی"

کتوں نے بعض کے ہمیں رپٹایا بار ہا
لیکن نہ فرق عشق میں اس سے کبھی پڑا
جب بھی سنا رقیب کے گھر پہ ہے جھگڑا
"میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا"

آواز بعدِ عقد یہ کانوں میں بھر گئی

بکرے

اردو بازار جو پہونچے تو وہاں کیا دیکھا
کوئی بکری پہ لدا تھا کوئی بکرے پہ لدا

انھیں بکروں میں کئی صاحبِ اولاد بھی تھے
اور اس غول میں دس پانچ کے داماد بھی تھے

ان میں وامق بھی تھے، مجنوں بھی تھے فرہاد بھی تھے
صید افلاک بھی تھے عاشق ناشاد بھی تھے

عشق کی شعبدہ بازی کے کئی مارے تھے
حسن اور عشق کے مقتل میں بھی پو بارے تھے

بکریاں کتنے گھرانوں کی بھگا لائے تھے
اور اِس جرم میں اغوا کی سزا پائے تھے

تھے کئی ان میں جڑاؤ تو کئی سادے تھے
چار ٹانگیں جو نہ ہوتیں تو یہ شہزادے تھے

ریشمی کھال تھی، قالین نما بکرے تھے
ان کو ڈوری کے سہارے سے ملک پکڑے تھے

دُم پکڑ کر کوئی تہمد زدہ جب دیکھتا تھا۔
بکریاں روتی تھیں بکروں کے تھے اوسان خطا

ایک بڈھیا جو جواں سال تھا البیلا تھا
عمر بھر جو نہ جوانی سے کبھی کھیلا تھا

کان اٹھا کر کسی ظالم نے جو اس کو تولا
"بیں" کچھ اِس زور سے کی جیسے لگا ہو گولا

رسّیاں توڑ کے جب مائل پرواز ہوا
آہوئے دشت کا میدان میں دم ساز ہوا

لوگ چلائے وہ اُچھلا، وہ چلا، وہ بھاگا
سارے بکروں نے کہا دل میں اب خوب بچا

بنگال کی رقاصہ

ناچئے ناچئے — پائل کے بغیر
جسم عُریاں ہی رہے
شعلہ افشاں ہی رہے
ناچئے ناچئے —
بھوک اور موت کا رقص
میرے بنگال کا رقص
ناچئے سوچتی کیا ہیں — اٹھئے
آپ بنگال سے کب آئی ہیں
نغمہ و رقص کا پیکر بن کر
جسم کو بیچئے — پتھر بن کر
ناچئے۔ ناچئے —
میں پاگل ہوں —
یوں ہی بکا کرتا ہوں —

غالب

اسد اللہ خاں ——— ۱۷۹۷ء — ۱۸۶۹ء

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دمِ تحریر بھی تھا

جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو　　اک تماشا ہوا گلہ نہ ہوا

بہرا ہوں میں تو چاہیئے دونا ہو التفات
سنتا نہیں ہوں بات مکرّر کہے بغیر

میں نے کہا کہ بزمِ ناز چاہیئے غیر سے تہی
سن کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں

زندگی اپنی جب اس رنگ سے گزری غالبؔ
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

ہم کو معلوم ہے جنّت کی حقیقت لیکن
دل کے خوش رکھنے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی

واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو
کیا بات ہے تمہاری شرابِ طہور کی

وعدہ آنے کا وفا کیجے یہ کیا انداز ہے
تم نے کیوں سونپی ہے میرے گھر کی دربانی مجھے

جوشؔ ملیح آبادی

شبیر حسن خاں پیدائش ۱۸۹۴ء

خونخوار کو پروان چڑھانے والے
کمزور کو خاک میں ملانے والے

شاہیں بھی ہے کیا تیری ہی ایجاد لطیف
معصوم کبوتر کے بنانے والے

نہیں جہاں میں کوئی آسرا فقیروں کا
کہ بے نیاز بہت ہے خدا امیروں کا

گونجتی پھرتی ہے آفاق میں بھوکوں کی صدا
کون اللہ کو کہتا ہے کہ رزاق نہیں

مہاجن

قد کی لمبائی سے اک حد تک کمر جھولی ہوئی
سر پہ چُٹیا مردہ چوہے کی طرح بھولی ہوئی
کہنیاں تکئے کے اندر روزن سے دھنستی ہوئی
چست صدری دائرے پر توند کے پھنستی ہوئی

خوب ہے لے کر ڈکاریں دل کو بہلاتا ہوا
دونوں نتھنوں کو پُھلائے توند سہلاتا ہوا

حق کو ہو فروغ ہر ولی چاہتا ہے
باطل مٹ جائے ہر نبی چاہتا ہے
لیکن یہ بزرگوار جو چاہتے ہیں
کیا قادرِ مطلق بھی وہی چاہتا ہے

زاہد رہِ معرفت دکھا دے مجھ کو
یہ کس نے کہا ہے کہ سزا دے مجھ کو
کافر ہوں ہوئی یہ تو مرض کی تشخیص
اب اس کا علاج بھی بتا دے مجھ کو

پیری سے ہمیشہ کی لڑائی ہم نے
ہر وقت جوانی ہی منائی ہم نے
ہم سا بھی کوئی دُزدِ مہ و سال نہیں
ہر شخص کو عمر کم بتائی ہم نے

قرنوں ابھی ٹوٹیں گے ہزاروں تارے
گزریں گے ابھی سر سے ہزاروں دھارے
انساں بننے میں ہے ابھی وقت بہت
اب تک تو فقط دُم ہی جھڑی ہے پیارے

ہاں ہاں مسجد یہی ہے آگے بڑھ کر
حاجی بخش اللہ کی دوکاں کے اوپر
لیکن، لیکن، جناب لیکن کیسی؟
میں پوچھ رہا تھا کہ ہے میخانہ کدھر

ہر سانس کو وقفِ صد شرارت کر دیں
اخلاق کی کچھ عجیب حالت کر دیں
مفلس کہ امیروں کے گناتے ہیں گناہ
دولت انھیں دے دو تو قیامت کر دیں

اختر

پنڈت ہری چند — ۱۹۰۱ء - ۱۹۵۸ء

زمیندار کے ایڈیٹر ظفر علی خاں کی ایک نظم کے کچھ الفاظ آگے پیچھے ہو گئے تھے۔ یہ نظم ان کی نذر کی :۔

پھر ظفر کے بعد گائے ایسے ڈھولے کون گا
پھر سنائے ٹھمریاں ٹپے چو بولے کون گا

امّتِ مرحوم کی جیبیں ٹٹولے کون گا
بھر کے لے جائے یوں ہی چندے کے جھولے کون گا

نبض تک خاموش پڑ جاتی ہے رعب حسن سے
حالِ دل پوچھا اگر اس نے تو بولے کون گا

تو جو مجھ پر کر رہا ہے بے خبر مشقِ کلوخ
جُن کے تیرے واسطے لائے غلولے کون گا

ہے شبِ وعدہ اِدھر مجھ پر ہے غلبہ نیند کا
وہ اگر آئے تو پھر دروازہ کھولے کون گا

دوزخی، صاحب بھی ساحل سے چمٹ بیٹھے اگر
عشق کے طوفان میں کھائے جھکولے کون گا

شعر میرا ہے مثلِ سندھ عمیق　　اور روانی چناب کی سی ہے
دلِ خانہ خراب کی صورت　　دل خانہ خراب کی سی ہے
گرمئی عشق یعنی گرمئی عشق　　جون کے آفتاب کی سی ہے
اک طرف پاؤں اک طرف جوتا　　میری حالت خراب کی سی ہے
شیخ جی دوزخی ملے تھے آج　　شکل بالکل جناب کی سی ہے

یہ لے بوتل کے دام کہ ساقی رات گزرنے والی ہے
اور یہ تیرا انعام کہ ساقی رات گزرنے والی ہے

تو میرے اعمال کا پابند نکلا حشر میں　　اے خدا میرے خدا تجھ کو خدا سمجھا تھا میں

شیخ و پنڈت دھرم اور اسلام کی باتیں کریں　　کچھ خدا کے قہر کچھ انعام کی باتیں کریں
یہ سنائیں پاک نغمے اولیں الہام کے　　وہ خدا کے آخری پیغام کی باتیں کریں
ہم کھڑے سنتے رہیں اور دل میں یہ کہتے رہیں
اب یہ رخصت ہوں تو ہم کچھ کام کی باتیں کریں

وہی ہے اپنی رندی اور وہی واعظ کی فہمائش
بری عادت کوئی بھی ہو بآسانی نہیں جاتی

نمودِ خیر و شر کا یہ نتیجہ کس نے سوچا تھا
خدا مفرور آدم جاں بلب شیطان باقی ہے

جوش ملسیانی

پنڈت لبھو رام　　پیدائش یکم فروری ۱۸۸۴ء

بنگلا ہی نہیں گور بھی انساں کیلئے ہے　　یہ ٹھیا محل بھی اسی مہماں کے لئے ہے

نوٹ پر یہ نوٹ کر دو جوش تم　　دولت اب کاغذ کا ٹکڑا رہ گئی

کمیٹی کی پرچی سلامت رہے　　غریبوں کا یہ آسرا ہو گئی

تپش دل میں ہر آہِ سرد کے ساتھ　　مہینہ جون کا ہے جنوری میں

راہِ عدم میں چور ہی اتنا کرم کرے　　چپکے سے لے اڑے میری گٹھڑی گناہ کی

ہم جانتے ہیں کہ پارسائی کیا ہے　　اس کے لئے وجہ لب کشائی کیا ہے
پی جائیں جسے نام خدا کا لے کر　　اس جام شراب میں برائی کیا ہے

محشر میں سن رہا ہوں صدا واہ واہ کی　　یارب ملی یہ داد مجھے کس گناہ کی

پرتگالی کا میں دل داہ نہیں اے ساقی — انڈیا میڈ اگر ہے تو دیکھا کون سی ہے

تم اب تو جوش سیہ کاریوں سے باز آؤ — تمہاری داڑھی میں حضرت سفید بال آئے

غیر کی تصویر پر کہتے نہیں اشعار ہم — بے زباں پر کیا کریں تیغِ زباں کا وار ہم

منحصر قوت بازو پہ ہے دولت مندی — دیکھ لو زور میں موجود ہے زر ۲/۳
ملک الموت سے دنیا میں ہراساں نہیں کون — جس کو کہتے ہیں نڈر اس میں ہے ڈر ۲/۳

ظالمو خوف کرو آہ کو سمجھو نہ حقیر
لفظِ اللہ میں ہے اس کا اثر ۲/۳

آج کل گرمی کی ہے رفتار گرم — ہر طرف ہے حشر کا بازار گرم
آتا ہے کھچ کھچ کے خلقت کا ہجوم — برف والوں کا ہوا بازار گرم

دوستوں کی سرد مہری دیکھ کر
اشک نکلے آنکھ سے دو چار گرم

عبدالباری آسی

۱۸۹۳ء ——— ۱۹۵۰ء

اب بھی ہمت کی مسلمانوں میں کچھ قلت نہیں
ہاں مگر ڈرتے تھے سب جس سے یہ وہ ہمت نہیں

قاضی صاحب پھر بھی اچھے ہیں کہ قصہ تو سُنا
جج نے تو یہ کہہ دیا جائیے ہمیں فرصت نہیں

ریل کی اکثر مذمت شیخ صاحب سے سنی
یا پیادہ چل سکیں دو کوس یہ ہمت نہیں

غلط فہمی کا فیشن سے ازالا ہو نہیں سکتا
کوئی گورا کسی کالے کا سالا ہو نہیں سکتا

جناب شیخ بھی ہنس ہنس کے چپکے چپکے کہتے ہیں
بہت اچھا ہے حلوا اس سے اعلیٰ ہو نہیں سکتا

مرے سوزِ دروں کو مجھ سے سن کر ڈاکٹر بولا
کہ ناممکن ہے ہرگز دل میں چھالا ہو نہیں سکتا

ہے گرچہ روشنی بجلی کی وجہ ضعفِ بینائی
چراغوں سے مگر ایسا اجالا ہو نہیں سکتا

شیخ مسجد میں گئے صاحب کلب میں ڈٹ گئے
ہم کسی قابل نہ تھے مجبور ہو کر ہٹ گئے

کچھ شاعرانِ نکتہ داں ایسے بھی ہیں جن کے یہاں
جتنے بلند الفاظ ہیں اُتنے ہی معنی پست ہیں
ان کو بُرا ہم کہتے ہیں ہم کو بُرا وہ کہتے ہیں
وہ اپنی دھن میں مست ہیں ہم اپنی دھن میں مست ہیں

آج کل جو قوم کے رہبر ہیں وہ لوگ اور ہیں
شیخ بے چارا تو آسی مفت میں بدنام ہے

خیالِ قوم ہے ہر وقت اور بندہ ہے
سوائے اس کے کوئی کام ہے نہ دھندہ ہے
جو جوش قوم بڑھائے وہ ہو مری اسپیچ
جو ہوش اڑائے جہاں کے وہ انکا چندہ ہے

جنابِ شیخ بھی چپکے سے کہہ گئے آخر
شراب رات کو اکثر حلال ہوتی ہے

دل میں اِدھر ہو جوش اُدھر شانتی بھی ہو
اس پالسی کو قوم مگر جانتی بھی ہو

بے ڈھب بدایونی

ایثار علی ۱۹۲۹ء میں جوانی کا زمانہ تھا

اک آہِ آتشیں میں ڈبل کام ہو گیا
ان کو بخار غیر کو سرسام ہو گیا
دو سیر باجرے کا ملیدہ اڑا گئے
لالہ کا پیٹ کیا ہوا گودام ہو گیا

بہن سے ڈروں گا نہ ماں سے ڈروں گا
جو وا ٹکٹ کہے گی وہ بیٹھک کے وں گا
نہ ہوگا اگر تم سے میرا مداوا
تو میں ساتھ اپنے تمہیں لے مروں گا

ہمارے بس میں اس صورت سے وہ عیار ہو جاتا
کہ تھانیدار ہم ہوتے وہ چوکیدار ہو جاتا

ڈھولک بجا بجا کر گاتا تھا اک زمانہ
اب کے جنم میں یارب عورت ہمیں بنانا
اس روگ پر ہو لعنت ہو یہ بھی کوئی گانا
تا دیم دیم دونا نادار دیم تا نا
کیا وہ ہرجائی مجھے ڈھونڈے سے ملے گا جو کبھی
ایک سو دس میں گرفتار نہ ہونے پایا
بار ہا راہ میں اک چنگی والے
راستہ عشق کا ہموار نہ ہونے پایا

کوئی انسان ہے اُف فہر کی طاعون ہے تو
کبھی جانبر ترا بیمار نہ ہونے پایا

یار تھا لیکن ذریعہ رسم کا حاصل نہ تھا
سائیکل اللہ نے دی تھی مگر پیڈل نہ تھا

داغِ دل کی روشنی دیکھی تو فرمانے لگے
گیس کا ہنڈا تھا بیڈھب تمہارا دل نہ تھا

دل میں اترلتے ہو کیا غیر کو اپنا کہہ کر
ہوش میں آؤ کریلا کہیں میٹھا ہو گا

دل لگانے کی سزا آپ مجھے کیا دیں گے
قید ہو گی کہ ضمانت کہ مچلکا ہو گا

جو نہ شوقین ہوا ایسا نہیں دل بر کوئی
پالتا ہے کوئی بلبل تو کبوتر کوئی

بیسیوں چاہنے والوں کی ضرورت کیا ہے
ناز اٹھواؤ گے تم ان سے کہ چھپّر کوئی

جگت الہ آبادی

جگت موہن ——— پیدائش ——۱۸۹۷ء

دونوں رخسار عنایت کریں اک اک بوسا
اب مرے واسطے سرکار سے چندہ ہو جائے

جہاں بارش کمی کرتی ہو کہیہ اپنے دہقاں سے
کہ اپنے کھیت پر لے جائے میری چشم گریاں کو

ایک دن رویا برائے امتحاں ہیں ناتواں
سو سمندر ساٹھ نالے لاکھ دریا بہہ گئے

میٹھی نظروں سے جو دیکھا مجھ کو
کیا میں حلوا ہوں جو مجھے کھائیگا

حسینوں کی نظر مجھ سے لڑی ہے
لڑی ہے یا مری قسمت لڑی ہے

خبر دیتی ہے ہچکی ان بتوں کی
نئی فیشن کی یہ جیبی گھڑی ہے

پھنسے جاتے ہیں سب اسکی گرہ میں
تمہاری زلف ہے یا ہنکڑی ہے

رخ انور پہ ان کے ہے عیاں غال
یہ بیٹھے سب دودھ میں مکھی پڑی ہے

کیا خلق ہیں، آمادۂ بیداد ہیں مچھر
نمرود سے کچھ کم نہیں شداد ہیں مچھر

پیاسے ہیں یہ ظالم بنی آدم کے لہو کے
سفاک ہیں خونخوار ہیں جلاد ہیں مچھر

چاہیں جسے کاٹیں جسے چاہیں اسے کھائیں
خالق کی خدائی ہیں بس آزاد ہیں مچھر

مارے کوئی لاکھ ان کو مگر فائدہ کیا ہے
مشکل ہے یہی صاحبِ اولاد ہیں مچھر

ہے گانے بجانے کا فن ایجاد انھیں کا
شاگرد جو گھاڑی ہیں تو استاد ہیں مچھر

روٹھا ہے مجھ سے میرا صنم ہائے باپ رے
کرنے لگا ہے چرخ ستم ہائے باپ رے

بالائے طاق وصل کی امید ہو گئی
چھاتی سے لگ کے بولا صنم ہائے باپ رے

جس طرح مٹ گئے ہیں یہ شاہان دہر سب
اوڑھیں گے کیا کفن یوں ہی ہم ہائے باپ رے

عنایت اللہ حجّام

پیدائش ۱۷۵۸ء

روز رخسار کے لیتا ہوں مزے خوباں کے
بہتر اس شغل سے حجّام ہنر کیا ہو گا

کیوں مجھ کو ستاتی ہے تو اے گردش گردوں
میں نائی کا بیٹا ہوں کہیں سر نہ رگڑ دوں

خط آنے سے بھی اپنی رسائی نہیں واں
حجّام کس طرح سے ملیں کیا ہنر کریں

رقیبوں پر میاں پڑتا ہے تب سو سو گھڑے پانی
بلا حجام کو جس روز تم حمّام کرتے ہو

اس شوخ کے کوچے میں نہ جایا کر حجّام
چھن جائیں گے اک روز یہ اوزار تمہارے

کل میاں حجّام سب کا مونڈتے پھرتے تھے سر
آج اس کوچے میں ان کی بھی حجامت ہو گئی

وجاہت جھنجھانوی

(تلمیذ داغ دہلوی)

واعظ اور سر سیّد

شہرا جب ان کے وعظ کا لوگوں میں ہو چلا
پھر تو وہ خود کو دل میں سمجھنے لگے ذرا
اب کیا تھا بڑھتے بڑھتے بڑھا ایسا حوصلہ
سیّد سے جا کے حضرتِ واعظ نے یہ کہا
چرچا ہے جا بجا ترے حالِ تباہ کا
اے مردِ آدمی یہ تجھے ہو گیا ہے کیا
شاید ترا دماغ ٹھکانے نہیں رہا
قسمت کا تو مقر ہے نہ قائل نصیب کا
سمجھا ہے تو نے نیچرِ تقدیر کو خدا
دل میں خیال بھی نہ رہا لاعلاج کا
کہتا ہے تو زبان سے دن کو تو قوم قوم
سوتا ہے خوب رات کو ہو ہو کے مستِ نوم
یاد خدا میں کوئی گزرتا نہیں ہے دن

ہے تجھ سے ترک ہجو زکوٰۃ و صلوٰۃ و صوم
کچھ ڈر نہیں جناب رسالت پناہ کا

تیری یہ رسم کیا ہے یہ تیرا ہے کیا رواج
سارے جہاں سے تو نے نکالا نیا رواج
دنیا و دیں کا تیرے ہے بالکل جدا رواج
اس نے دیا جواب کہ مذہب ہو یا رواج
راحت میں جو مخل ہو وہ کانٹا ہے راہ کا

درس و حدیث و فقہ میں کی زندگی بسر — کھوئی ہے ساری زندگی مسجد میں بیٹھ کر
ہر سو نئی ہے روشنی اب تو ہے جلوہ گر — افسوس ہے کہ آپ ہیں دنیا سے بے خبر
دیکھا نہیں ہے رنگ جو شام و پگاہ کا

حجروں میں مسجدوں میں رہے آپ عمر بھر — یہ زہد خشک آب وضو سے ہوا نہ تر
سب حال ہو عیاں جو سمندر سے ہو گزر — یورپ کا پیش آئے اگر آپ کو سفر
گزرے نظر سے حال رعایا و شاہ کا

یورپ کی لیڈیوں سے ہو صورت ملاپ کی — چینی کی مورتیں ہیں عجب ٹیپ ٹاپ کی
ہوٹل میں جائیں سیر کریں کافی شاپ کی — دعوت کسی امیر کے گھر میں ہو آپ کی
کمسن مسوں سے ذکر ہو الفت کا چاہ کا

خوش وضع خوش کلام خوش انداز مہ جبیں
میں چند لفظ بھول گیا ہوں نہیں نہیں
دل دار و دل ستان و دل آرام و دل نشیں
نوخیز جامہ زیب، گل اندام نازنیں
عارض پہ جن کے بار ہو دامن نگاہ کا

پڑ جائے پھر تو سائے سے پریوں کا واسطا
اِندر کے بھی اکھاڑے میں آئے نہ یہ مزا
اس بے تکلفی پہ بھی اے مردِ پارسا
رک گئے اگر تو ہنس کے کہے ایک مہ لقا

دل مولوی یہ بات نہیں ہے گناہ کا

دنیا میں اس سے کوئی بھی اچھا نہیں ہے کام
افسوس ہے کہ اس کو بتاتے ہو تم حرام
پی لو ہمارے ہاتھ سے وہسکی کا ایک جام
اس وقت قبلہ آپ کو جھک کر کروں سلام

پھر نام بھی حضور جو لیں قبلہ گاہ کا

ہندوستانی اور یورپین مس کی نوک جھونک

کہا جولیانے یہ بدر النساء سے
کہ موجودہ تہذیب سے تم ہو عاری
نیا کوئی انداز تم میں نہیں ہے
پرانی ہیں ساری ادائیں تمہاری
سمجھتی ہو زیور کو زینت کا ساماں
خوشی سے اٹھاتی ہو یہ بوجھ بھاری
بناوٹ سے تم چاہتی ہو چمکنا
لگاتی ہو کپڑوں پہ گوٹا کناری
وہی کرتی انگیا وہی بند محرم
چلی جاتی ہے حسن کی پردہ داری
لڑاتی ہیں بڑھ کر ہو بھٹیاریوں سے
چلاتی ہو بیڈھب چھری اور کٹاری
نہیں تم میں مغرب کا کوئی قرینہ
نئی روشنی میں چلن ہیں گنواری
ہو پردے کے زنداں میں تم مقیّد
تمہارا نہیں کوئی فعل اختیاری
مصیبت کے دن کاٹتی ہو جہاں میں
یہ جینا ہے یا نزع کی دم شماری
تمہیں بیٹھے جی مار رکھا ہے اس نے
پڑے بھاڑ چولھے میں یہ وضع داری
کہا سن کے بی بی نے اے میم صاحب
بس اب چپ رہو آئی اب میری باری
نئی روشنی کے نئے گیت گائے
بہت تم نے بڑھ چڑھ کے شیخی بگھاری
تماشا تو دیکھو کہ پردہ اٹھا کر
بنی پھرتی ہے میم میری بچاری

نظر پڑتی ہے غیر لوگوں کی ہر دم
تمہارا یہ چہرہ ہے یا چاند ماری

کیا کرتی ہو غیر مردوں سے باتیں
پھٹکتی نہیں پاس تک شرمساری

ہوئی ڈولی اور بند گاڑی سے نفرت
پسند آئی بائسکل کی سواری

نہ اتراؤ میموں کا سایا پہن کر
کہ صورت ہے کالی کلوٹی تمہاری

چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھولا
نہ کام آئی کوّے کی کچھ ہوشیاری

خطابوں کی شیدا ہوئیں عورتیں بھی
بیاہی مسز اور مس ہے کنواری

ترقی کرو علم شائستگی میں
نہ چھوڑو مگر اپنی تم وضع داری

اسے کہتے ہیں لوگ تقلید بیجا
بناوٹ ہے یہ سادگی بھی تمہاری

کوئی آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکتا
حکومت کا میموں کی سکّہ ہے جاری

ہے زیبا انھیں کے لئے بے حجابی
ہے شایاں ہمارے لئے پردہ داری

نہیں ملک میں رعب اب اپنا کچھ بھی
حکومت سے پھبتی ہیں باتیں یہ ساری

مبارک انھیں مغربی پورٹ منٹو
ہمیں ایشیا کی پرانی پٹاری

جھکا ہے ضعیفی میں قد شیخ کا
کبھی تیر تھا اب کماں ہو گیا

فلک کیوں زمیں کا سہارا نہ لے
یہ بوڑھا بہت ناتواں ہو گیا

مقتل میں غیر آ نہ سکا ڈر کے ہٹ گیا
بزدل نہیں تھا بز تھا کہ یوں صفا کٹ گیا

حاضر ہوا نہ حشر میں اچھا نبٹ گیا
اس غیر حاضری میں مرا نام کٹ گیا

نام رقیب میں نے لفافے پہ لکھ دیا
کچھ غم نہیں ہے خط جو انھیں بے ٹکٹ گیا

واعظ کی گت بنائی تھی رندوں نے بے طرح
یہ جانتے تھے اس کا بس اب پاپ کٹ گیا

لیکن وہ دم چرائے پڑا تھا زمین پر
رندوں نے پشت پھیری تو اٹھ کر جھپٹ گیا

دل ہے برسات میں بھی پژمردہ — سوکھ کر یہ شجر ہرا نہ ہوا
ہم نے کتنی ہی التجائیں کیں — وہ مگر ٹس سے مس ذرا نہ ہوا

اب ٹھکانا ہے یہیں عشق کے دکھیاروں کا — کوچۂ یار شفا خانہ ہے بیماروں کا
پاسِ شیریں تھا جو فرہاد نے کاٹا کوہسار — ورنہ یہ کام ہے مزدوروں کا معماروں کا

نہایت بے تکلف ہے مئے آشاموں کی صحبت بھی
اُدھر دو چار لیٹے ہیں اِدھر دو چار بیٹھے ہیں
ذرا مے خانہ میں دیکھو جناب شیخ کی سج دھج
کہ باندھے پُر تکلّف لٹ پٹی دستار بیٹھے ہیں

وہ میرے پاس آتے نہیں بھول کر کبھی — میں ان کے پاس جاؤں تو کہتے ہیں دُور رہو
کر ڈالو آج عشق کے جرم کا فیصلہ — تم حسن کی کچہری کے صدر الصدور ہو

سنتے ہیں جو واعظ سے کبھی مئے کی مذمّت — سب رند یہ کہتے ہیں کہ سمجھیں گے خدا کو

مرغ کے ہمراہ دیتا ہے مؤذّن بھی اذاں — آدمی کوئی اگر ہو جانور اتنا تو ہو
باوا آدم خلد سے نکلے تھے ہم گھر سے ترے — قصّہ کوتہ باپ کا پیرو پسر اتنا تو ہو

ملک عدم آباد میں ہے سخت حکومت
پر جا کوئی نکلے تو وہاں سے خبر آئے

جان ہے بس دم کی سبھی جہاں نثار
ساتھ راجہ کے یہ رانی جائے گی

جنت میں بسر ہوگی نہ حوروں سے ہماری
سنتے ہیں وہاں کا تو رواج اور ہی کچھ ہے

سوڈا واٹر ہو کہ انگور وغیرہ کا نچوڑ
پیاس لگتی ہے تو پی لیتے ہیں ہم ہر پانی

سانپ زلفوں کے پال رکھے ہیں
وہ حسیں کیا ہے اک سپیرا ہے

مل گیا نامہ بر ہمیں سستا
ایک کوڑی کا ایک پھیرا ہے

دل رہا بچ کر نگاہِ ناز سے
لے گیا بازی کبوتر باز سے

جان دی ہے ہم نے کوئے دلرُبا کے سامنے
تعزیہ ٹھنڈا ہوا ہے کربلا کے سامنے

احمد علی خاں شاد عارفی

اردو کے اس بے مثال طنز نگار نے خود اپنے باب میں لکھا ہے:۔

"میری سوانح حیات کا احاطہ ٹیڑھی کھیر ہے۔ اس لئے کہ اس میں جلیبی کے سے پھیر اتنے موڑ اتنی الجھنیں اور ایسے ایسے نشیب و فراز ہیں کہ سفینہ چاہیئے۔ اس کے لئے اختصار کے ساتھ میرے اس مطلع میں سب کچھ ہے ؎

کہہ نہیں سکتا بطرزِ داستاں ہو یا نہ ہو　　دیکھئے کوشش تو کرتا ہوں بیاں ہو یا نہ ہو

لوہارو میں ۱۹۰۳ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محمد عارف اللہ خاں وہاں تھانیدار تھے اور نانا بڑے فاضل مولوی تھے۔ اصل وطن رامپور ہے۔ آٹھ نو سال کی عمر میں رامپور آ گئے یہاں نواب حامد علی خاں کے دور میں امیر مینائی کی محفلیں دیکھیں اور شوقِ شعر جاگ اٹھا پہلے رنگِ قدیم کی غزلیں کہیں۔ خود کہتے ہیں ؎

دس پانچ برس حضرت حالی کی طرح شاد　　مجھ کو بھی جنونِ لب و رخسار رہا ہے

پھر غزل کی حمایت کے باوجود اس کی پرانی روش پر طنز کرتے رہے اور قدیم رنگ میں کہنے والوں کا مذاق اڑاتے رہے۔ انھوں نے سماج اور معاشرے کی کمزوریوں کو بھی ہاتھوں ہاتھ لیا ہے۔ لہجہ منفرد اور طنز کا شعور ارفع و اعلیٰ ہے۔ شفق رام پوری سے تلمذ رہا۔

پندرہ سال کارخانوں کی ملازمتیں کیں۔ تین سال سرکاری پریس میں پروف ریڈر رہے دو سال بجٹ اکاؤنٹنٹ رہے۔ طنزیہ کلام مجموعی طور پر شائع نہیں ہوا۔ ان کے ایک شاگرد مظفر حنفی صاحب نے ان کے فن اور شخصیت پر ایک ضخیم کتاب شائع کی ہے۔

ان کا انتقال ۱۹۶۴ء میں ہوا۔

؏ آپ کا کلام کتابت ختم ہو جانے پر ملا اس لئے مجبوراً آخیر میں درج کرنا پڑا۔

(مرتب)

ساس بہو

نمک سالن میں اتنا تیز توبہ
مزعفر ڈالڈا آمیز توبہ
بہو اور ساس رستاخیز توبہ

کسے پیٹوں کسے ڈالوں کٹاون
کہاں غائب ہے پن کٹی کی ہاون
اری مردار یہ آنسوؤں کا ساون

ڈراتی ہے مجھے جھڑیاں لگا کر
گرا دے چلمنیں پیڑیاں لگا کر

یہی اسکول میں سیکھا ہے تو نے
بڑے بے باک مغرب کے نمونے
پڑھایا ہے پڑوسن کی بہو نے

جبر و قدر

ہم سے آگے جا رہا تھا گاؤں کا وہ نوجواں
جس کی سرگرمی پہ برساتا ہے اولے آسماں
جس کا خرمن پھونکتی ہے فطرت نامہرباں
دودھ جس کی گائے کا جاتا ہے پٹواری کے ہاں
جس کے بیلوں کو کبھی مہلت نہیں بیگار سے
جس کو چھٹکارا نہیں شیطان کی پیزار سے

عاملِ دیہات دورے پر اسی کا میہماں
مرغ و مسکہ نوش گرداور اسی کا میہماں
شحنۂ بے رزق و بے بستر اسی کا میہماں
شہر کا ہر ہیٹ ہر موٹر اسی کا میہماں
ہر وبالِ ضلع اس کے نال اسی کی جان پر
صادق الحق ہے طویلے کی بلا بندر کے سر

دھوپ چمکی تھی کہ ہم نے تیتروں کو جا لیا
پَے بہ پَے اتنے ہوئے فائر کہ جنگل گونج اٹھا
جان دی اس نے زمین پر وہ ہوا میں چل بسا
ایک بے چارے کے بازو یہ گرے وہ دھڑ گرا
ظالموں کی دل لگی تکمیل پاتی ہے یونہیں
بے ضرر مخلوق کو دنیا ستاتی ہے یونہیں

متفرقات

وہ جو ننگی ناچتی رہتی ہے بزمِ عیش میں
اس غزل کا شادؔ کیا ماحول بھی قائل نہیں

وسمہ و غازہ کی یہ شوقین بڑھیا تابہ کے
فرض کر لیجے غزل میں بانکپن باقی بھی ہے

اس وقت کہ ماحول بھی للکار رہا ہے کیا موقعۂ رنگینیٔ گفتار رہا ہے

اے شادؔ غزل کا ہر دشمن ہٹ دھرمی چھوڑے غور کرے
نو لمبی لمبی نظموں سے نو شعر ہمارے کیا کم ہیں

ن ماہرانِ شعروادب نے جناب شاد عریانی غزل کا بھی جائزہ لیا

مبالغے کی تمام قسمیں جو شاد میں نے گلوں پہ چھیڑیں
پکار اٹھے باغباں کے بیٹے کہ واہ کیا شعر کہہ دیا ہے

جناب شیخ سیاست کے پھیر میں پڑ کر بتانِ دہر کو پروردگار کہتے ہیں

وہ ہمیں تلقین فرماتے ہیں ایسے مشورے
جیسے اندھے سے کہا جائے کہ بائیں ہاتھ کو

سن کے آہٹ جو ہٹا دی تھی اٹھالا ساقی
شیخ صاحب ہیں میں سمجھا تھا مسلماں ہو کوئی

سچ اور کھری بات چھپائی نہیں جاتی ہاں ہم سے غلط بات پہ جی ہاں نہیں ہوتا

شیخ صاحب کو روایات نے رکھا مجبور ورنہ چاہا تھا کئی بار مسلماں ہونا

کہیں فطرت بدل سکتی ہے ناموں کے بدلنے سے
جناب شیخ کو میں برہمن کہہ دوں تو کیا ہوگا

حضرت آدم سے اب تک شیطنت کے دور میں آدمیت جس نے اپنائی وہ بہکایا گیا

آپ کی یہ دلچسپی ہم شکستہ حالوں سے واسطہ نہ پڑ جائے مختلف سوالوں سے

جوان شاعر تو شادان وحشتوں سے دامن بچا چکے ہیں
مگر ضعیفوں میں اب بھی چرچا ہے چاک دامانی و رفو کا

میں پڑوسی ہوں بڑے دیندار کا کیا بگڑتا ہے مگر مے خوار کا
یہ چھچھورا شخص پہچا نو اسے خون ہے اس میں کسی سرکار کا
بعض احمق تک رہے ہیں آج تک آسرا گرتی ہوئی دیوار کا
جب سے پی ہے پی رہا ہے آج تک
شیخ بھی ہے آدمی کردار کا
مرے وطن میں میرے دشمنوں کی کچھ کمی نہیں
یہی تو وہ ثبوت ہے کہ میں خوشامدی نہیں

آپ کی تعریف

ان کو ادیارِ سخن کہتے ہیں لوگ
مغبچوں پر شعر فرمانے میں طاق
داخل عادت ہے ایرانی مذاق
قحط میں ارشادِ سعدی کے خلاف
عشق پر اصرار گستاخی معاف
اس تکلف پر کہ ہو جائے نہ جیل
ملتے ہیں اشعار پر سانڈے کا تیل

بد قماش و ننگِ فن کہتے ہیں لوگ
ان کو ادبارِ سخن کہتے ہیں لوگ
پیر گلشن شاہ سے بیعت ہے آپ

سونگھتے ہیں پھول کھاتے کچھ نہیں
جھوٹ ہے پیتے پلاتے کچھ نہیں

خلوتوں میں مرغ و ماہی کے سوا
کر چکے ہیں ترکِ حیوان و غذا

بخشتی ہے آپ کی میٹھی نظر
بانجھ کو اولاد اور کنواری کو بَر

بند کیجے منہ بڑے حضرت ہیں آپ
پیر گلشن شاہ سے بیعت ہیں آپ

کیا انھیں بھی آپ پہچانے نہیں

بلبلِ فردوس کے سالے ہیں یہ
بات اتنی ہے ذرا کالے ہیں یہ

چِھن چکی جاگیر آمد بند ہے
اب فقط افیون کا آنند ہے

پھل پھلاری بیچتے ہیں آج کل
بھوگتا ہے آدمی کرنی کے پھل

ہیں پریشاں حال دیوانے ہیں آپ
کیا انھیں بھی آپ پہچانے ہیں آپ

جن کی بنیشیں ہیں رہین کجی
جانتے ہیں مجھے ترقی نہ سبھی

فکرِ ہر کس بقدرِ ہمت۔ لیکن
بھینس کے آگے بین مجھ سو نہ بجی

بلند و پست میں نسبت ہے غیر قانونی
غرور و عجز میں رشتہ سماج کہتی ہے

کسی امیر کی لڑکی کسی غریب کے ساتھ
نکاح عیب سمجھتی ہے بھاگ کہتی ہے

ہلکے پھلکے طنز سے گویا ٹکڑے ٹکڑے پتھر دیکھا
جس نے مجھ کو گھور کے دیکھا میں نے اسکو ہنس کر دیکھا

پئے تحسین وطن طنز ہمارا فن ہے ہم کسی خانہ بر انداز سے ڈرتے ہی نہیں

ندرتِ فن کے واسطے اے شاد میرے مضمون میرے شعر چراؤ

اس نے جب سو تیر چلائے میں نے ایک غزل چپکا دی

شراب و شاہد کے تذکرے ان سے چھین لیجے تو کیا کریں گے
شراب و شاہد کے تذکروں تک ہی جن کی جادو بیانیاں ہیں

ہم سے اس قسم کی امید نہ رکھے دنیا
ہم کسی شخص کی تعریف تو کرتے ہی نہیں

قفس میں طائر غزل سرا ہیں چمن میں ہلڑ مچا ہوا ہے
ادب برائے ادب کی پہلی شتابدی کا مشاعرہ ہے

پہنچ گیا ہوں وہاں میں کہ واقعات نویس لکھے کہ طنز میں ہے منفرد شعور مرا
تو اے حکومت کج فہم و ناشناس ادب شراب توڑ کے بیچوں تو کیا قصور مرا

انقلاب آمادہ ذہنوں میں غزل کی چاشنی
تجھ میں اے مطرب تمیز اہلِ فن باقی بھی ہے

میں چراتا نہیں مضمونِ شگفتہ اے شاد جھین لیتا ہوں اگر دامنِ الہام میں ہو

جنھیں حقیقت بیان کرنا خلاف آئین و مصلحت ہے
سمجھ رہے ہیں معاشرے میں الگ تغزل کی مملکت ہے
جبھی تو ان مشاعروں کو سن کر گماں گزرتا ہے ایسے خط کا
لکھا ہو جس میں سوائے فاقہ وطن میں سب خیر و عافیت ہے

تلخیٔ گفتار کی تائید میں خطرہ ہے شاد مجھ سے بچتے ہیں اگر نقادِ فن تو کیا ہوا

سرخ شاعر، مصلحت کی کینچلی جھاڑیں جو شاد
پھول کو دل اور نکہت کو فغاں کہنے لگیں

فضول سی اک غزل جو اے شاد فن پہ نا ہوں کہ میں لکھوں
تو اس سے بڑھ کر فضول یہ ہے کہ میں مشاعرے شمار کر لوں

آپ کی نگاہوں سے موٹروں کے شیشے سے مختصر سے وقفے میں نوجوان دیکھے ہیں

کاش غور فرماتے عمر کی رعایت سے ان کے قلب کے اندر بوند بھی لہو کی ہے

صرف اپنوں کے تقرر کا ارادہ ہوگا اور اخبار میں اعلانِ ضرورت دیں گے

ہماری کتابیں

دیوان غالب مع شرح ۔ جوش ملیسیانی — قیمت چھ روپے

فردوس گوش — مجموعہ کلام جوش ملیسانی — " " "

جنون ہوش — " " " — " چار "

آئینہ اصلاح ۔ جوش ملسیانی (شاگردوں کے کلام پر اصلاحیں مع توجیح — " پانچ "

شرار سنگ ۔ مجموعہ عرش ملسیانی — آٹھ روپے

ہفت رنگ ۔ " " — " تین "

نغمۂ سرمد ۔ از عرش ملیسانی (سرمد کی رباعیوں کا ترجمہ اردو رباعیوں میں) — " پانچ "

پوسٹ مارٹم ۔ عرش ملیسانی کے نیم مزاحیہ مضامین کا مجموعہ — " دو روپے ۲۵ پیسے

ملنے کے پتے

مرکز تصنیف و تالیف نکودر (پنجاب)

مکتبہ جامعہ اردو بازار دہلی